حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ اور دیگر مشائخ نقشبندیہ کے حالات و تعلیمات پر

تالیف: خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم: سید محبوب حسن واسطی (کراچی)

ناشر:

المصطفیٰ پبلی کیشنز، اولڈ یونیورسٹی کیمپس، حیدرآباد، سندھ۔

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب: نسمات القدّس

مصنّف: خواجہ محمد ہاشم کشمی

مترجمہ: سید محبوب الحسن واسطی

زیرِ نگرانی: حافظ منیر احمد صاحب

ناشر: المصطفیٰ پبلی کیشنز،

اولڈ یونیورسٹی کیمپس، حیدر آباد، سندھ۔

تاریخِ اشاعت: جمادی الاوّل۔۱۴۳۶ ہجری

طباعت: پیراماؤنٹ پرنٹنگ پریس، کراچی۔

فہرستِ مضامین

کتاب کلمات الانس علیٰ نسمات القدس

کتاب ھذا کی تصحیح کتابت حتی المقدور کوشش سے کی گئی ہے پھر بھی بتقاضائے بشریت اگر کہیں غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ دُرستگی کی جاسکے۔

(ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يَا خَفِيَّ اللُّطْفِ اَدْرِكْنِیْ بِلُطْفِکَ الْخَفِیْ

عرضِ ناشر

اشاعت دوّم

اللہ پاک کا بے حد احسان وشکر ہے کہ اس نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے صدقے میں حضرت دادا ابا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں قدس سرہٗ کے فیضِ روحانی وتصرف کے باعث اس عظیم تصنیف ''نسمات القدوس'' جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت حضرت سالارِ طائفہ خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی وتعلیمات اور آپ کے خلفاء و دیگر مشائخ کے بھی حالات وکرامات پر مشتمل ہے۔

۱۴۱۰ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والی قدیم ونایاب کتاب کی اشاعتِ دوّم کی سعادت اللہ رب العزت نے مجھ سیاہ کار کو نصیب فرمائی۔

''نسمات القدوس'' خصوصی طور پر تصوف اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اہم ترین ماخذ میں سے ایک ہے۔ یہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی

سرہندی قدس سرہٗ) کی فارسی تصنیفِ لطیف ہے جس کا اردو ترجمہ جناب محبوب حسن واسطی صاحب مدظلہٗ العالی نے کیا۔

میں یہاں اکرم مجددی صاحب (مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ) کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جن کی توجہ وکوششوں سے ۱۴۱۰ھ میں پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا جس میں آپ نے فرمایا:

''بندہ اپنے پرائے کرم فرما پیر طریقت حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہٗ العالی کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے اس نایاب کتاب کا عکس مکتبۂ عارفِ حکمت مدینہ منورہ سے انتہائی محنت وکوشش سے حاصل کیا اور ترجمہ کرا کے بندے کو شائع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔''

میں یہاں اس بات کی بھی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مندرجہ ذیل مضامین ''تقریظ'' اور ''پیش لفظ'' اشاعتِ اوّل سے ہی لیا گیا ہے جو حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتی کا ہے۔ اس میں ہم نے ردوبدل نہیں کیا۔

میں یہاں ان تمام حضرت کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اشاعتِ دوم میں تعاون وکوشش فرمائی۔ اللہ رب العزت ان سب کو اور ان کی آل اولاد کو دونوں جہانوں میں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ہم سب کے لیے آخرت میں بخشش کا ذریعہ بنادے اور ان کوششوں کو اپنی بارہ میں قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

احقر حافظ منیر احمد خاں

المصطفےٰ ٹرسٹ بائی پاس حیدرآباد سندھ

۲۱/ جمادی اوّل ۱۴۳۶ھ

۱۳/ مارچ ۲۰۱۵ء، جمعۃ المبارک

تقریظ

بر کتاب نسمات القدس

اُردو ترجمہ

از قُدوۃُ السّالکین، شیخ المشائخ حضرت

قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب دامت برکاتہم

(ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ) حیدر آباد (سندھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

فاضلِ گرامی، عزیز سامی مولانا سیّد محبوب حسن واسطی صاحب زید مجدہٗ ایک عالمِ تبحر اور جادو بیان مقررّ ہیں اور زہد و تقویٰ میں بھی خاص مقام کے حامل ہیں۔ پھر انگریزی میں بھی غیر معمولی قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ پاک کا خصوصی انعام ہے۔

مدینہ منورہ میں مکتبہٗ عارف حکمت کے مخطوطات کی زیارت کا موقع نصیب ہوا۔ تو وہاں نسماتُ القدس کا مخطوطہ بھی نظر افروز ہوا۔ چناں چہ اُسی وقت سے اُس کے عکس کے حصول کے لیے مختلف حضرات سے گزارش کرتا رہا۔ بالآخر مولانا سیّد عقیل محمد صاحب مدظلہ کی کوشش سے اور عزیزی محمد ہارون میمن سلّمہٗ کی مالی امداد سے اِس کا عکس حاصل ہوگیا۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اَحْسَانَهٗ)

اب معلوم ہوا ہے کہ اس مخطوطے کے بعض نسخے ہمارے ملک میں اور دُوسرے غیر ممالک میں بھی محفوظ ہیں۔ لیکن چوں کہ وقت زیادہ گزرتا جارہا ہے اس لیے اُن نسخوں کے حصول میں اور اُن سے مطابقت کرنے میں مہلت اور فرصت نہ ہونے کی بناء پر فی الحال مدینہ منورہ والے نسخے ہی پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

فاضلِ محترم (مترجم) نے جس خلوص اور محبت سے یہ ترجمہ کیا ہے اس کا اندازہ اس کے مطالعے ہی سے ہوسکتا ہے۔ ان کو حضرت محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت ہے، اور اُن کے طرزِ بیان، فصاحت و بلاغت، نیز شاعرانہ نکتہ آفرینی سے وہ بہت متاثر ہیں۔ اِسی وجہ سے ان سے ترجمہ کرنے اور حواشی لکھنے کے لیے گزارش کی گئی تھی۔ انہوں نے ترجمہ برجستہ کیا ہے۔ کتابت میں جو فروگزاشتیں تھیں اور حوالے کے اندراج میں جہاں تسامح تھا اُن سب کو دُور کیا ہے اور ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اشعار کے علاوہ اہم ارشادات (جو فارسی میں ہیں) اُن کو بھی قائم رکھا ہے۔ یہ تمام خوبیاں اس کے مطالعے ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید

اللہ پاک، عزیز محترم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اپنے مقبولین میں شمار فرمائے، نیز اُن کے متعلّقین کو بھی ایسے پاکیزہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہٗ رحمۃ اللعالمین ﷺ اب آپ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی ملاحظہ فرمائیں اور اس کی حلاوت و عذوبت کے لطف اندوز ہوکر فاضلِ مترجم کو اپنی دُعاؤں کے ساتھ ممنون فرمائیں۔ فقط والسّلام

احقر غلام مصطفٰے خاں غفرلہٗ

حیدرآباد (سندھ)

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

اَمَّا بعد حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ (۹۸۹ھ۔۱۰۵۴ھ) حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے انتہائی بلند مرتبہ خلیفہ تھے۔ بدخشاں کے موضع کشم میں پیدا ہوئے۔ خواجگانِ نقشبند رحمہم اللہ سے طبعی مناسبت رکھتے تھے۔ یہی شوق ۱۰۲۵ھ کے قریب آپ کو بدخشاں سے ہندوستان لایا۔ چناں چہ برہان پور (دکن) تشریف لائے۔ اور حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ میر محمد نعمانؒ (۹۷۷ھ۔۱۰۵۸ھ) سے بیعت ہوئے اور ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا۔ یہیں حضرت مجدّدؒ سے عقیدت و محبت پیدا ہوئی اور حضرت میر محمد نعمانؒ کی اجازت سے حضرت مجدّد قُدِّسَ سِرُّہٗ کی طلبی پر ۱۰۳۱ھ میں سرہند شریف میں آپ کے آستانہ کی خاک نشینی کی سعادت حاصل کی لفظ (خاک نشینی ۱۰۳۱ھ) سے خود اس کی تاریخ نکالی۔ تقریباً دو سال خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے ساتھ رہے اور بہت کچھ پایا۔ حضرت مجدّدؒ کے وصال (۱۰۳۴ھ) سے سات ماہ پہلے تک یہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ پھر حضرت نے رجب ۱۰۳۳ھ میں آپ کو اہل و عیال کے پاس برہان پور جانے کے لیے ارشاد فرمایا۔

چناں چہ آپ برہان پور چلے گئے۔ اور حضرت مجدد قدِّس سِرُّہٗ کے وصال تک آپ کے پاس پھر سرہند شریف نہ آ کے۔ ۱۰۵۴ھ میں برہان پور ہی میں آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کمال درجہ کے انشاء پرداز تھے اور بلند پایہ مؤرخ و شاعر۔ مکتوبات امام ربّانی کے تینوں دفاتر کی تاریخیں درّ المعرفت (۱۰۲۵ھ)، نور الخلائق (۱۰۲۸ھ) اور معرفتہ الحقائق (۱۰۳۱ھ) آپؒ ہی نے کہیں۔ دفترِ ثالث مکتوبات امام ربانیؒ جس میں حضرت مجدد الف ثانی قدِّس سِرُّہٗ کے ۱۲۴ مکتوبات ہیں آپ نے مرتب فرمایا اور لفظ ثالث (۱۰۳۱ھ) سے بھی اس کی تاریخ نکالی۔ آپ کی چند تالیفات یہ ہیں۔ (۱) برکات الاحمدیۃ الباقیۃ جو زبدۃ المقامات (۱۰۳۷ھ) کے تاریخی نام سے مشہور ہے۔ پیشِ نظر کتاب ''نسمات القدس'' کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدِّس سِرُّہٗ، اُن کے خلیفۂ اعظم حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی اولا دامجادؒ و خلفاء عظام کا تفصیلی ذکر ہے۔ (۲) دیوانِ اشعار عربی و فارسی۔ اِس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں اور جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ (۳) طریق الوصول فی شریعۃ الرسول (۱۰۴۲ھ): تصوّف کے مختلف سلسلے اس کا موضوع ہیں۔ (۴) دار الاسرار فی تحیۃ سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۵) تاریخ الانبیاء۔ (٦) نسمات القدس من حدائق الانس۔ ان کے علاوہ شاعری میں فارسی کلیات بھی ہے جو مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

پیشِ نظر کتاب نسمات القدس من حدائق الانس جس میں ۱۰۴۱ھ تک کے واقعات ہیں ''زبدۃ المقامات'' کا پہلا حصہ ہے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدِّس سِرُّہٗ سے پیش تر یا آپ کے دور میں جو مشائخِ نقشبندؒ تاشقند، سمرقند، بخارا، افغانستان، ترکستان و ہندوستان میں گزرے ہیں۔ ان کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے۔ حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے شروع میں فرمایا کہ یہ کتاب شیخ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''رشحات

عین الحیات'' کا تکملہ ہے۔ یعنی بعد کے دور کے جن مشائخ نقشبندیہؒ کے حالات ''رشحات'' میں نہیں بیان ہوئے۔ اِس کتاب ''نسمات القدس'' میں اُن کا تذکرہ ہے۔

مرشدی و مخدومی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب دامت برکاتہم نے ''نسمات القدس'' فارسی کے اِس قلمی نسخہ کی فوٹو کاپی بڑی مشکلات کے بعد مدینہ منورہ کے مکتبہ عارف حکمت سے حاصل کی اور اس عاجز سے کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے فرمایا جو قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔ اس عاجز نے بحمد اللہ وعونہٖ ۔(۱) محرم الحرام ۱۴۰۶ھ کو یہ اُردو ترجمہ مکمل کیا اور اس کا نام ''کلمات الانس علیٰ نسمات القدس'' رکھا۔ احقر نے ترجمہ باللفظ کے بجائے ترجمہ بامعنی کو پسند کیا ہے اور حضرت مؤلف خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کے مطالب کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصل فارسی نسخہ میں آیات کا حوالہ نہ تھا۔ بعض جگہ کتابت کی غلطی سے آیات غلط لکھ دی گئی تھیں۔ بعض جگہ مکتوبات امام ربانیؒ کا مکتوب نمبر غلط لکھ دیا گیا تھا۔ ایسے مقامات پر مکمل حوالہ دے دیا گیا ہے اور اغلاط کی تصحیح کردی گئی ہے۔ فارسی اشعار کا صرف اُردو ترجمہ بے مزہ رہتا، اس لیے ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی شعر بھی ذکر کردیا گیا ہے۔ تاکہ شعر کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کی جاسکے۔ بزرگوں کے بعض اہم ارشادات (نسمات) کے اُردو ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی عبارت بھی نقل کردی گئی ہے۔ تاکہ اُن بزرگوں کے کلمات کی برکت بھی حاصل ہوسکے۔

اللہ پاک سے دُعا ہے۔ اس ترجمہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ قارئین کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہو اور اس ہیچمدان عاصی گنہگار کے لیے یہ ذریعۂ نجات بنے۔ (آمین ثم آمین)

احقر العباد

سیّد محبوب حسن واسطی

۲۸ رصفر المظفر ۱۴۰۶ھ، ۱۲ر نومبر ۱۹۸۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی سِیَّمَا عَلٰی سَیِّدِ الْوَرٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ الْاَزْکِیَاءَ وَاَحْبَابِهِ الْاَوْلِیَاءِ النَّائِبِیْنَ مَنَابَهٗ فِیْ اَحْوَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ بِالْاِمْتِثَالِ وَالْاَخْیَارِ[1] الْمَنْصُوْرُوْنَ لَایُضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ.

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور سلام ہو اُس کے پسندیدہ بندوں پر، بالخصوص اُس بزرگ ہستی پر جو تمام مخلوق کے سردار ہیں یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اولاد اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر جو پاکیزہ اطوار کے مالک ہیں اور آپ کے احباب پر جو اولیاء اللہ ہیں۔ آپ کے احوال و اقوال کی اِتباع کرنے میں آپ کے نائب اور ایسی بزرگ ہستیاں جن کو اللہ پاک کی مدد و نصرت حاصل رہی۔ قیامت تک اگر انہیں کوئی ذلیل و رسوا کرنا چاہے تو اس سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

امّا بعد۔ اس کتاب کا مؤلف محمد ہاشم بن القاسم (اللہ اُسے انفس و آفاق کی قید سے آزاد کرے) عرض کرتا ہے کہ اس ذرۂ بے مقدار کی بھلا کہاں اتنی ہمّت تھی کہ محبتِ خداوندی کے آسمان کے آفتاب صفت بزرگوں کے حالات لکھ سکے اور اس شکستہ بال

---

[1] شاید یہ لفظ اصل میں الاختیار ہوگا لیکن اصل نسخہ میں الاخیار ہے لہٰذا یہی رہنے دیا۔

ممولے کا جو کانٹوں اور کوڑے کرکٹ پر پڑا ہو بھلا کہاں اتنا حوصلہ تھا اور کہاں اتنا مرتبہ کہ ہمائے قدس کے شاہباز طبیعت بزرگوں کی منقبت بیان کر سکے۔ تاہم ابتداء ہی سے اور آغازِ نشو ونما ہی سے یہ عاجز اِن بزرگوں کی محبت میں گرفتار رہا ہے اِنھی بزرگوں کی باتیں بیان کرتا رہا ہے اور انھی کے ارشادات سنتا رہا ہے اور اِسے اِن بزرگوں سے ایک خاص تعلق رہا ہے۔ پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل مقدّمہ میں آرہی ہے۔ جس نے خواجگان نقشبند رحمہم اللہ کے ساتھ اس عاجز مؤلف کا تعلق مستحکم کر دیا اور اسے دولتِ خاک نشینی کا شرف حاصل ہوا۔ تو اِس عاجز کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر توفیقِ خداوندی عزَّ شانہٗ میسر آجائے تو اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اُن متاخرین اکابر کے حالات لکھے جائیں جو صاحبِ رشحات کے دَور سے آج تک کسی بھی شہر و ملک میں ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ طالبانِ حق کی راہنمائی کر سکیں۔ یہ حالات صرف اُسی قدر ہوں جتنے ان بزرگوں کی کتابوں اور رسائل سے حاصل ہو سکیں اور اس طرح ایک کتاب مرتب ہو جائے جو اس عاجز کے لیے سعادتِ عظمیٰ کا موجب ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ یہ عاجز کم علم ہے اور اس میں اس عظیم کام کی استطاعت نہیں۔ ادب کے تقاضوں کے پیشِ نظر اس طرح یہ کام آئندہ کے لیے ٹلتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۳۱ھ میں اُن بزرگ کی آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہوا جو اس سلسلۂ عالیہ کے مروّج ہیں۔ اسرارِ حقیقت کے احاطہ کرنے والے صدیوں بعد آنے والی ایک عظیم ہستی، عارفین و واثقین کے سربراہ، علماء راسخین کے سردار، اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی، گیارہویں صدی کے مجدّد:

زبانِ من بہ مدح ہمچو اُوئے
بہ دست تند بادے تار موئے

''میری زبان اُن کی تعریف سے ایسی ہی قاصر و مجبور ہے جیسے تند و تیز ہوا کے

تھوں میں ایک بال''۔

وہ رحمتِ خداوندی کے خزانہ کے خازن ہیں۔ برکتوں والے، سچائی اور دین کے ماہِ تاباں یعنی حضرت امام ربّانی شیخ احمد الفاروقی الحنفی النقشبندی السرہندی کہ جہاں بھی اِس کتاب میں ''حضرت ایشاں'' کا لفظ آئے یا ''حضرت شیخ'' (ہمارے شیخ) آئے تو اُس سے مراد آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے قدس اللہ سبحانہ، سرّہٗ الاقدس۔

یہ عاجز کیا حالتِ سفر اور کیا حالتِ حضر تقریباً دو سال مستقل حضرت کے دامن سے وابستہ رہا اور اس قلیل مدّت میں اس عاجز کو جو کثیر فوائد حاصل ہوئے اور اِس شکستہ خاطر کے روزنِ دِل پر اُن آفتاب عالمتاب کے جو انوار منعکس ہوئے ان کا شرح و بیان اس حقیر کی طاقت سے باہر ہے۔

وَلَـوْاَنَّ فِـیْ کُـلِّ مَنْبَـتِ شَعْـرِیْ
لِسَـانًـا یَبُثُّ الشُّـکْـرَ کُنْتُ مَقْتَصِرًا

''اگر میرے روئیں روئیں کو بھی زبان نصیب ہو جائے اور وہ اُس کا شکر بجا لانا چاہے تو عاجز رہے کہ اُس کا شکر نہیں بجا لایا جا سکتا''۔ یہ دن آپ کے پڑوس میں اور آپ کے زیرِ سایہ گزرے۔ ان غوثِ دوراں (حضرت مجدّد الف ثانیؒ) کے صاحبزادگانِ کبار نے جو خود جامع علوم و اسرار ہیں اور جن میں سے ہر خلف رشید مدّ ظلہم العالی کے حالات اس کتاب میں آئندہ آئیں گے اس کمترین سے اشارۃً فرمایا۔ کہ حضرت کے وہ تازہ ارشادات و معارف جو وقت اور موقعہ کی مناسبت سے اور مریدوں کے خاص حالات کے پیشِ نظر آپ کی زبان دُرِّ فشاں سے خلوت و جلوت میں ظاہر ہوئے اور آپ کے اُن مکتوبات شریفہ میں موجود نہیں ہیں جو فتوحات کے لئے معاونِ و مددگار ہیں اُنہیں قلم بند کروں کہ آپ کے کچھ طریقے اور برکات اور آپ کی کچھ کرامات و خوارقِ عادات سامنے

آ سکیں۔ نیز حضرت مجددؒ کے پیر و مرشد کے حالات بھی قلمبند کروں جو قطبِ زمانہ دُرِ یگانہ، وحید العصر، یکتائے روزگار، باطن کو منور کرنے والے، برکتوں کا چھپا ہوا خزانہ، عارفوں کے چراغ، ملت و دین کے پسندیدہ یعنی ہمارے شیخ و امام حضرت خواجہ محمد الباقی الاویسی النقشبندی قُدِّسَ اللہ سِرَّہٗ کہ اس کتاب میں جہاں بھی ''حضرت خواجۂ ما، یعنی ہمارے خواجہ کا لفظ آیا ہے اُس سے آپ ہی مراد ہیں تو اُن صاحبزادگانِ کبار کا اشارہ تھا کہ میں اُن کے حالات بھی قلمبند کروں تا کہ محبین و مخلصین کے احوال و کردار کے بیلئے یہ عروۂ وثقیٰ ثابت ہو اور میری ایک یادگار باقی رہ جائے۔ نیز سیّدی و مرشدی امیر عالی جناب، طالبانِ طریقت کو فیض بخشنے والے، اربابِ ذوق و وجدان کے قائد و رہنما، محبت و عرفان والوں کے نقیب حضرت میر محمد نعمان سلّمہٗ المنّان نے بھی اس کی تائید و تاکید فرمائی۔ جذبات تشکّر کے ساتھ حضرت میر محمد نعمان کے کرم و عنایات کا ذکر اس کتاب میں آئے گا تو اب ان تمام موانع اور رکاوٹوں کے باوجود تعمیلِ ارشاد کے سوا چارہ نہ رہا۔ اِسی دوران وہ داعیہ بھی ظہور پذیر ہوا جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے تو اللہ کا نام لے کر کتاب لکھنی شروع کی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے یہ کتاب دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالۂ اُولےٰ میں اس سلسلۂ شریفہ کے اکابر کے حالات ہیں ماسویٰ حضرت مجدّد کے پیروں کے اور مقالۂ ثانیہ میں حضرت مجدّد کے پیروں کے حالات ہیں۔ خود حضرت مجدّد کے خصوصی حالات اور آپ کے صاحبزادگانِ گرامی اور خلفاء عظام کے حالات ہیں۔ ان دو مقالوں سے پیشتر ایک مقدّمہ ہے جس میں امام سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے حالات اور اُن کے علُوّ مرتبت کا ذکر ہے۔ اِس سلسلہ کی جو مختلف شاخیں آپ کی ذاتِ گرامی سے پھوٹی ہیں۔ اس میں اُن شاخوں کا بھی بیان ہے۔ اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی لطیف نقطہ یا کسی بزرگ کا ارشاد نقل ہوا ہے تو اُسے لفظ ''نسمہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لیے اس کتاب کو ''نسمات القدُس من حدائق الانس'' کا نام دیا گیا ہے کہ اس میں ذکر کیا گیا ہر لطیف نکتہ فرمایا ہوا ہر ارشاد روح کو بالیدگی و تازگی عطا کرنے والا ہے۔ وہ نکتہ یا ارشاد اُن روشن ضمیر و روشن قلب بزرگوں کے انفاس نفیسہ سے ہم تک پہنچا ہے اور اُن کو یہ تازگی و بالیدگی حضرت حق جَلَّ مَجدُہٗ کی جناب سے ملی ہے۔ اور محبت کے باغوں میں گھومنے پھرنے والے اِن بزرگوں کے قلوب پر واقع ہوئی ہے۔ اللہ پاک طالبانِ حق کی ارواح کو ان ارشادات سے تازگی نصیب فرمائے اور سالکین کو عموماً اور اس عاجز کو خصوصاً ان کی برکات سے مستفید فرمائے۔ (آمین)

یہ کتاب ''نسمات القدس'' گویا کتاب ''رشحات عین الحیات'' کا تکملہ ہے اور اس فاتح لشکر کو آگے کی راہ دکھانے والی ہے۔ یہ میری آرزو اور پختہ ارادہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہٗ کی مشیت اور اس کا کرم شاملِ حال رہا تو اس کتاب سے فراغت کے بعد طریقت کے دوسرے سلسلوں کے اکابر متاخرین کے حالات کتاب ''نفحات الانس'' کے طرز پر میں خوبصورتی سے ترتیب دوں گا اور اُس کا نام ''صفحات الانوار من مقامات الاخیار'' رکھوں گا۔ دیکھئے کب اس کام کا وقت ملتا ہے اور کب فرصت نصیب ہوتی ہے۔

صبر کنیم تا کرم اُو چہ میکند!

(''ہم حالتِ انتظار میں ہیں کہ کب اُن کا کرم متوجہ ہو'')

اِس کتاب کی تالیف کے وقت عاجز کے سامنے چند دُشواریاں تھیں مثلاً ایک یہ کہ ترتیبِ کتاب کے وقت یہ عاجز ہندوستان میں تھا۔ اور اِس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے منتسبین ماوراء النہر و خراساں کے علاقوں میں مسندِ ارشاد و ہدایت پر فائز تھے۔ ہندوستان میں ایسے بزرگوں کی آمد کم تھی جن سے مشائخِ نقشبندیہ کے معتبر حالات معلوم کرنے میں مدد ملتی۔ پھر متاخرین کے رسائل بہت کم ہاتھ لگ سکے کہ اِس دور میں بزرگانِ دین سے محبت کرنے

والوں نے اُن کے حالات لکھنے اور اُن کی تحقیق کرنے میں کسل (سُستی) شروع کردیا ہے اور اس کی طرف کم توجہ کی ہے۔ اِس طرح مجبوراً پہلے کے بزرگوں کے حالات اجمال و اختصار کے ساتھ لکھے جاسکے اور وہ مختصر حالات بھی بڑی جستجو اور بے حد کاوش و مشقت کے بعد دستیاب ہوسکے۔ بہر حال جیسا کہ وارد ہوا ہے:

اَلْاَجْرُ عَلٰی قَدْرِ التَّعَبِ

(کہ کسی کام کا ثواب اُس کی محنت و مشقت کے مطابق ہے)

مجھے اُمید ہے کہ اس سلسلے کی ہر مشقت کی جزاء کے طور پر مجھے ان معمور دل بزرگوں کے باطنی خزینوں سے خزانہ ہاتھ آئے گا۔ اِس بے نوا سائل کے دل کا ان بزرگوں کے سوا کوئی سرمایہ نہیں اور اُن کے آستانہ کی خاک کے علاوہ اُس کی کوئی دولت نہیں۔ اس عاجز کو یہ نعمت تو نہ ملی کہ اِن بزرگوں کو پاتا لیکن ان کے ذکر اور ان کی منقبت بیان کرنے کی تو سعادت حاصل ہوئی۔ ان بزرگوں کے حالات کی صحیح تحقیق اور اُن کا پورا مقام نہ دریافت کرسکا مگر اُن کے نام گنانے سے تو دل کو تسلی دے لی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بار کردند ہمسر ہاں بقطار بارِ ما نیست ما چہ بار کنیم
بر بلندی رویم و بنشینیم شترِ مَردماں شمار کنیم

"(ساتھیوں نے بوجھ دے کر لاد دیا ہے مگر ہمارا اتنا یارا کہاں کہ بوجھ اُٹھا سکیں۔ ہم بلندی پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کے اُونٹ شمار کرتے ہیں)"۔ کیا اچھا ہو کہ اِن بزرگوں کی منقبت بیان کرتے کرتے اِن کی محبت میں سرگرداں رہتے رہتے اور ان کے جھنڈوں کے سایہ تلے ہم خاک سے اُٹھیں:

پروانۂ آں شوم کہ پروانۂ اوست!

"(جو اُن پر پروانہ وار نثار ہو میں اس کا پروانہ ہو جاؤں)"

حضور پُر نور علیہ ﷺ نے اُمّتِ مسلمہ کو اس دعا کی تعلیم دی:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلِ الَّذِیْ یُقَرِّ بُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ۔[1]

''(اے اللہ! مجھے اپنی محبت عنایت فرما۔ جو تجھ سے محبت کرے اس کی محبت عنایت فرما اور جو عمل تیری محبت سے قریب کرے اُس عمل کی محبت عنایت فرما)''۔ اس ارشادِ نبویؐ میں حُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ (جو تجھ سے محبت کرے اُس کی محبت عنایت فرما) کا لفظ درمیان میں واقع ہوا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بزرگوں کی یہ ایک محبت دو دوسری محبتوں کا ذریعہ بنتی ہے، خدا کی محبت کا بھی اور نیک عمل کی محبت کا بھی۔

عظیم بزرگ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے ایک دن اپنے مریدوں سے فرمایا کہ کل روزِ قیامت جب تم سے تمہارے بارے میں پوچھا جائے تو ہرگز جواب دینے کی کوشش نہ کرنا۔ مریدوں نے عرض کیا۔ حضرت پھر ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یہ کہنا ہم تو دنیا میں بہت ہی کمتر و حقیر تھے۔ البتہ اِن بزرگوں کا دامن پکڑا تھا۔ یہ ہمارا حال زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ جب تم معاملہ ہم پر چھوڑ دو گے تو تم انشاءاللہ بخیر و خوبی عہدہ برا ہو گے۔ کتاب ''نفحات الانس'' میں حضرت شیخ ابوعلی شبوئیؒ کے حالات میں لکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خود کو ان بزرگوں کے ساتھ رکھ۔ ان بزرگوں اور ان کے ساتھ نشست و برخاست کرنے والوں سے فیض حاصل کر تا کہ کل قیامت کے دن جب تجھ سے پوچھیں کہ تو کون ہے تو کہہ سکے کہ میں ان کے ساتھ نشست و برخاست کرنے والا اور ان کا دوست ہوں۔ اور جب تو ان

---

[1] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ، وَحُبَّ مَنْ یُّحِبّکَ، وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ الحدیث (مشکاۃ، کتاب الدعوات باب جامع الدعا، الفصل الثالث) (الفاظ میں ایسی کمی بیشی روایت بالمعنی کے حکم میں ہے، لہٰذا اعتراض نہیں)

بزرگوں کی باتیں سنے تو اگرچہ تیری سمجھ میں نہ آئیں اپنی گردن جھکالیا کرتا کہ کل قیامت
کے دن کہہ سکے کہ میں ان بزرگوں کی باتیں سن کر گردن جھکانے والا تھا۔ اگرچہ تو حقیقی مجرم
ہی ہو اس سبب سے اللہ سے تیری رہائی ہو جائے۔ **رَزَقَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَمِیْعُ الْاِخْوَانِ
جَامِعَ وُفُوْرِ مُحَبَّتِہِمْ وَمُتَابَعَتِہِمْ بِحَقِّ ہٰؤُلَآءِ الْاَکَابِرِ وَحُرْمَتِہِمْ** (اللہ پاک ہمیں
اور تمام بھائیوں کو ان بزرگوں کی محبت واتباع نصیب کرے، بہ طفیلِ اکابرؒ)

☆☆☆

مقدمہ

یہ مقدمہ اس سلسلۂ عالیہ کے امام وپیش رو وعارفینِ کبار کے غوث اور شہرت وعظمت میں نصف النہار کے سورج کی مانند، متقدمین کی برہان و دلیل، متاخرین کے سُلطان، عارفوں کے تاج حضرت خواجہ بہاء الحق والدین نقشبندیؒ کے سُموِ منزلت وعلوِ مرتبت کے بیان میں ہے۔اُن پر اللہ کی رحمت ہو۔حضور سیّد المرسلین ﷺ تک جو مشائخ متقدمین ہیں اُن پر اللہ کی رحمت ہو اور متاخرین خلفاء پر بھی ہو روزِ قیامت تک۔اس سلسلۂ عالیہ کی جو شاخیں آپ کی ذاتِ گرامی سے نکلی ہیں اُن کا بیان ہے اور اُس کی شرح وکیفیت ہے۔

اِس سلسلۂ عالیہ کی پیشوائی حضرت خواجۂ بزرگ سے پیشتر اگرچہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی روحانیت سے تھی اور آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے اشارہ سے اِخفاء اور عزیمت پر عمل کا طریقہ تلقین فرمایا تھا اور طالبانِ حقیقی کے ارتباط کے لئے اِس کی خاطر خواہ تشریح فرمائی تھی لیکن اس سلسلہ کو جو رونق اور زینت حضرت شاہِ نقشبند چارۂ ہر مستمند قدَّسَنا اللّٰہُ بِسِرِّہٖ الاَقدس سے نصیب ہوئی اور اس طریقہ کی جو تکمیل وترویج آپ کی ذاتِ گرامی سے ہوئی اس کا کیا کہنا اور اِسی لیے اِس سلسلہ کا نام ہی نقشبندیہ پڑ گیا۔ اس سلسلہ کے جمہور اکابر کی تحقیق کی رو سے آپ کا یہ نقشبندی لقب اور از جانبِ غیب اور

آسمانی تھا اور اس سلسلہ سے منسوب بعض بزرگوں نے اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ جب کسی طالب کو ذکرِ قلبی کی تعلیم فرماتے تو اُس کے قلب پر اللہ کا نقش بٹھا دیتے تھے اور یہ اس درجہ قوی ہوتا کہ عوارضِ قلیلہ سے زائل نہ ہوتا۔ آپ یہ اپنے بعد اپنے خلفاء کبار کے سپرد فرما گئے ہیں یہاں تک کہ آج تک کے لئے یہ اس سلسلہ کا معمول بن گیا۔ دوسری وجہ بزرگوں نے یہ بیان فرمائی کہ آپ ابتداء ہی میں ہر مریدِ رشید کے قلب کے آئینہ پر اپنے کامل تصرف اور مکمل توجہ سے نقوش کونیہ کی راہ بند فرما دیا کرتے تھے اور اس طرح صورتوں کا نقش ذکرِ قلبی میں مخل نہ ہوا کرتا تھا:

نقشبنداست کہ ازیک نظرش تا دمِ حشر
در مُرایائے خواطر نہ فتد نقشِ صور

(آپ نقشبند ہیں کہ آپ کی ایک نظر کی برکت سے دلوں کے آئینہ میں تادمِ حشر صورتوں کا نقش نہ پڑا کرتا تھا۔) اور حضرت خواجہ عطّار رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ حضرت خواجۂ بزرگ کے یمنِ نظر و برکتِ صحبت سے طالب چند ہی روز میں مرتبۂ استہلاک وفنا کو پہنچ جاتا تھا۔ وہ انھی دو مذکورہ وجوہ کی بنا پر تھا اور اُسی قول کی تائید ہے۔

بھلا یہ ذرّۂ ناچیز کہاں اور دنیا کو روشن کرنے والے اُن سورج (یعنی حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ) کی تعریف کہاں، یہ کمترین غلام کہاں اور اُن خواجہ کی وصف نگاری کہاں لیکن اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ یہ ایک ذرّہ کی عالی ہمتی ہے کہ سورج کی بات کرے اور ایک غلام کی سعادت مندی کی نشانی ہے کہ آقا کی مدح سرائی کرے۔ اِس خاکسار پر عنفوانِ شباب ہی سے خواجۂ عالی جناب کی عنایات کی نظریں معلوم ہوتی تھیں اور یہ عاجز آپ کی نظر ہی کی برکتوں سے اِس سلسلۂ عالیہ کے انتساب کی سعادت سے بہرہ ور ہوا اور ۱۰۱۸ھ میں کہ اِس عاجز کی زندگی اٹھارہویں سال میں پہنچی تھی کہ ایک شب حضرت خواجہ

سرّہٗ خواب میں تشریف لائے اور ایک درہم میری ہتھیلی پر رکھا اور فرمایا اِس درہم پر دَم کرو اور پانی میں ڈال دو۔ جو بیمار یہ پانی پیے گا شفایاب ہوگا۔ میں جب اس خواب سے بیدار ہوا تو ہمہ تن رحمتِ خداوندی کا اُمیدوار تھا اور اِس دلِ دیوانہ میں اس سلسلۂ عالیہ کے لیے ایک کشش پیدا ہوگئی تھی۔ ممکن ہے اُس درہم کے سکّہ سے مُراد یہ کمترین ہو کہ سکّہ پر جس طرح نقوش ہوتے ہیں یہ عاجز بھی حضرت شاہِ نقشبند بخاریؒ کے نقوشِ محبت سے مزیّن ہے اور اُس پانی سے وہ علوم مُراد ہوں جن کی شرح سکّہ یثربی سے متعلق ہے۔ اگرچہ اس خواب کی دوسری تعبیرات کے بھی اُمیدوار ہیں۔ تو حضرت خواجہؒ کی ان مذکورہ عنایات اور اس خواب کے بعد یہ بندۂ بے اعتبار و ذرّۂ بیمقدار اگر حضرت کی مدح و توصیف میں اجمالاً کچھ لکھے تو اُسے یہی چاہیے پھر خبر میں وارد ہے: **اَوْلَادُنَا اَكْبَادُنَا** (ہماری اولاد ہمارے جگر گوشہ ہیں) اور مقولہ ہے **اَبْنَاءُ نَا اَعْضَاءُ نَا** (ہمارے فرزند ہمارے اعضاء کی طرح ہیں) اس خبر اور اس مقولہ کے بموجب اس سلسلۂ عالیہ کے مشائخ حضرت خواجۂ بزرگؒ کی معنوی اولاد ہیں اور اولاد معنوی کا ذکر بغیر پدرِ معنوی کے ذکر کے ایسا ہی ہے جیسے اعضاء کا ذکر بغیر سر کے ذکر کے۔

اس مقدمہ کی تحریر کی دوسری وجہ اِس کتاب کی تالیف کے دوران حضرت خواجۂ بزرگؒ کے تفصیلی ذکر کی ایک اور وجہ بھی پیش آئی۔ حضرت خواجہ کی منقبت میں قدوۃ المحققین مولٰنا نُورُ الملّۃ والدین عبدالرحمٰن جامی قُدِّس سِرّہٗ فرماتے ہیں:

سکّہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبتِ ثالثش بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکّہ نشد بہرہ مند
جز دلِ بے نقشِ شہِ نقشبند

ایک فاضل سے جن کا تعلق اس سلسلۂ عالیہ سے نہ تھا حضرت مولنا عبدالرحمٰن جامیؒ کے مذکورہ بالا اشعار کے بارے میں توقّف و تردّد سننے میں آیا گویا اُنہیں اِن اشعار کی صداقت پر یقین نہ تھا۔ اس سے میرے دل پر القاء ہوا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ جو مخلوق کے لیے غوث ہیں اگر اُن کا کچھ حال اور آپ کی ہزاروں خصوصیات میں سے بعض خصوصیات بھی تحریر میں آ جائیں تو اِس طرح کے توقّف اور شک کرنے والوں کو ان کے توقّف اور شک سے باز رکھیں گی۔ اگر چہ حضرت خواجۂ بزرگ کا علوِ مرتبت آپ کے بے واسطہ خلفاء مثلاً قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ محمد پارساؒ اور زبدۃ السالکین حضرت مولنا صلاح الدینؒ اور اِن کے واسطہ سے جو خلفاء ہیں مثلاً قطبِ روزگار مخزنِ اسرار حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور آپ کے خلفاء علیہم الرحمۃ اور مولنا المعظم العارف الاکمل مخدومی الانامی مولٰنا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدّس سرُّہٗ السامی اِن حضرات کے کلام اور رسائل سے معلوم ہوجاتا کہ اِن خلفاء نے آپ کے حالات بطریقِ احسن لکھے ہیں۔ اسی طرح متاخرین اکابرؒ اس سلسلۂ عالیہ کے بعد کے بزرگوں نے خصوصاً اپنی تالیفات وتصنیفات میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے حالات رقم فرمائے ہیں اور خاص طور پر ہمارے حضرت مجددؒ اور آپ کے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مکتوبات میں یہ حالات ملتے ہیں مگر ان متقدمین کے رسائل اور متاخرین کے مکتوبات میں یہ موتی بکھرے ہوئے اور جُدا جُدا ہیں۔ تفصیلی عبارتوں اور طویل تحقیقات کے ذیل میں مندرج ہیں۔ اگر ایک چیز ایک کتاب میں ہے تو دوسری چیز دوسری کتاب میں تیسری چیز ایک رسالہ میں ہے تو چوتھی چیز ایک اور رسالہ میں۔ ان سب کو اختصار کے ساتھ ایک دو صفحہ میں جمع کر دینا اور ان قدیم وجدید جواہر پاروں کو ایک رشتہ میں منسلک کر دینا انتہائی اہم اور ضروری کام تھا۔ عجب نہیں کہ اِس طرح کر دینے سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے متعلق بعض

نقوں کے ذہنوں میں جو شکوک ہیں یا اُن کی طبیعت میں جو بوجھ ہے وہ دور ہو جائے۔

اَللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِیْ السَّبِیْلَ (اللہ ہی حق کو حق کر دکھاتا ہے اور صحیح راستہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے) پ۲۱، ع۱۷

واضح ہو عارفوں اور عالموں کا اِس پر اتفاق ہے کہ اُمّت کے صالحین میں جس کا عمل حضور ﷺ کی سُنّت کے اتباع رہا وہ آپ کے متبعین میں سب سے کامل سب سے زیادہ موافقت و بھروسہ والا ہے اور اگر ان ظاہری سنّتوں کی اِتّباع کی رعایت کے ساتھ ساتھ اُسے مخلوقِ خدا میں بزرگ ترین ہستی ﷺ کے باطنی اُمور سے بھی وافر حصّہ ملا ہو اور یہ باطنی اُمور مشاہدات وتجلیاتِ ذاتیہ وصفاتیہ سے عبارت ہیں تو ایسا شخص آپ کا وارثِ اکمل ہے کیوں کہ حضور ﷺ نے دین کا جو ورثہ چھوڑا ہے اِسے اُس کا عظیم حصہ ملا ہے اور یہ بہت بڑی بات اور بہت بلند مقام ہے۔ ایسا گوہر اور ایسا موتی ہے جو چہار دانگ عالم میں ہر دور میں انتہائی قیمتی اور بیش بہا گردانا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ

(نور ہی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسی نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ پ۱۸، ع۱۱)

اور یہ اُس حدیث کا مصداق ہے جس میں فرمایا ہے:

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَعَائَیْنِ (الحدیث) (مشکاۃ۔ کتاب العلم۔ فصل ثالث) (میں نے حضور ﷺ سے دو علم سیکھے)

اس آیت کریمہ اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ظاہر و باطن دونوں سے حصہ ملنا ہی جامعیت کی نشانی ہے اور یہی انسان کمال ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس بیان میں اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے ساتھ جس کی اتّباع کامل ہے اُسے

آپ کے باطنی معاملات کا حظِّ وافر بھی حاصل ہے۔تو ہم کہیں گے کہ محققین کا ارشاد ہے کہ معاملاتِ باطنیہ یعنی مشاہدات وتجلیات کا تعلق دارالجزاء سے ہے کہ بعض کامل متبعین کو عشق و اشتیاق کی زیادتی کے باعث اور فراق کی مُدّت بڑھ جانے سے غلبۂ اضطراب کی بناء پر اس کے ثمرات اس دنیا ہی میں مل جاتے ہیں جبکہ بعض دیگر کاملین کے حق میں ایسا نہیں ہوتا کہ اس دنیا ہی میں ثمرات مل جائیں بلکہ آخرت میں ان کے لیے ذخیرۂ کامل ہوتا ہے اور ان کے لیے یہ اکملِ وجوہ اُس کی جلوہ گری ہوتی ہے۔صحیح احادیث میں وارد ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب ہوتی جائے گی اور حضور ﷺ کا زمانہ دور سے دور تر ہوتا جائے گا اُسی قدر لوگوں کو اپنے عمل میں عزیمت وسنّت کے مقابلہ رخصت و بدعت کی طرف رغبت زیادہ ہوتی جائے گی۔عزیمت وسنّت کے یہ دو قیمتی موتی کم یاب ہوتے چلے جائیں گے اور اس کے بجائے رخصت و بدعت کے سنگریزے کثیر اور ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں گے۔اس گمراہی اور تاریکی کے دور میں وہ سعادت مند جو سنّتِ سیّد المرسلین ﷺ میں عزیمت پر عمل کرنے والا ہوگا۔اُس نیک بخت پر فوقیت رکھے گا جو عزیمت پر ایسے زمانہ میں عمل کرے کہ بدعت اُس دور میں اتنی زیادہ عام اور پھیلی ہوئی نہ ہو۔ایسے دور میں سنّت وعزیمت پر عمل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہیں میدانِ کارزار گرم ہو اور دشمن کو غلبہ ہونے والا ہو کہ ایک بہادر انسان ایک پختہ عزم کے ساتھ اُٹھے اور انتہائی بہادری کے ساتھ دشمنوں کو تہِ تیغ کرنا شروع کرے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے اور اس طرح وہ سیّد انبیا ﷺ کی نوید **طُوبیٰ لِلْغُرَبَاء** (غربا کو خوشخبری ہو) کا مصداق بن جائے۔

ایسے فساد کے دَور میں سنّتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے والوں کا اجر وثواب سو شہیدوں کے برابر ہے۔چناں چہ مخبرِ صادق ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ (مشکاۃ،

ب الاعتصام، فصل ۲)

(میری اُمّت کے فساد کے دور میں جو میری سنّت پر سختی سے عامل رہا اُس کے لیے سو شہیدوں کا اجر و ثواب ہے)

اور قرآنی آیات اور احادیث سیّد المرسلین ﷺ کی رُو سے شہداء کا جو مرتبہ ہے وہ تو معلوم ہی ہے کہ کیا عظیم درجہ ہے چناں چہ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ اِلْاٰیَة.

(''جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے ربّ کے پاس رزق دیئے جارہے ہیں، خوش ہیں'') پ۴، ع۸

اور حدیث شریف میں ہے:

اَلشَّهِیْدُ الْمُمْتَحَنُ فِیْ خَیْمَةِ اللّٰهِ (عَزَّوَجَل) تَحْتَ عَرْشِهٖ لَا یَفْضُلُهٗ النَّبِیُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ (الحدیث)

آزمایا ہوا شہید (اللہ تعالیٰ نے جن کے تقویٰ اور صبر کو آزما لیا ہے) اللہ تعالیٰ کے خیمہ میں اس کے عرش کے نیچے ہوگا۔ انبیاء اس سے فضیلت نہیں رکھتے، مگر اپنے درجۂ نبوت کے باعث۔ (مشکوۃ شریف، کتاب الجہاد، فصل سوم)

تو جب ایک شہید کا مرتبہ اتنا ہے تو فسادِ اُمّت کے وقت جو عاملِ سنّت کا مرتبہ سو شہیدوں کے برابر بتایا گیا ہے تو وہ درجہ کتنا عظیم ہوگا۔ نیز سرورِ عالم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

اِنَّكُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ یَاتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَااُمِرَ بِهٖ نَجَا.

(مشکاۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام، ترمذی فی الفتن، حدیث: ۲۲۶۷)

(''تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی اگر کسی شرعی احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے اور ایک زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی کسی شرعی احکام کے دسویں حصہ پر بھی عمل کر لے گا تو نجات پا جائے گا'')

پس آج کے فساد کے دور میں وہ شخص کتنا سعادت مند ہے کہ کسی شرعی حکم کے پورے دس حصے اُسے حاصل ہوں اور وہ سیّد البشر ﷺ کی اتباع کا غایت درجہ رکھتا ہو اور پھر ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اُسے حضور ﷺ کے باطنی فیوض سے بھی وافر حصہ ملا ہو۔ ایسے شخص کے مراتب عالیہ و اوصافِ علیّہ کا بھلا کیا کہنا۔ اسے کون شمار کر سکتا ہے خصوصاً اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ سنّتِ نبوی کو جاری اور عام کیا ہے کہ سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی اُس کا اثر باقی ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۃ زخرف کی آیت نمبر ۲۸: **وَجَعَلَهَا عَلِمَةً بَاقِيَّةً فِيْ عَقِبِهٖ** (اور وہ اس کو اپنی اولاد میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے) ان بزرگوں کے حال کی نشان دہی کرتی ہے اور ان بزرگوں کی شان کے عین مطابق ہے۔ نیز آنسرور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ، فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (الحدیث، کتاب الایمان، باب الاعتصام، الفصل الثانی)

(''جس نے میری سنتوں میں سے کسی سنّت کو زندہ کیا درآنحالیکہ وہ میرے بعد ختم ہو چکی تھی۔ قیامت تک جتنے لوگ اُس سنّت پر عمل کریں گے اُس شخص کو اُن سب کے برابر ثواب ملتا رہے گا بغیر اس کے کہ اُن سب کے اجر و ثواب میں ذرا بھی کمی ہو'')۔

اس حدیثِ نبوی ﷺ سے اُن یگانۂ زماںؒ کے اجر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اُن کے کامل

بن کے اُجور سے انہیں الحاق پذیر ہوا اور اِسی سے اُس حدیث کے معنی بھی سمجھے جا سکتے ہیں جس میں حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ المَطَر، لَایُدْرِیْ اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُہ" ۔(مشکاۃ، کتاب المناقب، باب ثواب ھذہ الامۃ، الفصل الثانی)

(''میری اُمّت کی مثال بارش جیسی ہے۔نہیں معلوم اُس کا اوّل بہتر ہے یا اُس کا آخر'')

جاننا چاہیے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ جو اُمّت کا خلاصہ اور اللہ پاک جلّ شانہٗ کے مقرب بندے ہیں معاملہ وسلوک کے اعتبار سے تین قسم کے ہیں:

اولیاء اللہ کی قسمیں:

اولیاء اللہ کی پہلی قسم وہ اولیاء ہیں جن کا معاملہ از ابتدا تا انتہا عزیمت اور کمال اتباعِ سنّت پر ہوتا ہے اور یہ حضرات بدعت تو کجا رخصت پر عمل کرنے سے بھی کامل اجتناب کرتے ہیں اور اس طرح کے اولیاء کم ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی دوسری قسم وہ اولیاء ہیں جو ابتداء رخصت پر عمل پیرا ہوتے ہیں لیکن آخر میں بالکلیہ عزیمت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تیسری قسم وہ اولیاء اللہ ہیں جن کے معاملات از ابتدا تا انتہا تجویزات و رخصت کی ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد شروع سے آخر تک اپنا معاملہ رخصت ہی پر رکھا اور عزیمت سے دُور جا پڑے اگر چہ اولیاء کرامؒ سے کچھ حصہ انہیں بھی مل جائے۔ تاہم حضراتِ عارفین و ممکنین اُنہیں کاملین میں نہیں شمار کرتے بلکہ رخصت پر ہمیشہ عمل کرنے والے کو بدعت کے اختلاط کے باعث تہی دامن سمجھتے ہیں اور صاحبِ عوارفؒ کے کلام سے کچھ ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ مختلف طرح سے نوازے

جاتے ہیں۔ بعض کاملین اولیاء کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا جاتا ہے۔ حالاں کہ پہلے طبقہ کے مقابلہ میں ان کا عمل اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ دوسرے اولیاء کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے اور اس کا راز پہلے مختصراً بیان کیا جاچکا ہے۔ بعض اولیاء ایسے ہیں جنہیں عملِ کثیر بخشتے ہیں اور احوال بھی عطا فرماتے ہیں لیکن خوارقِ عادت اور کرامتوں کا ظہور اُن سے کم ہی ہوتا ہے۔ بعض اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ انہیں ایسے خارقِ عادت کے ظہور کی قدرت دی جاتی ہے جس کا تعلق کونیات سے ہے اور غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں لیکن ان سب کے باوجود کمزوروں، گہنگاروں کو بذریعۂ ہدایت کامل و تکمیل کر دینے کی قوتِ تصرف انہیں کم درجہ میں دی جاتی ہے۔ بعض اولیاء اللہ اس کے برعکس ہیں، یعنی انہیں کرامتیں کم دی جاتی ہیں اور غیب کی خبریں بھی اتنی نہیں دی جاتیں مگر کثیر مخلوق اُن سے فیضیاب ہوکر کامل و مکمل ہوجاتی ہے اور بعض اولیاء الہ ایسے ہیں جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوتے ہیں اور یہ دونوں ہی چیزیں انہیں عطاء کی جاتی ہیں۔

جب یہ تمہید تم نے سن لی اور یہ باتیں جو گراں قدر موتی کی مانند ہیں تمہارے کانوں میں پڑ گئیں۔ اب حضرت خواجۂ بزرگوار حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کی مدحت و منقبت کے بارے میں کچھ سنو۔ باوجود قربِ قیامت کے حضرت خواجۂ بزرگؒ نے از ابتداء تا انتہا اپنے عمل کی بنیاد عزیمت و اتباعِ سنتِ نبویؐ پر رکھی تھی۔ خواجۂ جہاں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قُدِّس سرہ کی روحانیت نے ابتداءِ سلوک وہدایتِ جذبہ ہی میں آپ کو بتاکید اس کا حکم فرمایا تھا کہ ہر حال میں سُنّت و عزیمت کی مضبوط رسّی کو پکڑے رہیں اور بدعت و رخصت سے کلیتہً دور رہیں اور دیندار علماء سے احادیث رسول ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار برابر دریافت کرتے رہا کریں۔ چناں چہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کچھ تو اسی اشارہ کے باعث اور کچھ ایسے ہی دوسرے

راتِ غیبی و الہاماتِ لاریبی کی بناء پر اپنی آخر زندگی تک اس طریقہ پر کاربند رہے۔ آپ روزانہ حضور انور ﷺ کی اتباع کے باریک باریک نکتوں اور تمام کاموں میں عزیمت و اُولیٰ و بہتر کو ملحوظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز سے شناخت کریں اور کیسے پہچانیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا حضرت رسالت پناہ ﷺ کی اتباع اور پیروی سے۔ ایک دوسرے موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا:

طریقۂ ما عروۂ وثقیٰ است!!

(ہمارا طریقہ عُروۂ وثقیٰ ہے یعنی مضبوط رسّی) سُنّتِ نبویؐ کی متابعت کی کوشش اور حضرات صحابہؓ کے آثار کی اقتداء و پیروی۔ جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا اس کے دین کو خطرہ ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے عزیمت پر سختی سے عمل کرنے کے باعث باوجود کثرتِ جذبات کے نہ کبھی ابتداء میں نہ درمیان میں اور نہ کبھی آخر میں وجد و رقص و سماع کی طرف توجہ فرمائی۔ وجد و رقص و سماع گو سالکان بے قرار کے لیے ناگزیر ہیں تاہم یہ اُمورِ رخصت ہیں، عزیمت نہیں۔ اسی طرح ذکرِ جہر کی طرف بھی کبھی آپ کا میلان نہ ہوا کہ وہ بھی تجویز میں داخل ہے اور اسی طرح نہ شطحیات کا آپؒ سے ظہور ہوا کہ وہ بھی عزیمت کے خلاف ہے حالاں کہ متقدمین مشائخ قدس اللہ اسرارَہم ابتداء اور درمیان میں، ان میں سے ہر چیز کی طرف یا بعض چیزوں کی طرف متوجہ رہے ہیں مثلاً حضرت شیخ المشائخ محققین کے سلطان، عارفین کے مجتہد اور علماء کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ جو حضرات صوفیہ کے رؤساء میں سے ہیں۔ اور سُنّتِ نبویؐ کی اتباع میں کامل ہیں، ابتداء اور درمیان میں رقص و سماع کی طرف مائل رہے ہیں اور آپ نے آخر میں انہیں ترک فرمایا اور ترک کی وجہ اہلِ رقص و سماع کا فقدان فرمایا ہے۔ نیز کبھی کبھی آپ کی زبان سے شطح کا بھی ظہور ہوا ہے مثلاً

آپ کا قول ہے:

۱۔ **لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ۔**

۲۔ **اَلْشَجَرُ یَحْکِیْ عَنِ اللّٰہِ**: جب سماع کے وقت آپ کو آواز آئی۔

۳۔ **اَلْآنَ کَمَا کَانَ**: اور یہ اس حدیث کو سننے کے وقت جس میں فرمایا: **کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَهٗ شَیْئٌ** (اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کچھ نہ تھا)۔

۴۔ ''اگر اُو سبحانہٗ فردا مرا گوید مر بویں نہ بینم گویم چشم در دوستی غیر بود''۔

۵۔ ''بیداری ما معاملت است در راہِ حق و خوابِ ما فعلِ حقست بر ما۔ بس آنچہ بے اختیار ما بود از حق بما بہتر بود کہ اختیار ما بود''۔

۶۔ **کَلَامُ الْاَنْبِیَاءِ مُخْبِرٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَکَلَامُ الْاَوْلِیَاءِ یُنْبِئُ عَنِ الْمُشَاهِدَۃُ۔**

۷۔ **هُوَ الْعَارِفُ هُوَ الْمَعْرُوْفِ۔**

۸۔ **اَلْحَادِثُ اِذَا اِقْتَرَنَ بِالْقَدِیْمِ بَصِیْرُ قَدِیْمًا۔**

۹۔ اگر نہ آں بودیکہ حق تعالیٰ فرمودہ است کہ **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ**۔ گویند من ہرگز استعانت نخواہم۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے یہ تمام کلمات ظاہر ہے کہ شطح سے خالی نہیں ہیں۔

اِسی طرح اولیاء متقدمین کے سردار غوث الانامی حضرت خواجہ ابو یزید البسطامی قدس سرّہٗ السامی جو عارفوں کے سلطان ہیں اور حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اس تمام بزرگی کے باوجود جن کے متعلق فرماتے ہیں:

''بایزید درمیاں ما چوں جبرئیل است درمیانِ ملائکہ''

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی نے ان بزرگوار یعنی حضرت بایزیدؒ کے متعلق یہ بھی

"نہایت مبدء جملہ روندگانِ درتوحید دوانند ہدایتِ میدانِ بایزید بود"۔

اور شیخ ابوسعید بن ابوالخیر قُدّس سرّہٗ فرماتے ہیں:

"ہژدہ ہزار عالم از بایزید پُر می بنیم و بایزید درمیان نہ"۔

بزرگوار عالی (حضرت بایزید بسطامیؒ) بھی اپنے سلوک کے ابتدائی درمیانی دور میں ذکرِ جہر سے خالی نہ تھے۔ نہ از ابتداء تا انتہا شطح وکلماتِ سُکر یہ سے باہر۔ آپ کا قول ہے:

۱۔ لِوَائِیُ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ۔

۲۔ سُبْحَانِیُ مَا اَعْظَمَ شَانِیُ۔

کچھ لوگوں نے آپ سے عرش و کرسی، لوح و قلم، جبرئیل و میکائیل، ابراہیم و موسیٰ، عیسیٰ و محمد ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

۳۔ "عرش فہم، فرش فہم، جبرئیل و میکائیل فہم، ابراہیم و موسیٰ وعیسیٰ عنم محمد منم"۔

۴۔ "خدائے رابندگانِ اند کہ اگر بہشت باہمہ زینت باایشاں بخشد ایشان از بہشت ہماں فریاد کنند کہ دوزخیاں از دوزخ"۔

۵۔ "درولایتی باشید دروی امر معروف ونہی منکر نباشد کہ ایں ہمہ درولایتِ خلقت و درحضرتِ وحدت ایں وآں نیست"۔

۶۔ من درمقاماتِ انبیاء سیری کردم وودرصفاتِ ایشاں رسیدم مقامِ بارگاہِ محمدی خواستم کہ درصفاتِ او صلی اللہ علیہ وسلم سیر بکنم دست رو بر پیشانی من زند ومیانِ خود وآں مقام دریائے دیدم آتشیں"۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے ایسے ہی کلماتِ سُکر یہ کا ظہور کثرت سے ہوا ہے۔ ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔

حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ جو متقدمینِ مشائخ قدس اللہ اسرارہم میں سب سے زیادہ کامل اور عظیم ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے افعال و اقوال حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ کے حالات و مرتبہ پر دو عادل گواہ ہیں کہ حضرت خواجۂ بزرگ نے نہ ابتدائی دور میں نہ درمیانی زمانہ میں اور نہ آخر میں کبھی رخصت پر عمل کیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا۔ اور جیسا عنقریب آپ کے حالات مختصراً بیان ہوں گے وہاں آئے گا اور یہ اس کے باوجود کہ ان دو بزرگوں کا زمانہ حضور ﷺ کے زمانہ سے زیادہ قریب تھا اور حضرت خواجۂ بزرگؒ کا زمانہ نسبتاً زیادہ دور۔ اگر حضرت خواجۂ بزرگؒ کا عمل از ابتداء تا انتہاء اُن دو بزرگوں کی مانند بھی ہوتا تب بھی حضرت خواجۂ بزرگؒ کو ان دو حضرات پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہوتی کہ آپ ان کے مقابلہ میں زیادہ فساد کے دور میں تھے۔ چناں چہ بادشاہوں میں سے کسی نے ایک مجتہد کے سامنے امراء سابق میں سے ایک عظیم شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میری خواہش ہے کہ پسندیدہ اور اچھی صفات میں اُس جیسی زندگی گذاروں۔ اُس مجتہد نے کہا اگر تو اس زمانہ میں وہ کچھ کرے جو وہ اپنے اُس گذشتہ دور میں کیا کرتا تھا تو تُو اُس سے بہتر ہوگا اور وہ اس لیے کہ آج کے فساد کے دور میں اُنہی نیکیوں پر عمل کرنے کے لیے کہیں زیادہ ہمت و جرأت درکار ہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے اِسی زمانۂ فسادِ اُمّت میں اپنی قوتِ تصّرف سے اپنے اس خوبصورت طریقہ (طریقۂ عالیہ نقشبندیہ) کی ترویج فرمائی اور طالبانِ طریقت کے قلوب پر ان قیمتی بُلند مرتبہ اُمور کے دروازے کھول دیے چناں چہ جب کچھ لوگوں نے عارف و عالم صمدی مولنا جلال الدین خالدی قُدِّسَ سِرَّہٗ سے پوچھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری کے طریقہ کو متاخرینِ مشائخ سے کیا مناسبت ہے تو حضرت نے باوجودیکہ آپ کے ہم عصر تھے۔ اور کثیر العلم و کثیر المعرفت تھے فرمایا:

"سخن از متقدّ مانِ گوید۔ دویست سال زیادہ است تا ایں نوع ظہورِ آثارِ ولایت کہ برخدمتِ خواجہ بہاء الدین شدہ است برہیچکس از متاخرین نشدہ۔ گویند ہمہ منتظر احوال و اقوال وواردات واحوال منتظر خواجہ بہاء الدین ہست"۔ انتہیٰ

("تم متاخرین کی بات کرتے ہو۔ خود متقدمین میں بھی دوسو سال سے آج تک ایسے آثارِ ولایت کا ظہور نہیں ہوا جیسا کہ حضرت خواجہ بہاء الدینؒ پر ہوا ہے اور متاخرین میں کسی پر ایسے آثارِ ولایت ظاہر نہیں ہوئے۔ مشائخ کا کہنا ہے کہ جن احوال واقوال وواردات کے سب منتظر تھے وہ آپ ہی کے احوال واقوال تھے اور آپ ہی کا سب کو انتظار تھا")

تو اس تحقیق کی رُو سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کی جب ان دونوں بزرگوں پر ایک فضیلت ثابت ہوگئی جو دونوں حضراتِ صوفیہ کے امام ہیں۔ ان میں ایک غلباتِ سکر وجذبات میں امامِ کُل اور دوسرے معرفتِ وصحو واتباعِ سُنّت میں سب کے پیشوا تو دوسرے بزرگوں پر آپ کی فضیلت بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگی چناں چہ قطب المتاخرین رضی اللہ والدین حضرت خواجہ محمد باقی باللہ طاب ثراہ نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کی مدحت میں جو کچھ فرمایا وہ اس کا ثبوت ہے۔ آپ نے فرمایا:

ابوالوقتِ دو عالَم قطب ارشاد
بہاء الدین کہ دین شد از دی آباد
نہ سنتِ درجنید افگندہ آشوب
بہ جذبہ بایزیدش آستاں روب

(کہ آپ دو عالم کے ابوالوقت تھے۔ زمانہ کے تابع نہ تھے بلکہ زمانہ ان کے تابع تھا اور آپ قطب ارشاد تھے یعنی راہِ سلوک کے قطب۔ آپ کا اسمِ گرامی بہاء الدین تھا کہ دین

سے آباد ہوا۔ اتباعِ سنّت میں آپ جنید بغدادیؒ تھے اور جذبہ میں بایزید بسطامیؒ) بلکہ اس سے عجب تر کہ حضرت خواجۂ بزرگ نے جذبات طیفوریہ کو کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت جنید بغدادیؒ کے سلوک کے ساتھ بمع کچھ زیادتی جمع فرمایا کہ آپ کے سلوک کا صحوان کے سلوک کے سُکر و شطح و غلباتِ جذبات پر غالب آ گیا۔ شیخ الاسلام انصاری قُدِّس سِرُّہٗ نے حضرت جنید بغدادیؒ کے حق میں اسی طرف اشارہ فرمایا کہ اُن کی فکر کو مضبوط علمی سہارے کی ضرورت تھی۔

اور یہ جو ہم نے کہا کہ جذباتِ طیفوریہ کچھ زیادتی کے ساتھ اس کی پوری تشریح وہ ہے جو ہمارے شیخ بزرگوار (حضرت خواجۂ باقی باللہ) قُدِّس سِرُّہٗ نے حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کی مدحت کے سلسلے میں بیان فرمائی کہ حضرت خواجۂ بزرگ کو جذبہ بطریق کمال حضرت بایزیدؒ سے وراثت میں ملا اور صحو حضرت جنیدؒ کی نسبت سے پہنچا۔ مختصراً یہ کہ ہر واسطہ سے اُس نسبت کو ایک نئی زینت اور نیا حُسن ملا اور حضرت خواجۂ بزرگ کے حصہ میں آیا۔ اس نسبت کی برکت اپنی جگہ۔ پھر حضرت خواجۂ بزرگ کی عالی استعداد کے مطابق آپ کا اپنا خاص جذبہ تھا۔ ان کثیر جذبات کے غلبہ سے جس کا آپ کے حق میں ظہور ہوا۔

حضرت امام الاولیاء خواجہ محمد حکیم ترمذی قُدِّس سِرُّہٗ جن کو اللہ پاک نے علمِ لدنّی دیا تھا آپ نے حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ کے ظہور سے چار سو سال پیشتر بطریق خبرِ غیبی آپ کے ظہور کی بشارت دیتے ہوئے اس طرح فرمایا تھا:

''بعد از چہار صد سال مجذوبے در بخارا تولّد کند
کہ چہار دانگِ ولایت را از و نصیبے باشد!''

(چار سو سال بعد بخارا میں ایک مجذوب پیدا ہوگا کہ چہار دانگِ عالم کی ولایت

اُس کی ولایت کا حصہ ہوگا)۔ حضرت خواجۂ بزرگؒ نے فرمایا:

"آں مجذوب مائیم"

"وہ وہ مجذوب ہم ہیں"

چناں چہ آپ کو وُفورِ جذبات کے باوجود کثرتِ تمکین نصیب ہوئی۔ سیّد المرسلین ﷺ کے مزاجِ مبارک میں آپ نے یہ تمکین پائی اور آپ کے کمالِ اتّباعِ نبوی کے باعث یہی تمکین آپ کی کمال شناخت بن گئی۔

حضرت خواجۂ بزرگؒ ان تمام غلبات و جذبات و فنا و استہلاک کے باوجود سیّد الابرار ﷺ کی باریک باریک سنتوں پر عمل کے بارے میں حد درجہ کوشش فرماتے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ سنتوں میں سے کوئی سنت بھی آپ سے ترک نہ ہو۔ چناں چہ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"ہر سنّت کہ از علماءِ دیندار شنیدیم مہما امکن بجا آوردیم
مگر یک سنّت ماند۔ زود بیائید تا آں را نیز بعمل آریم"

(علماء دیندار سے جب بھی ہم نے کسی سنّت کے بارے میں سنا جہاں تک ممکن ہوا اُسے بجالائے مگر ایک سنّت رہ گئی ہے۔ اُسے بھی جلد بجالائیں گے")

اور وہ یہ کہ روایت ہے ایک دن حضور ﷺ نے اصحاب سے کہا تنور میں ہر شخص ایک ایک روٹی لگائے اور خود بھی آپ ؐ نے تنور میں روٹی لگائی۔ حضراتِ صحابہؓ کی روٹیاں پک گئیں لیکن حضور ﷺ کی روٹی نہ پکی اور اُسی طرح کچا آٹا رہا کہ آگ کی مجال نہ ہوئی کہ جسے حضور ﷺ کے ہاتھ نے مس کرلیا ہو اُسے جلائے اور پکائے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے بھی ایک روز اپنے اصحاب کے ساتھ اِس سنّت پر عمل کرنے کے لیے ایسا ہی کیا اور یہاں بھی وہی ہوا کہ جو روٹیاں حضرت کے اصحاب نے تنور میں لگائی تھیں پک گئیں لیکن

حضرت کی روٹی نہ پکی[1]۔

حضرت خواجہ ہاشم کشمیؒ (مؤلف کتاب) فرماتے ہیں کہ اس عاجز کے نزدیک روٹی نہ پکنے کی ایک دوسری وجہ بھی تھی اور وہ یہ کہ آگ کا کام جلانا ہے اور خرقِ عادت کے طور پر روٹی کا نہ پکنا حضورﷺ کا معجزہ ہے۔ ایسے ہی اولیاء اللہ کا معاملہ ہے جو آپ کے نائب اور تابع ہیں جیسا خصوصاً حضرت خواجہ بہاء الدین کے ساتھ ہوا۔ یہ حضورﷺ کے معجزہ کی مزید تائید و تاکید ہے اور اُسی کا تسمہ۔

تو جب حضرت سیّد المرسلینﷺ کے بعد حضرت خواجہ بہاء الحق والدین قُدِّس سِرَّہٗ سے بھی اسی خرقِ عادت کا ظہور ہوا تو بات وہیں لوٹ آئی جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے حضرت خواجہؒ کے متعلق فرمایا تھا۔

''سکّہ کہ در یثرب و بطحا زدند''

جس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے اور اس وجہ سے حضرت خواجۂ بزرگؒ کی اُن عالی قدر بزرگوں پر برتری بھی مفہوم ہوتی ہے۔ رحمہم اللہ

کوئی یہ نہ کہے کہ از ابتداء تا انتہا آپ کا معاملہ اور آپ کا کمالِ جذبات کو باریک باریک باتوں میں بھی اتباعِ سیّد کائناتﷺ کے ساتھ اِس آخر زمانہ میں جمع کر دینا خود اس بات کو مقتضی ہے۔ اس کے باوجود تم تنہا اتنی دیری کے ساتھ حضرت خواجۂ بزرگؒ کی فضیلت کی بات کیسے کر سکتے ہو۔ میں کہوں گا اگرچہ تحقیق کے ساتھ اُس کا اُوپر کا ذکر ہو چکا ہے لیکن میں اس کی تائید مزید خود حضرت خواجۂ بزرگوار کے ارشاد سے کروں گا۔ حضرت خواجہ نے خود فرمایا:

''حرام باد صحبت ہائے حق سبحانہٗ بر بہاء الدین کہ اگر اوّل بہاء الدین آخر ابو یزید

---

[1] انیس الطالبین ص:۱۶، حضرات القدس ص:۱۷۵-۱۷۶

مد"۔

("بہاء الدین پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی صحبت حرام ہو اگر بہاء الدینؒ کا اوّل بایزیدؒ کا آخر نہ ہو")

عارف جامیؒ نے آپ کی منقبت میں اسی لئے فرمایا:

اَوّل اوآخر ہر منتہی
ز آخر اودست تمنا تہی

("کہ ہر منتہی کا آخر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کا اوّل ہے اور حضرت خواجہؒ کے آخر کی تمنا کرنے والا تہی دست ہے"۔ خالی ہاتھ جسے کچھ نہ ملا ہو یعنی جب اُن کا اوّل ہی دوسروں کا آخر ہے تو بھلا ان کے آخر تک کس کی رسائی ہے) اور جو دو بیت پہلے ذکر ہوئے وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اُن دو بیت کا مؤید ہونا بے شائبہ مصادرت بالمطلوب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اب مدّعا و مطلوب میرا جواب بن گیا ہے۔ بس یہ اس کی دلیل ہے جو ہمارے شیخ بزرگوار قُدِّس سِرُّہٗ نے بتقریبِ نگارش فرمایا کہ عارف کا معاملہ سے کام ہے کہ شہود و مشاہدہ و تجلی و ظہور بھی اس پر بار نہیں کہ اس میں اس کی سچائی ہے اور یہیں سے حضرت خواجۂ بزرگؒ کے کلام کی حقیقت بھی ہویدا و ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب آپ نے فرمایا:

"ہر چہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شدہ ہمہ غیر است۔ بہ حقیقتِ کلمۂ لا نفی باید کرد"۔

("جو کچھ کہ دیکھا اور سنا اور جانا سب غیر ہے کہ کلمۂ لا کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہیے")

حضرت خواجہؒ کے اس کلام سے آپ کے اُس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہیے کہ جہاں آپ نے فرمایا حرام باد صحبتہائے حق سبحانہٗ کہ "بہاء الدین بر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی

صحبت حرام ہو اگر بہاء الدینؒ کا اوّل بایزید کا آخر نہ ہو''۔ کہ حضرت بایزیدؒ مقامِ شہود و مشاہدہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ''سبحانی ما اعظم شانی'' کی تنگ راہ سے اُنہوں نے قدم باہر نہ نکالا تھا۔ پس جب حضرت بایزیدؒ کا آخر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کا اوّل تھا یعنی حضور ﷺ کے مخصوص احوال سے آپ کو خاصۂ جو حصّہ ملا وہ زیادہ کامل تھا اور اواخر زمانہ میں آپ نے اُس بلند مرتبہ کو کامل اتباعِ سنّتِ نبویؐ سے متعلق کر دیا تھا تو کیا عجب ہے اگر کسی عارف و عالم نے آپ کے حق میں فرمایا:

''نوبتِ ثانی بہ بخارا زدند''

اس حقیرِ بے مقدار کے دل میں گذشتہ ارشاداتِ عالیہ کے علاوہ بھی پیر بزرگوار حضرت مجدد قُدّس اللہ سرّہٗ الاقدس کا ایک ارشاد آیا ہے جو وجہاتِ مذکورہ کا موید بھی ہے اور ایک مستقل دلیل بھی۔ اور وہ یہ ہے آپ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ نبوت قربِ الٰہی سے عبارت ہے جس میں ظلیّت کا کوئی شائبہ نہیں اُس کا عروج حق تعالیٰ کی طرف ہے اور نزول مخلوق کی طرف اور وہ حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ بالاصالۃ مخصوص ہے اور بطورِ تبعیت و وراثت اُس کا حصہ کامل متبعین کے لیے بھی ہے رضی اللہ عنہم۔ کمالاتِ نبوت کی طرف دو راستے جاتے ہیں ایک راستہ وہ ہے جو مقامِ ولایت کے کمالاتِ مفصّلہ کو طے کرنے کا راستہ ہے اور وہ مرتبۂ ولایت کے مناسب تجلیاتِ ظِلّیہ اور معارف سُکریہ کے حصول سے مربوط ہے۔ ان کمالات کو طے کرنے اور اِن تجلیات کو حاصل کرنے کے بعد کمالاتِ نبوت کے اقتباس کی طرف قدم بڑھتا ہے اور اس مقام میں اصل کے ساتھ وصول ہے۔ اور ظلیّت کی طرف التفات گناہ ہے اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں حصولِ کمالاتِ ولایت کے دوران کمالاتِ نبوت کا وصول میسر ہو جاتا ہے اور دوسرا راستہ ایسی شاہراہ ہے جو پہنچانے والا اور وصول کے زیادہ قریب ہے اور جو کوئی

''مافضلیانیم کہ مارا از راہِ فضل در آوردند
اوّل تا آخر ہمیں فضلِ حق مشاہدہ کردیم''

(''ہم فضلی ہیں کہ ہمیں راہِ فضل سے لائے ہیں۔ اوّل سے آخر تک ہم نے حق تعالیٰ کے اسی فضل کا مشاہدہ کیا ہے'')۔ نیز ایک روز حضرت خواجۂ بزرگؒ نے خواجہ علاء الدین قُدِّسَ سِرُّہٗ سے فرمایا کہ ولایت سے آگے گزر جاؤ (''از ولایت درگزر'') اور حضرت کے مقامات میں مرقوم ہے کہ آپ ولایت سے آگے گزر گئے تھے۔

مخفی نہ رہے کہ بزرگوں نے ولایت کی تین قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ ولایتِ صغریٰ
۲۔ ولایتِ کبریٰ
۳۔ ولایتِ علیا

ان تین اقسام کی ولایات کو طے کرنے کے بعد نبوت کے کمالاتِ خاصہ کے اقتباس کا مرتبہ ہے اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے خواجہ علاء الدین سے جو ارشاد فرمایا تھا ''از ولایت درگزر'' (''ولایت سے گزر جا'') وہ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ تھا۔

اس تحقیق سابق سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب ابتداء ہی سے حضرت خواجۂ بزرگؒ اس مرتبۂ اقتباس کمالاتِ خاصۂ نبوت کی طرف گامزن ہیں کہ جہاں ولایت ختم ہوجاتی ہے تو آپ کے اس عظیم الشان ارشاد کی بھی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''اوّل بہاء الدین آخر ابویزید''
''بہاء الدین کا اوّل بایزید کا آخر ہے''۔

تو جب بات اس طرح ہے تو سمجھ لو کہ گذشتہ اشعار میں ''سکّہ کہ در یثرب و بطحا زدند''

س نبوت کے کمالات کو پہنچا اِلّا ماشاء اللہ وہ اسی سے پہنچا۔ انبیاء کرام اور ان کے اصحابِ عظام سے۔ اور پہلا راستہ دور دراز کا ہے جس میں وصول مشکل ہے اور جس کا حصول دشوار اور دوسرا راستہ زیادہ قریب کا ہے۔ زیادہ واضح۔ زیادہ موافق اور زیادہ بھروسہ کا۔ انبیاء علیہم السّلام کے بعد اُن کے اصحاب میں سے ایک جماعت اس راہ سے پہنچی ہے۔ اس دوران اُمّتوں میں سے کم بطریقۂ تبعیت و وراثت اس راہ سے اس دولت تک پہنچے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ دوسرے راستہ سے وصول کے بعد اگرچہ مقامِ ولایت کے کمالاتِ مفصّلہ کا حصول نہیں ہوتا تاہم ولایت کی روح اور اس کا عطر بطریقِ احسن میسر ہوجاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کمالاتِ ولایت سے بعض اہلِ ولایت کے حصّہ میں صرف پوست آتی ہے (یعنی کھال اور محض ظاہر) جبکہ اس واصل کی مغز (روح و باطن) تک رسائی ہے۔ جن بعض اربابِ ولایت کو علم کا کچھ حصہ سکریہ وظہوراتِ ظِلّیہ کا حصول ہوجاتا ہے۔ وہ مرتبہ میں اس واصل سے کم ہیں بلکہ اس واصل کو تو ایسے علوم وظہورات سے ننگ و ناموس ہے (یعنی یہ اس کے لیے باعث عار ہیں)۔ وہ ایسے مقام پر ہے کہ ان چیزوں کو گناہ اور بے ادبی سمجھتا ہے۔

کمالاتِ نبوت کا حصول محض عطیۂ الٰہی اور صرف حق تعالیٰ کا کرم ہے۔ کسب وعمل کو اس دولت کے حصول میں کوئی دخل نہیں ہے بخلاف کمالاتِ ولایت کہ اس کے مبادی و مقدمات کسبی ہیں اور ریاضت ومجاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں تک حضرت مجدّدؒ کے ارشاد کا خلاصہ نقل کیا گیا۔

تو حضرت مجدّدؒ کی اس تحقیق کی رُو سے ممکن ہے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کو اس دوسری راہ سے یہ کمالات ملے ہوں۔ اِسی کی وضاحت غالباً حضرت خواجۂ بزرگؒ نے اس طرح فرمائی:

یثربی کا جو لفظ آتا ہے اُس سے مُراد مرتبۂ نبوت ہے جس کا خصوصی حصہ علیٰ طریقِ الاختصاص میں حضرت خواجۂ بزرگ کو پہنچا۔ یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ گذشتہ اشعار میں جہاں کہا گیا:

جز دلِ بےنقش شہ نقشبند

اس میں لفظ ''بےنقش'' میں بھی اشارہ ہے اُس مرتبہ کی طرف جو شائبہ غیب سے مبّرا ہے اور بہ صفتِ بیرنگی مُستثنیٰ، فہم من فہم (سمجھا جس نے سمجھا)

اور قطب الاولیاء حضرت خواجہ محمد حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا:

''چہار دانگِ ولایت را از و نصیب باشد''

(''کہ چار دانگِ عالم کی ولایت میں اُن کا حصہ ہوگا'') اُسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ولایت کے ان تین مراتب کا حصول مع اُس مرتبہ اقتباس کے جو کسی ولی کو حاصل ہے اُس ولایت میں داخل ہوگا اور یہ فرمایا کہ ''چار دانگِ عالم کی ولایت میں اُن کا حصہ ہوگا''۔ یہ نہیں فرمایا کہ اُن کو چار دانگِ عالم کی ولایت سے حصہ ہوگا (اور از چہار دانگِ ولایت نصیب ست) اس میں اشارہ ہے اس مرتبہ میں حضرت خواجۂ بزرگ کی غالبیت وعظمت کی طرف، اُن چار (مقامات میں آپ کے قدرت وتصرف کی طرف، ظہورِ جمال کی طرف، اُس مرتبہ کے کمال کی طرف، آپ کی بلند قابلیت کی طرف بلکہ میں تو تنزّل اختیار کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اس کے معنی بالعکس ہیں چناں چہ حضراتِ علماءؒ نے حضور ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں جہاں ارشادِ نبویؐ ہے:

زَيِّنُوْ الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ"[1]

(''قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو'') فرمایا کہ اس کے معنی بالعکس ہیں یعنی:

---

[1] الجامع الصغیر للسیوطی (رقم الحدیث ۴۵۷۷)

زَيِّنُوا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ

(اپنی آوازوں کو قرآن سے زینت دو'') یعنی قرآن پاک پڑھو گے تو تمہاری آوازوں میں حسن پیدا ہوگا۔

حضرت مولانا جامیؒ کے مذکورہ دو بیت کی صداقت کے بارے میں ایک دوسری طرح بھی تشریح کی جاسکتی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ہر ولی ولایت واستعداد کے اعتبار سے انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات میں سے کسی نہ کسی کے زیرِ قدم ہوتا ہے یعنی ولی کا مبداء تعیّن وہی اسم ہوتا ہے جو اُس نبی کا مبتداء تعیّن ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السّلام کے مبداء تعیّن وہ اسماء ہیں اور حضرات اولیاءؒ جو اُن کے زیرِ قدم ہیں اُن کے مبتداء تعیّن اُن اسماء کے جزئیات ہیں اور وہ حدیث صحیح اس کی مویّد ہے جو تین سو رجال الغیب کے بارے میں وارد ہوئی ہے کہ ان میں سے بعض قلبِ ابراہیمؑ پر ہیں اور بعض قلبِ موسیٰؑ پر''۔[1]

بایں ہمہ جو حصہ ایک ولی کو از راہِ ولایت اُس استعداد کے باعث ملتا ہے جو اُس ولی کو اُس نبی کے ساتھ ہے وہ اُس حصہ کے علاوہ ہے جو کسی ولی کو از راہِ اِتّباع واطاعت نصیب ہوتا ہے کہ یہ نُورٌ علیٰ نور ہے اور سورج و چاند کا ملنا ہے تو جب بات اس طرح ہے تو کیوں نہیں ہوسکتا کہ کاملین اولیاء میں سے ہر ایک من حیث الولایت (ولایت کے اعتبار سے) دیگر انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں تو انہوں نے اپنی استعداد وقابلیت کے مطابق اُسی نبی سے دائرہ اقتباس ولایت طے کیا ہو اور ہمارے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ من حیث الولایت سیّد

---

[1] حدیث مذکور کی تحقیق وتشریح کے لیے دیکھو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ کا رسالہ الخبر الدال۔ جو الحاوی للفتاوی کی دوسری جلد میں موجود ہے نیز نوادر الاصول للحکیم الترمذی الاصل الھادی والخمسون۔ علاوہ ازیں اردو میں اس موضوع پر مولانا عبدالعزیز لاہوری مرحوم کا ایک مستقل رسالہ طبع ہو چکا ہے۔ (اشرف)

ہیاء علیہ ﷺ کے زیرِ قدم ہوں اور اپنی قابلیت کے باعث انہوں نے اقتباسِ ولایتِ محمدیہ کو علیٰ وجہ الکمال طے کیا ہو۔ میں نے علیٰ وجہ الکمال اس لیے کہا کہ ممکن ہے دوسرے اولیاء سالکانِ غیر محمدی المشرب ہوں لیکن اُس کمال کو نہ پہنچے ہوں۔ **کَمَا لَایَخفٰی۔**

جب یہ بات واضح ہوگئی تو کیوں نہیں ہوسکتا کہ اس بیت میں اِسی معنی کی طرف اشارہ ہو:

از خطِ آں سکّہ نشد بہرہ مند
جز دلِ بے نقش شہِ نقشبند

حضرت خواجہؒ اور آپ کے خلفاءؒ نے اپنے رسائل میں نقل کیا ہے کہ سلطان العارفین حضرت بایزید قُدِّس سرُّہٗ نے اپنی خواہش کا اس طرح اظہار کیا:

''خواستم کہ بہ بارگاہِ محمدی درایم، دست رو بر پیشانی من زوند'' الیٰ آخرہٖ

(''کہ میری خواہش ہے میں حضرت علیہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اور وہ اپنی ہتھیلی ازراہِ شفقت میری پیشانی پر رکھیں'')۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اِس کے خلاف فرمایا:

''چوں من بداں بارگاہِ رسیدم سرِ نیاز برآستاں نہادم مرا بہ برکت نیاز وانکسار نمودند باردادند''

(''میں جب اُس بارگاہ میں پہنچوں تو سرِ نیاز اُس بارگاہ پر رکھ دوں کہ اس نیاز و انکسار کی برکت سے مجھ پر کرم ہو اور شرفِ باریابی نصیب ہو'') اِس میں اِس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس بارگاہ سے مُراد بارگاہِ ولایتِ محمدیؐ ہو علیٰ صَاحِبِھَا الصَّلوٰۃُ والسّلام۔ نیز اس میں اُس مرتبۂ مخصوصہ شریفہ کی طرف اشارہ ہو جس کے متعلق حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ابتداء حال میں مجھ سے ارشاد ہوا کہ اس راہ کے بارے میں تمہارا کیا کہنا ہے۔ میں نے

عرض کیا:

''بایں شرط کہ ہر چہ گویم وخواہم ہماں شود''

(''کہ اس شرط پر کہ میں جو کہوں اور چاہوں وہی ہو جائے'') اس پر آپ کو خطاب ہوا۔

''ہر چہ مامیگویم ومی خواہیم ہماں شود'' (ہم جو کہیں گے اور چاہیں گے وہ ہوگا'') میں نے کہا ''طاقتِ آں ندارم'' (میں اِس کی طاقت نہیں رکھتا)۔ چناں چہ چند روز بعد خطاب ہوا'' [1]

ہر چہ گوئی گو ہمچناں باشد

(جو کچھ تم کہتے ہو کہو وہی ہوگا)

اس میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کی مرادیت و محبوبیت کی طرف اشارہ ہے جو ولایتِ محمدیؐ کی خصوصیات میں سے ہے کہ حضور ﷺ محبوبِ حق اور اُس کے حبیب مطلق تھے۔

حضرت مولنا جلال الدین خالدیؒ نے جو فرمایا وہ بھی اس کا مویّد ہے۔ فرمایا:

''ہمہ منتظر احوال واقوال وواردات اند۔ وواردات واحوال منتظرِ خواجہ بہاء الدین است''

(''سب بزرگانِ دین تو احوال واقوال وواردات کے منتظر رہتے ہیں اور واردات و اقوال حضرت خواجہ بہاء الدینؒ کے منتظر'') اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''ہر کہ در صد فرسنگے قبرِ منور ایشاں آسودہ باشد اور اخواجہ باذن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شفاعت کنند وکمینہ محبّ ایشاں را در یک فرسخ اومرتبۂ شفاعت دادند''۔

(''مجھے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے جو کچھ عطا فرمایا اس میں یہ بھی

---

[1] انیس الطالبین ص: ۱۷، حضرات القدس دفتر اوّل ص: ۱۷۵

ہے کہ حضرت خواجہؒ کی قبر منور کے سوفرسخ کے اندر اندر جو ہو گا حضرت خواجہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اجازت سے اس کے لیے شفاعت کریں گے اور میں عاجز کہ اُن کا محبّ ہوں ایک فرسخ کے اندر اندر جو ہو گا باذن اللہ اُس کی شفاعت کروں گا۔ اور ایک فرسنگ تین شرعی میل کے برابر ہے) اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شفاعت کرنا حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور حضرت خواجۂ بزرگوارؒ کے حق میں دیگر تمام اولیاء کے مقابلہ میں یہ تقدیم و تعظیم سیّد انس و جاں ﷺ کے ساتھ آپ کی نسبت وزیادتِ قرب کی نشاندہی کرتی ہے۔ نیز حضرت شاہِ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آئینہ ہمہ از مشائخ را دو جہت است و آئینہ مرا شش جہت''

(''جملہ مشائخِ طریقت کے آئینہ کی دو جہت ہیں اور میرے آئینہ کی چھ جہت'')

ہمارے حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) فرماتے ہیں کہ اس پوری مدّت کے دوران حضرت خواجۂ بزرگوار کے اس ارشاد کی کسی نے تشریح نہ کی۔ اس معمہ کی حقیقت اس فقیر پر اس طرح واضح ہوئی کہ آئینہ سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کی مراد دل ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اور دو جہت سے مراد نفس اور روح میں پس مشائخ جب مقامِ قلب کے وصول میں ہوں تو یہ دو جہت اُن پر منکشف ہوتی ہیں اور وہ اس مقام کے بلند درجہ پر جو مناسبِ قلب ہے فائز ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ اِن مشائخ کے برخلاف ایسے مقام پر ممتاز ہیں کہ دوسروں کی انتہا اُن کی ابتداء میں مندرج ہے اور آپ کے قلبِ مبارک کی چھ جہت ہیں۔ کُلیّتِ افرادِ انسان میں مثلاً جو لطائف ستّہ ثابت ہیں نفس و قلب و روح و سر و اخفیٰ حضرت خواجۂ بزرگ کے قلبِ مبارک میں یہ تنہا متحقق ہیں۔ تو حضرت کے قول میں شش جہت سے یہ چھ لطیفے مراد ہیں اور آپ کی بطریقِ وراثت آپ کے متبعین کی اِن لطائف میں سیر ابطنِ بطون یعنی انتہائی

باطن تک پہنچتی ہے۔ اوران چھ لطائف کے علوم ومعارف اُن پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہاں ہمارے شیخ (حضرت مجددؒ) کا ارشاد ختم ہوا۔ حضرت خواجۂ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کا یہ ارشاد اور حضرت مجددؒ کی اس ارشاد کی یہ تشریح اس طرف اشارہ ہے کہ مرتبۂ قلب میں حضرت خواجۂ بزرگؒ کی یہ نسبتِ جامعیت نسبتِ نبوی علیٰ مصدرھا الصّلوٰۃ والسّلام کی خصوصیات سے ہے جو آپ کو بسببِ مناسبت بطورِ ورثہ ملی ہے۔ بقول اُن بزرگوار کے۔

نوبتِ ثانی بہ بخارا زدند

(''دوسری نوبت بخارا میں بجی'') اور اس سکۂ یثربی کے خط سے شاہِ نقشبندؒ کا دلِ بےنقش بہرہ ور رہوا۔ اس میں رَمزیہ انداز میں انتہائی لطافت کے ساتھ حضرت خواجہؒ کی بزرگی کی طرف اشارہ ہے۔

گذشتہ اُمّتوں میں ہر صدی کے سرے پر ایک رسول آیا کرتا اور اولوالعزم پیغمبر کے دین کی تجدید کا کام کرتا تھا۔ ہمارے پیغمبر ﷺ خاتم الرسل ہیں اور تجدید دین کا یہ کام علماء رَبّانی کے سپرد ہے جو آپ کے نائب ہیں۔ چناں چہ اس سلسلے میں حدیث[1] وارد ہے کہ اِن علمائل الٰہیہ میں سے ہر صدی کے سرے پر ایک مجدّد ہوگا جو ان علماءِ اُمّت میں ایک عالم نائبِ رسول اولعزم ہوگا۔ حضور ﷺ سیّدِ کائنات ہیں اور حضرت وہب بن منبہؒ اور دیگر متعدد علماء کی روایت کی رُو سے روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے تقریباً چھ سو سال بعد دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ آپ کے نائب اولوالعزم آپ کے بعد تشریف لائے۔ جو مدت پہلی ہے وہی تقریباً دوسری۔ حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ نے ۷۹۱ھ میں وصال فرمایا جبکہ آپ کی عمر شریف بہتر سال تھی۔ آپ کا انتقال بھی شب دوشنبہ ماہ ربیع الاوّل ہی میں ہوا۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الملاحم

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا جامیؒ نے کس مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ جب حضرتِ خواجہ کی ولادت و وفات کو اپنی زبانِ قلم سے اس رباعی میں جمع کر دیا جس سے سیّدِ انس و جان ﷺ کے امتثال کے باعث حضرت خواجہؒ کا بلند مرتبہ معلوم ہوتا ہے اور آپ کے فیضِ مہلم سے وہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ وہ رباعی یہ ہے:

اُو ہمسگی جذب شہ مطلبی

جملہ ادب و خلق زخلقش طلبی

چوں سال ولادتش ز آداب و زجذب

تاریخِ وصالش طلب از خلق نبی!

(''حضرت خواجہؒ کلیتہً حضور ﷺ کا جذب تھے۔ آپ کے جملہ ادب و اخلاق حضور ﷺ کے ہی اخلاق کا پرتو تھے۔ اگر تمہیں آپ کا سالِ ولادت معلوم کرنا ہو تو وہ بھی آپ کے آداب و جذب سے معلوم کرو اور اگر تاریخ وصال کا پتہ کرنا ہو تو وہ بھی خُلقِ نبی سے پتہ کرو'')

جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا حضرت خواجہؒ کو تصّرفاتِ کونیہ و تصّرفاتِ باطنیہ دونوں کی جامعیت سے فیض نصیب ہوا۔ اولیاء اللہ کو مختلف طرح فیض نصیب ہوتا ہے۔ بعض کو عزیمت پر کثیر عمل نصیب ہوتا ہے لیکن اتنا زیادہ بلند مرتبہ نہیں ملتا۔ بعض کو دونوں چیزیں ملتی ہیں عزیمت پر عملِ کثیر بھی اور علّو مرتبت بھی لیکن تصرّفات و خوارقِ عادات و کرامات ملتی ہیں۔ بعض کو معاملات کا تصّرف ملتا ہے۔ لیکن معاملاتِ باطنیہ کے وہ تصّرفات کہ طالبانِ سلوک کو کمال تک پہنچا دیں اُنہیں کم ملتے ہیں اور بعض کو اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اگر ایک منصف ان چیزوں پر نظر رکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت خواجۂ بزرگؒ بروجہِ اتم ان تمام کے جامع تھے۔ کما لا یخفیٰ (جو پوشیدہ نہیں ہے) آپکے مرتبہ کے بارے میں یہ چیز

عجیب تھی اور اس معاملہ میں آپ کا رتبہ بہت بلند تھا۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ کو کبارِ مشائخ متقدمین میں سے کسی کی عظمت کے احوال سنا رہے تھے کہ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو بھی یہ بلند مرتبہ حاصل ہوتا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اُسی لحظہ حضرت خواجۂ بزرگؒ نے اپنا پاؤں حضرت خواجہ علاء الدینؒ کے پیر کی پُشت پر رکھ دیا۔ اُسی وقت حضرت خواجہ علاء الدینؒ کو وہ تمام برکات حاصل ہوگئیں جو اُن بزرگ کو اتنے زیادہ سالوں کی ریاضتوں کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔

نیز حضرت خواجہ علاء الدینؒ فرماتے ہیں کہ معاملاتِ عظیمہ کے حصولِ محبت کی زیادتی اور حضرت خواجۂ بزرگؒ سے اپنے رابطہ کے بعد ایک دن حضرت خواجہؒ نے مجھ سے فرمایا:

''تو ما را دوست میداری۔ یا ما ترا معروض واشتم کہ من ایشاں را دوست میدارم''

(''تو مجھے دوست رکھتا ہے یا میں تجھ سے کہوں کہ میں اُنہیں دوست رکھتا ہوں'')

اور پھر حضرت خواجہؒ نے اُسی لمحہ تصّرف فرمایا کہ میں نے اپنے دل و جان کو حضرت خواجہؒ کی محبت سے خالی پایا یعنی حضرت خواجہؒ کی وہ محبت میرے دل سے اچانک غائب ہوگئی۔ ناچار میں حضرتِ خواجہؒ کے پیروں پر گر گیا اور معذرت کی یہاں تک کہ آپ نے پھر وہ محبت دوبارہ عنایت فرما دی کہ ہمیشہ آپ کی محبتِ یقینی صمیمی قدیمی و جدیدی میں سرشار رہا۔

اگر چہ حضرت خواجہ علاء الدینؒ آپ کے تربیت یافتہ تھے اور اُن کے چاند نے آپ کے آفتاب سے کسبِ نور کیا تھا۔ آپ کا بھی عظیم درجہ تھا۔ فرماتے ہیں:

''بہ عنایت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ونظرِ عنایتِ خواجۂ بزرگ قُدِّسَ سِرُّہٗ اگر اختیار کنم ہمہ

مقصودِ حقیقی واصل شوند''۔

(''حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت ومہربانی سے اور حضرت خواجۂ بزرگ قُدِّس سرُّہٗ کی نظرِ کرم سے اگر چاہوں تو سارا عالم مقصودِ حقیقی پالے اور واصل ہو جائے'') اور آپ نے ایک بیت بھی ارشاد فرمایا:

گر نشکستے دلِ دربان راز

قفلِ جہاں راہمہ بکشو دے

(''اگر دلِ دربان راز فاش نہ کر دیتا تو میں تمام دنیا کے قفل کھول ڈالتا'')۔ خواجۂ بزرگؒ کے تصّرف کو اس پر قیاس کرنا چاہیے۔

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اُس عنایت کی توجہ خاص کی بنا پر فرمایا کہ: ''ہرچہ گوید ہمہ شود'' (آپ جو کہتے وہ ہوتا) کہ جب آپ کی توجہِ شریف سے دوسرے کو یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا تو پھر خود آپ کا کیا مرتبہ ہوگا۔

حضرت خواجۂؒ بزرگ کے مقامات میں مذکور ہے کہ آپ اپنے حاضر و غائب موجود وغیر موجود مریدوں کی جزئیات وکلّیات کو اُن سے بہتر جانتے تھے۔ چناں چہ ایک بار دور دراز کے سفر کے بعد آپ کے ایک مخلص جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''احوالیکہ دریں مدّت برتو گذشتہ است تو میگوئی یا ما میگویم

(''جو حالات اِس مدّت میں تم پر گزرے میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے'') اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ خود بیان فرمانا شروع کر دیتے اور ارشاد فرماتے:

''روئے زمین درنظر ماچوں روئے ناخن است''

(''روئے زمین ہماری نظر میں روئے ناخن کی طرح ہے'')

پس باوجود باطنی احوال، ظاہری متابعت، علوِ مرتبت، تصرفاتِ کونیہ و تصرفاتِ ارشادیہ وکشوفاتِ عالیہ کے ظہور اور انکسار و دیدِ قصورِ احوال آپ پر کچھ اس درجہ غالب تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

سیّدِ کائنات علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیمات ایسے مرتبہ پر فائز تھے کہ تمام عالم اور جمیع مخلوقات کو وجود آپ کے طفیل ملا کہ آپؐ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں اور محبوبیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز۔ حضرت خواجہ بزرگؒ آپ سے غایتِ قوّتِ مناسبت اور مرتبۂ محبوبیت کی بناء پر فرماتے ہیں:

یَالَیۡتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمۡ یَخۡلُقۡ مُحَمَّدًا[1]

(''اے کاش محمد ﷺ کا ربّ محمد ﷺ کو نہ پیدا کرتا'') اور غایتِ خضوع وانکساری کی بناء پر اس حدیث کو بھی آپ اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرماتے:

اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلۡبِیۡ وَاِنِّیۡ لَاَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ فِیۡ کُلِّ یَوۡمٍ سَبۡعِیۡنَ مَرَّةً[2]

(''میرے دل پر کبھی بادل چھا جاتے ہیں اور میں ہر روز ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں'')

اور ابتداء میں تو حضرت خواجہؒ کے مزاج میں اتنا خشوع اور اتنی خاکساری تھی کہ قوّتِ بشری سے بھی بعید ہے۔ یہاں تک کہ زخمی خارش زدہ کتّے کو بھی اگر آپ دیکھ لیتے تو جبکہ دوسرے لوگ تو اُس کے پاس جانا بھی پسند نہ کرتے آپ اپنے دستِ مبارک سے اُسے دھوتے اور اس پر مرہم رکھتے۔ نیز خود کا انتہائی کم درجہ کی مخلوقات اور معمولی جانوروں سے

---

[1] خواجہ نقشبند بخاری رحمہ اللہ کا نام نامی محمد تھا۔ اس عبارت میں خواجہ صاحب نے اپنی ذات ہی مراد لی ہے، معاذ اللہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہیں کہہ رہے۔ (اشرف)

[2] مسلم، کتاب الذکر، باب ۱۲، (۲۷۰۲) ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار (۱۵۱۵) حدیث مذکور میں آخری لفظ مِائَةَ مرةٍ ہے مشکوٰۃ میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ (اشرف)

ازنہ کیا کرتے اور خود کو سب سے کمتر جانا کرتے تھے۔ آخری عمر میں انتہائی انکساری کی بناء پر آپ فرمایا کرتے:

''بایں ہمہ خرابی و افلاسی و بیجا صلی و عاجزی کہ من دارم لیاقت ندارم کہ کسے سلام مرا جواب گوید و حقِ تعالیٰ مرا در میانِ خلق رسوا کردہ است و مردم را ہمن مشغول گردانیدہ''۔

(''میری اِس تمام خرابی، افلاس، تہی دامنی اور عاجزی و مسکینی کے باعث مجھ میں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ کوئی میرے سلام کا جواب دے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مخلوق میں رسوا کیا ہے کہ لوگوں کو میرے ساتھ مشغول کر دیا ہے کہ مخلوق کا میری طرف یہ رجوع ہے'')

اِسی فروتنی و انکساری کے باعث جب ایک شخص نے آپ سے کرامات کا مطالبہ کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''کندام کراماتِ ما برابر آنست کہ بایں ہمہ
بارِ گناہ بہ زمین می رویم فرونمی شویم''

(''ہماری کون سی کرامت اس کے برابر ہے کہ گناہوں کے اس تمام بوجھ کے باوجود ہم زمین پر چل رہے ہیں اور دھنس نہیں جاتے'')۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''نفی وجود نزدِ ما اقربِ طرق استدایں جز بترکِ کاروبار و دیدِ قصورِ اعمال[1] میسّر نشود''۔

(''ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب سے زیادہ قریب کا راستہ ہے اور یہ ترکِ کاروبار اور انکسار کے بغیر میسّر نہیں'')۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

---

[1] اپنے اعمال میں دید قصور کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو نظر آئے کہ میرا کوئی عمل حکمِ خداوندی اور شانِ الٰہی کے مطابق نہیں۔ یعنی اپنے ہر نیک عمل میں اسے قصور اور عیب نظر آئے، واللہ اعلم بالصواب

''در عبادت طلبِ وجود ست و در عبودیت تلفِ وجود تا ہستی ما با ماست ہیچ عمل نتیجہ نہ دہد''

(''عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا مٹنا اور ختم ہو جانا۔ جب تک ہماری ہستی ہمارے ساتھ ہے (یعنی اُس کا احساس ہم میں موجود ہے) اُس وقت تک کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔ اُس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا)۔ ازراہِ بردباری و تحمل اور استقامتِ احوال کے لیے آپ نے فرمایا:

''درویش در مقام بارکشی باید کہ چوں دہل باشد کہ ہر چند طبانچہ خورد صدائے مخالف از ظاہر نشود''۔

(''درویش کو چاہیے کہ اپنے آپ کو مقامِ بارکشی میں جانے۔ بوجھ کھینچنے والے چھکڑے کی طرح کہ جب ڈھول بجے یہ کتنے ہی طمانچے کھائے مگر کوئی مخالفانہ آواز اُس سے ظاہر نہ ہو'')

آں سرور ﷺ کی کمالِ اتباع کے باعث باوصف اس کے کہ آخر زمانے کے تقاضے بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کا ظاہری فقر بھی آپ کے باطنی فقر کی طرح کامل تھا۔ وہ جو کہا گیا **اِذَاتَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَا اللّٰہُ** (جب فقر مکمل ہو جائے تو وہ اللہ ہے، یعنی ظاہر و باطن کا فقر سب اللہ کی رضا کے لئے) آپ پر پوری طرح صادق آتا تھا۔ چناں چہ سالہا سال آپ نے بوسیدہ عمامہ اور پُرانی پوستین میں گزارے ہیں۔ اور کئی شب و روز ایک پرانا کپڑا آپ کا لباس رہا۔ سخت سردی کے موسم میں بھی گھاس آپ کے تکیہ کی جگہ ہوتی اور پرانا بوریا اور پانی کا لوٹا۔

اِس تمام فقر کے باوجود خلقِ نبوی کا شیوہ اپناتے ہوئے مہمانوں اور درویشوں پر خرچ کرنے میں بڑی سعی فرماتے تھے اور خود بنفسِ نفیس مہمان اور اُس کی سواری کی خدمت

تے۔ اپنی روزی کے حصول کے لیے قلیل زراعت کرتے اور خود زمین کاشت کرتے۔ مزاج کی اس تمام لطافت کے باوجود سورج چمک رہا ہوتا اور آپ زراعت میں سعیٔ بلیغ فرما رہے ہوتے اور اپنے ظاہری و باطنی احوال کے چھپانے میں پوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک عالم کئی سال آپ کے ساتھ ایک گھر میں رہے لیکن آپ کے احوال اور کمال پر مطلع نہ ہو پائے۔

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ایک مخلص بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت خواجۂ بزرگوارؒ سے پہلے گذشتہ ادوار میں بڑے بڑے بزرگ ہوئے مگر یہ شہرت جو حضرت خواجہؒ کو دو سو سال میں ملی کہ ماوراء النہر کے تمام تشنہ لب آپ کی رحمتِ خاص کی نہر سے سیراب، ترکستانیوں کے دل آپ کے جذبۂ اخلاص سے ترکناز، کاشغر و خطا والوں کی مشامِ جان آپ کی نافۂ نسبتِ روح سے معطّر، ختن والے آپ کے آفتابِ ہدایت سے منّور، ساکنانِ عراق کی عروقِ جان (رگیں) آپ کے اخلاص کی حبلِ متین (مضبوط رسّی) سے مضبوط و متیقن، شام والوں کے دل آپ کی چودھویں رات کی روشنی سے روشن، مصر آپ کی برکات کی مٹھاس سے شیریں کام اہلِ روم اُلغ بحکم آیت کریمہ **اِذَا غَلِبَتِ الرُّوْمُ** آپ کے مغلوبِ محبت، سیستان زابلستان میں آپ کی شہرت و ناموری ایسی گویا نصف النہار کا سورج، کابل و کشمیر آپ کے رخسارِ مبارک سے رشک کے باعث ارغوانی و زعفران زار، اہلِ مملکتِ ہندوستان، مانند طوطی شیریں مقال آپ جیسے تاج الرِّجال کی مدحت میں نغمہ سنج **قُدِّسَ اللّٰہ سِرَّہُ الْاَقْدَس** تو اس سوال کے جواب میں مخلص بزرگ نے فرمایا کہ حضرت خواجۂ بزرگؒ صاحبِ برکات نے اپنی تمام زندگی اپنے احوالِ فضل و کرامات کو مخلوقِ خدا سے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری کوشش فرمائی تو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُس کی مکافات میں آپ کو چاند و سورج کی طرح ظاہر فرمایا اور دنیا والوں کے کانوں

میں آپ کی شہرت ڈال دی۔

ایک دوسرے شخص نے اس فقیر راقم (خواجہ ہاشم کشمیؒ) سے پوچھا کہ اللہ پاک کی صفتِ کاملہ میں سے ایک صفتِ کلام بھی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے اور خرس و سکوت اُس کی صفت میں نہیں۔ پس جو بزرگ اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوں انہیں چاہیے کہ سکوت کے مقابلہ میں کلام کرنے کو پسند کریں حالاں کہ حضرت خواجہؒ بزرگ کا طریقہ سکوت وخاموشی ہے۔ اس عاجز نے حضرت خواجہؒ کی توجہ وامداد سے جواب دیا کہ وہ کلامِ الٰہی جسے تم نے کلام سمجھا ہے وہ حرف وآواز والا کلام نہیں، بلکہ اُس سے وراء الوراء ہے اور کلامِ بشر سے مختلف۔ حضرت خواجہؒ اور آپ کے متبعین نے اسی لئے ایسے کلام کو چھوڑا ہے جو کلامِ بشر کی طرح حرف وآواز والا ہو اور ایسے کلام کو اختیار کیا ہے جو کلام بیچونِ الٰہی کی طرح ہے۔ اس طرح آپ ایسے کلام کے تخلق کے باعث متخلق باخلاقِ الٰہیہ ہیں۔ تو حضرت خواجہؒ تو درحقیقت اصل کی طرف گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہؒ کی فضیلت وبزرگی تحریر و بیان سے باہر ہے۔ قیامت تک آپ کی ولایت کی نشانیاں، آپ کے تصرّفات ومعونت وامداد اُن پر بھی جو دُور ہیں اور اُن پر بھی جو قریب ہیں ظاہر وآشکارا ہے۔ آپ کی روحانیت کے تصرّفات آپ کے بعد بھی ظاہر ہوئے ہیں جو مختلف رسائل میں بیان ہوئے ہیں۔ بعض بزرگوں نے وہ خود دیکھے اور بعض نے دوسرے صادق القول حضرات سے سنے۔ اگر ہم اُنہیں بیان کرنا شروع کریں تو دفتر کے دفتر مرتب ہو جائیں۔

میں صرف ایک قصّہ اور ایک کرامت کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس فقیر کے ایک مخلص بخاری بزرگ نے بیان فرمایا کہ وہ حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً وتکریماً (اللہ ان دونوں کے شرف وعزّت کو زیادہ کرے) سے واپس ہو رہے تھے کہ ضرورتِ وقت کے پیشِ نظر انہوں نے ساتھیوں سے ایک خاص کشتی میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ ساتھیوں نے جو تعداد

نفر یباً پچاس تھے شروع میں انکار کیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو وہ سب ناچار اُس کشتی میں بیٹھ گئے۔ حالتِ سفر ہی میں تھے۔ دریائے شور میں پہنچنا تھا کہ اچانک زبردست ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں۔ بادل کی گرج اور پھر طوفان بادوباراں اور بجلی کی زبردست کڑک، شدید تاریکی، کشتی والوں کی جان پر بن گئی اور انہوں نے مجھے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ مجبوراً میرے کہنے سے وہ کشتی میں بیٹھے تھے۔ میں بھی زندگی سے مایوس کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ حضرت خواجۂ بزرگؒ تو ہندو اور فرنگیوں کی پکار پر بھی ان کی مدد فرماتے ہیں مگر کیا ہم ان سے بھی کمتر ہیں اور اس غوث الاولیاء کے ساتھ ہمارا اخلاص ان غیر مسلموں سے بھی کم ہے کہ وہ ہماری دستگیری نہ فرمائیں گے اور اسی طرح غرق ہونے دیں گے میں نے یہ کہا اور اِسی جوش میں میں نے آپ کے مزار فائض الانوار کا تصور کیا۔ اور میں اسی تصّور میں گم ہوگیا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ نورانی شکل پانی کی سطح پر نمودار ایک کشتی میں بیٹھے عجلت کے ساتھ ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے غیب سے القاء ہوا کہ یہ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ ہیں اور تمہاری مدد کو تشریف لائے ہیں۔ جب آپ نزدیک ہوئے تو میری جانب تبسّم فرمایا۔ میں نے شکوہ کیا کہ آپ تو دشمنوں کی بھی مشکل آسان فرماتے ہیں۔ میری اس مشکل میں مدد فرمائیں۔ حضرت نے پھر تبسم فرمایا اور شفقت فرمائی کہ خاطرِ جمع رکھو۔ ہم اسی مقصد سے آئے ہیں۔ مجھ پر عجیب جوش اور سُکر کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا تو دیکھتا ہوں کہ نہ وہ بارش، نہ وہ کڑک، نہ بجلی، نہ وہ طوفان، نہ وہ تاریکی، میں چلاّیا۔ ساتھیو خوشخبری ہو کہ حضرت خواجہؒ مدد کو آپہنچے ہیں اور ہم سب غرق و ہلاکت سے بچ گئے ہیں۔ خوش ہو جاؤ، شکر بجالاؤ اور جان و دل حضرت کی نذر کرو وہ سب بے اختیار رو پڑے۔ شکر بجالائے اور غریبوں کو کھانا کھلانے کی جو منتیں مانی تھیں ساحل پر آ کر وہ پوری

کیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَائِہٖ بِتَوَسُّطًا اَوْلِیَائِہٖ خدا کی نعمتوں کا شکر اس کے اولیاء کے توسّط سے

ایک اور بزرگ جو آپ کے ساتھ رابطۂ طریق رکھتے تھے اپنا ایک کشف اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب نمازِ تہجد کے بعد میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ اوّلین و آخرین ایک میدان میں جمع ہیں۔ دھوپ کی تیزی کا یہ عالم کہ بیان سے باہر اور دُور ایک بارگاہ ہے عظیم اور عجیب۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ بارگاہِ شفاعتِ محمدیؐ ہے علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام۔ اسی دوران ایک عجیب سا زلزلہ اور زبردست شور اُٹھا کہ لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ کیا چیز ہے۔ لوگ کہنے لگے یہ دوزخ ہے۔ اِسے زنجیر میں جکڑ کر لایا گیا ہے اور میدانِ حشر کے کنارے سے اِسے گزار رہے ہیں۔ اسی دوران میں نے دیکھا حکم ہوا تمام کافروں کو دوزخ میں ڈال دو اور حساب کتاب کے لیے ایک گروہ پر نظر رکھو۔ چناں چہ انتہائی ذلّت کے ساتھ کفار کو جہنم کی طرف گھسیٹا گیا۔ اِسی دوران ایک شخص کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور وہ گڑگڑا رہا تھا۔ ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کا جائزہ لیا مگر ان سے کچھ فائدہ نہ ہو سکا کہ ناگاہ اُس نے کہا۔ میں نے ایک بار پانچ فلس (پیسے) نذرِ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کیے تھے کہ وہ خدا کے کامل دوستوں میں سے ہیں۔ چناں چہ فرمان صادر ہوا کہ اس پر نگاہ رکھو پھر مجھے معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا معاملہ گزرا۔ ہاں میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ اے کاش ہم دنیا میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے سلسلے سے منسلک ہوتے۔ شاعر نے خوب کہا:

بس کنم خود زیرکانرا ایں بس است بانگِ دو کردم اگر در وہ کس است

میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں خود کو ان کے زیرِ فرمان کر دوں، اگر دس میں سے

ان کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔

جب حضرت خواجۂ بزرگ بہاء الحق والدین قُدِّس سِرَّہٗ سے لے کر حضرت سیّد المرسلین ﷺ تک اس سلسلہ کے بعض مشائخ کا پہلے ذکر ہوا اور آنحالیکہ یہاں ضروری الاظہار تھا تو اب لازم ہے کہ ایک مختصر قطعہ کے ذریعہ حضرت پیر بزرگوار (مجدّد الف ثانیؒ) سے تا حضرت خواجۂ عالی مقدار (خواجہ باقی باللہؒ) اور حضرت سیّد الابرار ﷺ تک بہ ترتیب ان مشائخِ کبارؒ کے نام بیان کروں تا کہ معلوم ہو اور کسی قدر کافی ہو۔ نظم

نامِ پاکِ نقشبندی بے زوال شیخ احمد مجمع البحرین عالم حال وقال

شیخ ایشاں خواجہ باقی بالحق پیر ایشاں خواجگی امکنہ بدر الکمال

("میرے پیر شیخ احمد (مجدّد الف ثانیؒ) ہیں جو عالمِ حال وقال اور دو سمندروں کو ملانے والے ہیں اور ان کے شیخ حضرت خواجہ محمد باقیؒ ہیں جو فانی اور حق کے ساتھ باقی ہیں اور اُن کے شیخ خواجہ امکنگیؒ ہیں جو بدر الکمال ہیں۔ عظمت وکمال میں اُن کا نام ایسا روشن جیسے چودھویں رات کا چاند")

مُرشدِ اُو والدِ اُو خواجہ درویش ولی قدوہ مولٰنا محمد زاہد اُورا پیر وخال

پیر اوخواجہ عبید اللہ سرِ احرارِ دیں شیخ ایشاں شیخ یعقوب آں مہِ چرخ کمال

("اُن کے مُرشد ووالد حضرت خواجہ درویش محمدؒ ہیں جو خدا کے دوست یں اور اُن کے رہبر ورہنما حضرت مولٰنا محمد زاہد ہیں جو آپ کے پیر بھی ہیں اور ماموں بھی۔ اُن کے پیر ومرشد حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں جو دین کی اہم ہستیوں کے سردار ہیں اور ان کے مرشد حضرت شیخ یعقوب چرخیؒ ہیں جو آسمانِ کمال کے مہِ تاباں ہیں۔

پیرِ اُو سُلطان بہاء الحق والدین نقشبندؒ خواجہ نوسیدایں مے از خُمخانۂ میر کلالؒ

پیرِ اُو خواجہ علی رامیتنیؒ دریائے حالؒ عاقبت محمود شد از خواجہ محمود ایں عزیز

ایک ہے تو میں اسی کا نعرہ ماروں۔ اور فرمایا:

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام　　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

("کاملین کے مرتبہ کو ناتجربہ کار و ناپختہ کیا سمجھے۔ پس گفتگو مختصر کر کے والسلام کہنا ہی بہتر ہے")

اس مختصر بیان کے بعد میری خواہش تھی کہ اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی کچھ خصوصیات عرض کرتا جو آج اربابِ ارشاد و عرفان کے طرق کا نمک خوان ہے لیکن رئیس طریقت حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ کی رفعت و لطافت کے شرحِ احوال و حُسنِ اطوار کے بیان کے بعد جب میں نے بزرگوں کے رسائل کا اس سلسلہ میں مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ انہوں نے بروجہ اکمل واتم اس کی تشریح کر دی ہے۔ خصوصاً اس سلسلۂ عالیہ کے متاخرین بزرگوں کی کتابوں میں حضرت پیر بزرگوار (مجدّد الف ثانیؒ) کے مکتوبات جو روحانی فتوحات میں معاون ہیں، میں نے اس میں اس سلسلہ کی خصوصیات کے بیان کو انتہائی خوبصورت پایا۔ خصوصاً مکتوب[1] نمبر ۲۲۱، دفتر اوّل اور مکتوب نمبر ۲۹۰، دفتر اوّل جو متبرک اور منور ہے۔ نیز اس کے بعد حضرت مجدّدؒ کے بعض رسائل میں دیکھا کہ مکاشفات میں آپ پر ظاہر ہوا کہ حضرت مہدی موعود و آخرالزمان علیہ الرحمۃ والرضوان اس سلسلۂ عالیہ کی تکمیل کرنے والے ہوں گے۔ چناں چہ اس پر میں نے اکتفا کیا کہ اس کلام بشارت انتظام میں اس سلسلۂ عالیہ کی تعریف کا ایک دفتر چھپا ہوا ہے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی طَرِیْقِھِمْ وَارْزُقْنَا مِنْ بَرَکَتِھِمْ وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِھِم

اے اللہ ہمیں ان کے طریقہ پر ثابت قدم رکھ۔ ان کی برکت سے حصہ عطا فرما اور

---

[1] اصل فارسی نسخہ میں یہاں مکتوب یکصد و بست یکم لکھا ہے جو کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح لفظ ہے دو صد و بست و یکم۔　　　　(سیّد محبوب حسن واسطی)

آنکہ ازوی کشتہ فغنو چشمۂ آبِ زلال

(اُن کے پیر و مرشد حضرت سلطان بہاء الحق والدین نقشبندؒ ہیں اور حضرت خواجہ نے یہ شرابِ عشق حضرت سیّد شمس الدین امیرِ کلالؒ کے خم خانہ میں نوش فرمائی (فارسی نسخہ کے حاشیہ پر ہے ''پیر سیّد خواجہ بابا محمد نام بود کہ حضرت امیر کلال کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد بابا سماعیؒ تھے) اور اُن کے پیر حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ تھے جو جذب و حال کا سمندر تھے۔ حضرت خواجہ محمود الخیر فغنویؒ سے بیعت ہو کر خواجہ رامیتنیؒ کی عاقبت محمود انجیر ہوئی اس لیے کہ اِسی سے بخارا کے قریب شہر فغنہ کے صاف و شیریں پانی کے چشمہ کی بنیاد پڑی یعنی حضرت کی خانقاہ اور آپ کا حلقۂ ذکر)

مُرشدِ اُو خواجہ عارفؒ لعل کانِ ریوگر

خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ آں تاج الرّجال

بود شاہِ غجدواں از شاہِ دنیا خوبتر

قطبِ عالم خواجہ یوسفِ مصرِ کمال

(اُن کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ تھے جو قصبہ ریوگر کی کان سے نکلے ہوئے یاقوت کی طرح تھے۔ انہیں یہ بادشاہت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے ملی تھی جو اہلِ اللہ کے سر کا تاج تھے اور دنیا کے بادشاہوں سے کہیں خوبتر۔ اُن کے مرشد حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ تھے۔ سیّدنا حضرت یوسف علیہ السّلام انتہائی حسین و مصرِ افریقہ کے حاکم تھے۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ محمد المشرب حسین و مصرِ کمال کے یوسف۔

مُرشدِ اُو شیخ سرمد بوعلی فارمدیؒ رہبرِ اُو خرقانی بوالحسن بحر النوال

پیرِ اُو سلطانِ معنی بایزید و شیخ اُو جعفر صادق کہ در مدحش زبانہا کشتہ لال

(اُن کے مُرشد شب و روز عبادت کرنے والے حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ تھے اور اُن

کے رہبر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ بخشش وعطاء کے سمندر۔ اُن کے پیر سلطانِ معنی حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ اور اُن کے شیخ حضرت امام جعفر صادقؓ جن کی تعریف میں زبانیں کشتہ لال ہیں)

یافت جعفر نسبتِ حیدر ز والدِ اُو زاب
والدِ اُو زاب یعنی کہ شیرِ ذوالجلال
لیکن اندر نسبتِ صدیق ہم اُو صادق است
قاسم بن محمد ابوبکر اُو فیض نوال

(حضرت امام جعفر صادقؓ نے نسبتِ حیدر اپنے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدینؓ سے حاصل کی جو اپنے والد کے ہم صفت تھے یعنی بہادر جیسے شیر ذوالجلال (حیدر بمعنی شیر)۔ لیکن جیسا اُن کا نام جعفر صادقؓ وہ نسبت صدیق میں بھی صادق تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کے فیض یافتہ تھے)

پیرِ قاسم فارسِ میدانِ دیں مسلماں فارسؓ
باوجودِ صحبت از صدیق ہم دار و کمال
مُرشدِ صدیق و حیدر کیست خیرالانبیاءؐ
مصطفیٰ صد رحمتِ بروی وباد ابر آل

(اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ کے پیر حضرت سلمان فارسیؓ جو دین کے میدان کے سپاہی اور گھڑ سوار (فارس بمعنی گھوڑے کا سوار) جنہیں اس کے باوجود کہ حضور ﷺ کی صحبت کا بھی شرف حاصل تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی اُنہوں نے کسبِ کمال کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وحضرت علی حیدرِ کرّارؓ کے پیرومرشد خیرالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ اللہ پاک کی بہت سی رحمتیں اُن پر اور اُن کی آل پر ہوں)۔ بھلا کہاں

بن ہاشم (خواجہ ہاشم کشمی مؤلف کتاب) اور کہاں یہ علم و عرفان کے بادشاہ۔ بے زوال آفتاب کا نور، تاہم عرض ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے متعدد خلفاء ہوئے چناں چہ صاحبِ رشحات نے اُن میں سے بیس بزرگوں کے مختصر حالات بیان کیے ہیں لیکن یہ سلسلۂ عالیہ جن بزرگوں سے پھیلا وہ تین ہیں۔

۱۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ

۲۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ

۳۔ حضرت مولٰنا یعقوب چرخیؒ

قطب الاخیار حضرت خواجہ علاء الدین عطّار قُدِّسَ سِرُّہٗ حضرت خواجۂ بزرگؒ کے بعد آپ کے خلیفۂ ارشاد ہوئے۔ آپ سے کثیر برکات کا ظہور ہوا جو آپ کے خلفاءؒ اور خلفاءؒ کے خلفاءؒ میں قائم رہا۔ ان میں سے اکثر بزرگوں کے حالات رشحات میں بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب رشحات کی تالیف کے بعد بھی کچھ شاخیں حضرت مولٰنا سعد الدین کاشغریؒ سے چلیں جن کا ذکر انشاء اللہ اس کتاب میں آئے گا۔

حضرت خواجۂ بزرگؒ کی دوسری شاخ قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ محمد پارسا قُدِّسَ سِرُّہٗ سے ایک درجہ میں پھیلی اِس لیے کہ اُن کے فرزند حضرت خواجہ ابونصر پارساؒ اور دو دیگر اصحاب کے علاوہ جن کا ذکر رشحات میں ہے یہ آگے نہ بڑھی اور بعض اکابرؒ نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ حضرت خواجہ پارساؒ قطبِ افراد تھے اور استہلاکِ شہادتِ ذاتیہ کی بناء پر اُن کی توجہ دعوت و ارشاد کی طرف نہ تھی جیسا کہ قطبِ افراد کے متعلق حضراتِ صوفیہؒ کی کتابوں میں ہے۔ اگر حضرت خواجہ محمد پارساؒ اِن کلمات اور اِسی جامعیت کے ساتھ دعوت و ارشاد کی طرف بھی توجہ فرماتے تو ایک عالم اُن سے بہرہ مند ہوتا جیسا کہ حضرت خواجہ بزرگؒ نے اُن کی منقبت میں فرمایا:

''وے رابہ ہر دو صفت جذبہ وسلوک تربیت کردہ ام اگر مشغول شود جہانے از و منوّر گردد''۔

(''میں نے جذبہ وسلوک دونوں چیزوں سے اُن کی تربیت کی ہے۔ اگر وہ توجہ کریں تو ایک جہان اُن سے منوّر ہو جائے'')۔

سلطان الطریقہ حضرت خواجہ بہاء الحق والدینؒ کی تیسری شاخ حضرت مولٰنا معظّم شیخ یعقوب چرخی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے چلی۔ ان سے یہ بزرگوں کے راہنما اور دین کے حامی و ناصر حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو ملی اور اسی طرح حضرت مولٰنا یعقوب چرخیؒ سے یہ حضرت خواجہ یوسف بابا قوئیؒ کو ملی جو بایقول میں آرام فرما ہیں اور اُن سے شیخ بابا سماسیؒ کو پہنچی جو ختلان میں آرام فرما ہیں اور اُن سے شیخ اسماعیل ختلائیؒ کو ملی (اللہ سب پر اپنی رحمت فرمائے)

اور اسی طرح حضرت خواجہ احرارؒ نے حضرت خواجۂ بزرگؒ کے دوسرے اصحاب مثلاً حضرت خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ سے بھی حصہ حاصل کیا۔ حضرت خواجہ احرارؒ سے اِس سلسلۂ عالیہ کو عجیب ہی رونق ملی۔ حضرت خواجہ احرارؒ جو قدوۂ صفا کیشاں اور اولیاء کے سردار تھے۔ اُن کے اور اُن کے دو ہونہار صاحبزادگان اور اُن کے بیس خلفاء کے حالات ''رشحات'' میں مذکور ہیں۔ حضرت خواجہ احرارؒ کے بعض دیگر مخلص اصحاب بھی تھے جنہیں صاحبِ رشحات کے دَور میں پوری شہرت حاصل نہ ہوئی تھی اور اسی سبب سے یا کسی دوسری وجہ سے جہاں اُن میں سے بعض کے حالات کتاب میں آئے ہیں۔ بعض دوسروں کے حالات اور اُن کی تفصیل کی حضرت مولٰنا کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ رشحات میں بیان نہ ہو سکے۔ ہم اس کتاب میں لکھیں گے۔ اور اُن بزرگوں کے مختصر حالات بھی اِس کتاب ''نسمات القدس'' میں بیان ہوں گے جو اِن بزرگوں سے لے کر آج ہمارے دور تک اُن نہج اور اُس طریقہ پر جو ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے مختلف شاخیں پھیلیں تحریر کریں گے۔

☆☆☆

مقالۂ اُولیٰ

اِس مقالہ میں اِس سلسلۂ عالیہ کے اُن متاخرینِ مشائخ
کے حالات کا بیان ہے جو حضرت باقی باللہ سے پہلے
ہوئے ہیں، اور یہ مقالۂ اُولیٰ دو مقصد پر مشتمل ہے۔

مقصدِ اوّل

مقصدِ اوّل میں اُن بزرگوں کے حالات ہیں جو حضرت مولٰینا سعد الدین کاشغری قُدّس سِرُّہٗ سے نسبت رکھتے ہیں، اور یہ مقصد چار فصل پر مشتمل ہے۔

☆ فصلِ اوّل

فصلِ اوّل حضرت مولٰینا سعد الدین کاشغریؒ کے بعض ایسے اصحاب کے حالات کے بیان میں ہے جن کا ذکر ''رشحات'' میں نہیں ہے۔ اس فصل میں اُن لوگوں کے حالات بھی مذکور ہیں جنہوں نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ رحمہم اللہ

حضرت مولٰینا نور اللہ الاسفندانیؒ:

اِسفندان قہستان کے اضلاع کا ایک قریہ ہے مولٰینا اسفندانی حضرت مولٰینا سعد الدین کاشغری کے متبعین و اصحاب میں سے تھے۔ نیز حرم شریف میں اُنہیں شیخ

عبدالکبیر یمنی کی بھی صحبت رہی جو شیخ عبدالرحمٰن مصری کے مریدوں میں سے تھے مولانا اسفندائیؒ نے شیخ عبدالکبیر یمنیؒ سے بھی انوار و برکات کا اقتباس کیا۔ مولینا محمود قو اس علیہ الرحمۃ جو ان کے مریدوں میں سے ہیں۔ اِن کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ عبدالکبیر یمنیؒ نے حضرت مولینا اسفندائیؒ کے حق میں فرمایا:

''زود باشد کہ از مشرق و مغرب گوش بہ سخنِ اُو کنند''

(بہت جلد ایسا ہوگا کہ مشرق و مغرب والے ان کے گوش بر آواز ہوں گے اور ان کی طرف متوجہ)

اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ مولینا اسفندائیؒ نے فرمایا کہ میں نے ابھی ہدایت النحو کتاب بحر درات تک ہی پڑھی تھی کہ سنا کہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔

اور اللہ سے ڈرو اور وہ تمہیں علم سکھائے گا۔

تو میں اس کی بارگاہ میں تقویٰ سوال لے کر گیا۔ تو ایسا ہوا گویا میرے ذہن پر تمام علوم کی بارش شروع ہوگئی اور پندرہ پارہ تک قرآن مجید کی تفسیر مجھے ایک رات میں یاد ہوگئی اور فارسی میرے لئے اور بھی زیادہ آسان ہوگئی۔

نسمہ:

آپ کا ارشاد ہے مالیخولیا (خلل دماغ) کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ ہو اور نہ اُس کا کوئی جزو ہو۔ (اور پھر بھی انسان باوجود صحیح الدماغ ہونے کے پاگلوں کی سی حرکت کرے کہ اپنے خالقِ حقیقی کو فراموش کردے) آج حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو بھول جائے اور اپنی ذات کو درمیان میں لے آئے، خودنمائی میں گرفتار ہوجائے اور اپنی استعداد و قابلیت کو غیر ضروری کاموں کے عوض بیچ دے۔

نسمہ:

آپ کا ارشاد ہے تیس سال سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہمارے سامنے نہیں آتے اگر خدا اور رسول کی خاطر آتے تو اُن کے بُرے اخلاق اچھے اخلاق سے بدل جاتے۔

نسمہ:

حضرت مولینا محمود فرماتے ہیں کہ مولینا نور اللہ اسفندائیؒ سے میں نے اپنی حالِ زار کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا ''محبت ایں طائفہ علیّہ داری'' (تم بزرگانِ دین سے محبت کرتے ہو؟) میں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا ''ترا ہمیں بس است'' (تمہارے لیے یہی کافی ہے) یعنی اُن کی محبت آہستہ آہستہ تمہارے اندر اِن تکالیف کی برداشت پیدا کر دے گی۔ اس لئے کہ انہوں نے اِن سے زیادہ خراب حالات میں بھی کبھی شکوہ نہ کیا۔ وہ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام انصاری قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں:

''دوستی ایں کار عینِ ایں کار است ونزدیک ست کہ انکارِ ایں کار رازیں کار بود''

(اِس کام کی دوستی و محبت ایسی ہے جیسا خود یہ کام کرنا۔ اور قریب ہے کہ اس کام کا انکار اُس دوستی کے انکار کے باعث ہو۔ یعنی بزرگوں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے کی خواہش ہو گی تو اُن جیسا ہوتا جائے گا۔ اور اگر اُن کے پاس اُٹھنے بیٹھنے کو ہی پسند نہ کرے گا تو ایک وقت آئے گا اُن کی بزرگی کے انکار پر آمادہ ہو جائے گا)۔ حضرت مولینا عبدالغفور لاری قُدِّسَ سِرُّہٗ اِس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کام کا انکار اس کام کے تصوّر کو مستلزم ہے۔ واللہ اعلم

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا اسلام اُسے دنیا میں ناجائز باتوں سے نہ روکے کل

قیامت کے دن بھی اُس کا اسلام اُسے دوزخ کی آگ سے نہ بچائے گا۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا جو لوگ مسجد میں نماز کے لیے تو حاضر ہوتے ہیں لیکن اُن کا دل حاضر نہیں ہوتا وہ گویا اپنی کھال مسجد میں چھوڑ گئے ہیں اور خود باہر چلے گئے ہیں۔

نسمہ:

ایک دن آپ نے ایک شخص سے فرمایا تو ایک لمحہ میں اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے اور تیری عمر کے ستر سال گزر گئے تو نے اب تک خود کو نہ پہچانا۔

عمرِ حیات یکدم واز شوق پائے کوب　　　　شرمے نداشتی کہ بہ صد سال زیستی

(''زندگی کا طول تو ایک لمحہ ہے اِسے شوق ومحبت سے گزار۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ سو سال جی لیا'')۔

نسمہ:

ارشاد فرمایا کچھ وقت سے ہماری نظر قید خانہ کے اُس پار ہے۔ جو درد نہیں رکھتا، ایمان نہیں رکھتا، یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُور ہونے کا درد:

دردِ تو اے دوست درمانِ ہمہ
کفر یک موئے تو ایمان ہمہ

(''اے دوست تیرا درد ہی تیرا درمان وعلاج ہے۔ بال برابر تیرا کفر سارے کا سارا ایمان ہے'')

اِسی سلسلہ میں کچھ لوگ قصبۂ ازان سے آپ کی مجلس میں آئے۔ آپ وعظ ونصیحت فرمارہے تھے اور وہ غفلت وملامت کے باعث مائل بخواب تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

وگوں کی غفلت بھی بغیر فائدہ کے نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ جب اِس مجلس سے دُور ہوں گے تو شاید ایک دن اِس محفل کو یاد کریں کہ ہم کتنے غافل اور نالائق تھے کہ اللہ پاک کے کلام اور حضور ﷺ کی حدیث سے بھی بہرہ مند نہ ہوئے۔ یہ غمگین ہوں اور یہی درد اِن کا درمان بن جائے۔

حضرت مولینا محمود قواسؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عزیز سے پوچھا کہ ایک آدمی کلمۂ شہادت تو پڑھتا ہے لیکن شرعی اُمور از قبیل فرائض وواجبات مثلاً روزہ، نماز، زکوٰۃ بالکل نہیں کرتا۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ اُس عزیز نے جواب دیا: ''اُو مسلمانست قالبِ گور''۔ (''وہ مسلمان ہے تالبِ گور'') یعنی زندہ ہے اور نہیں بھی کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

حضرت مولینا نور اللہ اسفندائیؒ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ایک دانشمند پر سکراتِ موت کا عالم طاری تھا۔ میں اُس کے سرہانے آیا۔ وہ کفر بک رہا تھا **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا** (ہمیں اللہ تعالیٰ اِس سے پناہ میں رکھے)۔ لوگوں نے اُسے تلقینِ شہادت کی لیکن اُس نے انکار کیا اور کہنے لگا اِسلام تو عارضی تھا لوگوں نے قبول کرلیا۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَسَلْبِ الْاِیْمَانِ۔

اللہ ہمیں اسلام سے پھر جانے اور سلبِ ایمان سے محفوظ رکھے۔

اُس کے دل میں یہی بات آئی۔ ممکن ہے اُس نے اُس عالم سے قطعِ نظر بھی کرلیا ہو اور اُس کے باطن میں فاسد اعتقادات بھی چھپے ہوئے ہوں۔ یعنی فرقۂ ناجیہ (جس وقت کی نجات ہوگی) کے عقیدہ کے خلاف اُس نے عقیدے اپنے باطن میں چھپا رکھے ہوں گے اگرچہ ظاہر میں وہ اُن جیسا بنتا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولٰینا علاء الدین علی کرمانی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولٰینا سعد الدین کاشغریؒ کے کبارِ اصحاب میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کی ارواح کو راحت و آرام میں رکھے۔ عالمِ صُوَرِی سے پورا حصہ ملا تھا۔ ظاہری علم خوب رکھتے تھے۔ حضرتِ مخدوم مولٰینا جامی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی لطف و کرم کی صحبتیں بھی انہیں حاصل رہی تھیں۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ سے برکات اخذ کرنا خود ان کے مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

حضرت مولٰینا عبدالغفور لاریؒ نے نفحات کے تکملہ میں حضرت مخدوم ملا ذی قُدِّسَ سِرُّہٗ السامی کے کچھ تصرفات بیان کیے ہیں۔ حضرت مخدوم حضرت مولٰینا علاء الدین علی کرمائیؒ کے مرید اور حضرت سے اس سلسلہ کی تلقین کے مجاز تھے۔ اس بیان میں انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت مولٰینا کی کتنی عزت و توقیر تھی۔

ایک بار آپ زیارتِ حرمین شریفین کے شرف سے مشرف ہوئے اور پھر سالہا سال وہیں تزکیۂ باطن میں مصروف ہوئے اور پھر مراجعت فرمائی۔ دوسری بار آپ سکونت کے اِرادہ سے مع متعلقات تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر میرزا سلطان حسین انار اللہ بُرہانہٗ نے اپنے صاحبزادگان اور امراء کو حضرت مولٰینا علاء الدین علی کرمائیؒ کی توقیر و تعظیم کے بارے میں اس طرح لکھا کہ اس وقت جناب ہدایت مآب، حقائق مناب، افادت شعار، ارشاد پناہ، معارف دستگاہ، اصحابِ تجرید کے راہنما اور اربابِ تفرید کے لئے نمونہ و مثال، شریعت، طریقت اور حقیقت کے جامع مولٰینا علاء الحق والملۃ والدین اُدام اللہ برکاتہٗ کہ جن کے مبارک اوقاتِ اور جن کی زندگی علوم کی باریکیوں میں گزری ہے۔ بیت اللہ کی مقدس سرزمین میں کچھ سال مصروفِ تزکیۂ نفس رہنے کے بعد شوق کے باعث دوبارہ عازمِ حجاز

ہیں اور حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف موڑ لیجیے، پ۲، ع۲) کے بموجب اِس سفر کا ارادہ فرمایا ہے اور قَبِّلُوْا يَمِيْنَ اللّٰهِ وَزَادُوْا اَمِيْنَ اللّٰهِ۔ (اُنہوں نے حجرِ اسود کا بوسہ لیا ہے اور مکہ مکرمہ کی زیارت کی ہے[1]) کے شرف سے مشرف ہوئے۔ لہٰذا شاہزادۂ معظم اور ممالکِ محروسہ کے نامدار امراء گذرگاہوں کے محافظ اور باج وخراج کے مستجیر ان کے ساتھ انتہائی احترام وتوقیر کا سلوک کریں اور اُن کو اُن کے معتقدین کو سلامتی کے ساتھ گزاریں۔ چناں چہ جب حضرت مولینا حرم شریف پہنچے تو حرمِ محترم زَادَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى شَرَفًا (اللہ تعالیٰ اُس کی بزرگی میں زیادتی فرمائے) کے مجاور آپ کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ حضرت مولینا آخر عمر تک اسی مقدّس جگہ قیام پذیر رہے۔ یہاں کہ یہیں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آخر عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے اور صاحبِ دوایرؔ فرماتے ہیں کہ اس سلسلۂ عالیہ کے بعض مخلص بزرگوں کا حضرت مولینا کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ آپ اپنے وقت کے قطب ہیں۔ اور ایک دوسرے فاضل نے لکھا ہے کہ میں حضرت مولینا کے دیدار کے لیے گیا تو دیکھا کہ اُنہوں سے حضرت شیخ نظامیؒ کی مخزن الاسرار کا تتبع اختیار فرمایا اور اُسے تکمیل تک پہنچایا ہے۔ آپ حرمین شریفین کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کتاب میں متعدد معارف و حقائق درج فرمائے ہیں۔ حضراتِ صوفیہؒ کی اصطلات کے بیان میں حکیم ثنائیؒ کے طرز پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ یہ بیت اُسی مثنوی کا ہے:

ایں جہاں یافتہ نمو اَز تو　　بہ عدم تہمتِ وجود اَز تو

(اس جہاں نے تجھ سے نمو پایا۔ عدم سے وجود میں آنے کی تہمت بھی تجھ سے پائی)

---

[1] حدیث میں حجرِ اسود کو یمین اللہ فرمایا گیا ہے اور قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو البلد الامین کا لقب دیا گیا ہے۔ (اشرف)

حاجی عبدالعزیز جامی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی حضرت مولینا سعد الدین کاشغریؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولینا جامی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی قبر شریف بھی آپ کے جدِّ امجد کی قبر کے نزدیک ہے۔ مخدوم فخر الانام حضرت مولینا عبدالرحمٰن جامی قُدِّسَ سِرُّہٗ السّامی کی نمازِ جنازہ کی آپ نے امامت فرمائی۔ سفرِ حجاز پر بھی تشریف لے گئے تھے اور اس سفر میں آپ کے ساتھ بڑے چھوٹے بہت بڑی تعداد میں تھے۔ مشہور ہے۔ اور جیسا کہ صاحبِ دوائرؒ نے بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں جب آپ کا گزر تبریز سے ہوا ایک دن مطرب نے یہ شعر پڑھا:

پیرہن ہستیم از تنِ من برکنید
پوست بمن من چہ کنم پیرہن

(میری ہستی کے پیرہن کو میرے جسم سے اُتار دیں میں دل کے علاوہ چمڑا رہ جاؤں گا، مجھے قمیص کس کام)

یہ شعر سننا تھا کہ حاجی عبدالعزیز جامیؒ زمین سے دس گز اچھل پڑے۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے زانوئے ادب طے کیا اور باادب تشریف فرما ہوئے۔ غالباً حضرت خواجہ کو ادائے نوافل میں مشغولیت کے دوران وہاں کچھ مشاہدہ ہوا۔

آپ جب سفر سے جام واپس لوٹے تو بابا صدر ابدال جو مجذوب تھے جام سے حضرت مخدوم جامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔ بابا صدر نے کہا جام سے شیخ عبدالعزیز جامیؒ کی خدمت سے۔ حضرت مخدوم نے پوچھا کہ جو شیخ مکہ شریف سے آئے ہیں اور بہت نمازیں پڑھتے ہیں۔ بابا صدر نے کہا کہ مکّہ سے کوئی ایسا بھی آتا ہے جو بے نمازی ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ہوش میں

قبر ڈھکنے کے لیے تیرے پاس پتھر کم یعنی تیری نیکیاں کم ہیں۔

نسمہ:

اور ان کا یہ ارشاد بھی وہی نقل کرتے ہیں کہ سایہ میں نہ سو یعنی ساری رات کو نیند میں نہ گزار دے بلکہ راتوں کو جاگا کر اور فرمایا لایعنی باتیں نہ کیا کر یعنی جو ذکرِ حق نہ ہو اُسے چھوڑ دے۔ وہ لایعنی ہے۔

نسمہ:

اُنھی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں کہتا ہوں کرامت کیا ہے۔ جھوٹ نہ بول۔ اس کے علاوہ جو تو کہے وہی کرامت ہے"۔

مولٰینا محمد جامی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مخدوم جامیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور حضرت مولٰینا سعد الدین کاشغریؒ کے منظورِ نظر مرید **رَوَّحَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ** (اللہ اُن کی ارواح کو راحت و آرام میں رکھے) حضرت مخدومؒ کے انتقال سے چند سال پیشتر وفات پائی اور انہوں نے اس کا مرثیہ لکھا جو حضرت کے دیوانِ اوّل میں موجود ہے۔

حضرت مخدوم جامیؒ نے "نفحات الانس" کے دیباچہ میں اسے خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ حضرت مولینا علی شیرؒ نے اپنے تذکرہ میں حضرت مولینا محمد جامیؒ کے مختلف ظاہری کمالات و باطنی معارف کی تعریف کے بعد فرمایا کہ آخر وہ حضرت مخدوم کے لائق بھائی تھے۔ اور یہ رُباعی اُنھی کی ہے:

ایں بادہ کہ من بے تو بہ لب می آرم
نے از پئے شان و نے طرب می آرم

۔ان بزرگوں سے ریا سے نہ ملو کہ اگر لب کو جنبش دیں تو خدا کو معلوم ہو جائے۔ بابا صدر نے کہا اگر لب کو جنبش نہ بھی دیں تو خدا جانتا ہے۔

بابا صدر ابدال مولینا جمال کی ملاقات کے لیے بھی گئے تھے۔ مولینا نے بابا ابدال سے ملاقات میں پوروں سے مصافحہ کیا۔ جب اُن سے نصیحت کرنے کو کہا گیا تو مولینا نے کہا جمعہ کے دن میں جامع مسجد میں وعظ کرتا ہوں۔ وہاں آؤ اور سنو۔ بابا ابدال نے کہا میں آپ کو سمندر سمجھتا تھا۔ آپ تو ایک چھوٹا سا چشمہ بھی نہ نکلے۔ کبھی پیغمبر ﷺ نے بھی اس طرح انگلیوں کے پوروں سے مصافحہ کیا ہے۔ آپ سے کوئی اگر نیکی کی بات پوچھے تو آپ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن وعظ کرتا ہوں۔ کیا آپ کو یقین ہے جمعہ تک میں اور آپ زندہ رہیں گے۔

نسمہ:

مولینا محمود قواس قدِّس سرُّہٗ ان بابا صدر ابدال کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی ان کے سامنے کہتا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے تو یہ کہتے۔ ''خوب شو کہ چناں شوذ''۔ (اچھا ہو کہ ایسا ہوا) اور اگر کوئی کہتا میں نے یہ کام نہیں کیا تو یہ کہتے ''خوب شو تا نشوذ'' (اچھا ہو کہ ایسا نہ ہوا) یعنی جب خدا نے چاہا ہوا جب نہ چاہا نہ ہوا۔

نسمہ:

مولینا مذکور ہی کو نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ اتنا زیادہ نہ کھاؤ یعنی اس پوری دنیا میں ہر ایک کو ایک نظر معاف ہے اور انتہائی ضروری شئی کے علاوہ اشیاء میں تصرّف ممنوع۔

نسمہ:

مولینا ہی ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دیہات کے ایک غلّہ فروش سے کہا۔ اتنا چو کنّارہ اور اتنی دانشمندی دکھا کہ گویا کوتوال آیا ہوا ہے یعنی تیری موت قریب اور

زلف سیہ تو روزِ من کرد سیاہ
روز سیۂ خویش بہ شب می آرم

(یہ شراب جو میں تیرے بغیر لب تک لا رہا ہوں کسی شان یا طرب وخوشی سے ایسا نہیں کرر ہا بلکہ تیری زلفِ سیاہ نے میرے دن کو سیاہ کردیا ہے۔اپنے سیاہ دن کو شب میں لا رہا ہوں)

حضرت مولانا محمد روجی رحمۃ اللہ علیہ:

مولینا امیر علی شیرؒ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ مولینا محمد روجی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولینا سعد الدین کاشغریؒ کے مرید تھے اور بہت سے طالبانِ طریقت کے مرشد ومقتدیٰ۔آپ کبھی کبھی شاعری کی طرف بھی التفات فرماتے تھے۔یہ مطلع آپ ہی کا ہے:

من عاشق و شوریدہ و مستم چہ تواں کرد
دل دادہ و جاں برکفِ دستم چہ تواں کرد

(میں عاشق و دیوانہ ومست ہوں۔اب کیا ہو۔میں نے دل دے دیا ہے اور جان اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہوں۔اب کیا ہو)

حضرت مولٰینا پیر علیؒ، حضرت حافظ اسماعیلؒ، حضرت مولٰینا احمد کاریزیؒ، مولٰینا جامی مزاریؒ اور میر کلان حقارویؒ صاحب دوائرؒ نے ان پانچ بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حضرت مولینا سعد الدین کاشغریؒ کے یارانِ صاحبِ احوال میں سے تھے۔

قُدِّسَ سِرُّہٗ

امیر رنگیز رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی حضرت مولانا سعد الدین کے مرید کارکرد تھے۔صاحبِ دوایر نے لکھا ہے

کہ اُن کے اور مولینٰا عبدالغفور لاریؒ کے درمیان صحبتیں اور رابطے رہے تھے۔ مولینٰا ناصر رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکرِ شریف اس کتاب میں انشاء اللہ آئے گا ان کے مریدوں میں سے تھے۔

امیر کلان حقارونی رحمۃ اللہ علیہ بھی مولینٰا سعد الدین کے اصحاب ذوی الاحوال میں سے تھے۔ آپ کی جائے پیدائش و جائے رہائش حقارون تھی کہ ہرات سے ایک فرسنگ (تین شرعی میل) کے فاصلہ پر ایک دیہات ہے۔ حضرت امیرؒ کی جائے پیدائش بھی یہی تھی اور جائے دفن بھی یہی۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ متبرک خرقہ جس کی نسبت حضرت رسالت پناہ ﷺ کی طرف ہے آپ ہی کے گھر میں تھا۔ آپ سے یہ تبرک آپ کے خلیفہ میر محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کو ملا اوران کے پاس رہا۔ اُن کے یہ خلیفہ حال وقال کے جامع تھے۔

مولینٰا زین الدین محمود کمانگر بہدانی رحمۃ اللہ علیہ مولینٰا نور اللہؒ کے کامل خلفاء میں سے تھے۔ اور علومِ ظاہر و باطن کے جامع۔ جن بزرگوں نے حضرت مولینٰا سے استفادہ کیا اُن سے اُن کے ملفوظات سُن کر جمع کیے اور بہت سی مفید باتیں جو انہوں نے تحریر فرمائیں (اللہ تعالیٰ ان کو ہم سب کی طرف سے جزا دے) ہمارے لیے بیان کیں فرماتے ہیں مجھے جب طلبِ علم کا خیال دامن گیر ہوا تو میں حضرت مولینٰا نور اللہ قدِّس سرُّہٗ کے پاس حاضر ہوا تاکہ آپ سے اجازت حاصل کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم نے اپنے چچا سے تجربہ حاصل نہ کیا۔ جو چیز اُس کی عقل کو صحیح نہیں معلوم ہوتی وہ قبول نہیں کرتا (گویا عقل ہی صحیح، غلط کا معیار ہو) تم تمہارے عزیز واقربا میں سے کتنے ایسے اشخاص ہیں جو پڑھ لکھ کر دانشمند ہوگئے کہ تم کو اُس طرح بننے کی خواہش ہے۔ جب مولوی ہوگئے تو یا تو صدر بن گئے یا پھر قاضی یا مفتی اور آج کل کے قاضی وصدر ومفتی خود یہ کچھ اور وہ کچھ کرتے ہیں۔ جب

حضرت اپنی گفتگو ختم فرما چکے تو میں نے عرض کیا کہ خدا جانتا ہے اور آپ پر بھی یہ عیاں ہے کہ میرا مقصد ان تمام چیزوں اور عہدوں میں سے کسی کا حصول نہیں بلکہ میرے حصولِ علم کا مقصد تو یہ ہے کہ اللہ پاک کا کلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث عربی زبان میں ہے۔ میں چاہتا ہوں اُس کے معنی سمجھوں تا کہ اس پر عمل کروں۔ یہ سُن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اگر نیت تو این است برو بخواں اگر بیشتر ا بخوانی ضرر نکند''۔

(''اگر تیری نیت یہ ہے تو جا اور پڑھ۔ تو جتنا زیادہ پڑھے گا تجھے نقصان نہ ہوگا'')

میں نے عرض کیا کس سے پڑھوں۔ فرمایا مولٰینا غیاث الدین احمد سے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ نہ ہوں۔ فرمایا کسی دوسرے سے نہ پڑھ۔ میں ان حدود میں ایسا عالم نہیں پاتا جس کا علم اُس کے عمل کے مطابق ہو اور اُس کا شاگرد اُس سے بہرہ مند ہو۔ آپ نے اس کے بعد مولٰینا رومیؒ کے یہ اشعار پڑھے:

علمہائے اہلِ دل حمّال شاں
علمہائے اہلِ تن عمال شاں
علم اگر بَر دِل زند یارے بود
علم اگر برتن زند مارے بود

(اہلِ دل کا علم اُنہیں اُٹھاتا، اونچا کرتا ہے اور اہلِ تن اپنے علم کو بوجھ کی طرح اُٹھائے لیے پھرتے ہیں۔ علم اگر دل کی اصلاح کے لیے ہو تو یار (دوست) ہے۔ اگر تن کے لیے ہو تو مار (سانپ)۔

چناں چہ حضرت مولٰینا نور اللہ کے ارشاد کے مطابق میں تحصیلِ علم کی غرض سے مولٰینا

ا اصل فارسی نسخہ میں یہاں ''اگر بیشتر بخوانی ضرر کند'' ہے جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ تقاضائے کلام یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو۔ ''اگر بیشتر بخوانی ضرر نہ کند'' (واسطی)

غیاث الدین احمدؒ کے پاس چلا گیا اور علم حاصل کرنے لگا۔ مولینا غیاث الدین احمدؒ کا ذکر شریف انشاء اللہ عنقریب آئے گا۔ علمِ ظاہر کے مطالعہ کے دوران علمِ باطن سے بھی غافل نہ رہا۔ انہی طالبِ علمی کے ایّام میں ایک مرتبہ میں نے حضرت مولینا عبدالغفور لاری علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کسی نے اگر دورانِ مطالعہ خود کو نہ دیکھا تو کچھ نہ سمجھا اور اگر پوری طرح اپنی طرف لگا رہا تو مقصودِ حقیقی سے غافل رہا۔ پس وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا:

"اگر نیت دے دراں مطالعہ بخیر ست بآں مقدار کہ مشغول ست معذور است واگر بہرہَ خود فقط از مطالعہ برداشت واز مقصودِ حقیقی غافل ماند معذور نیست"۔

(اگر مطالعہ میں اُس کی نیت نیک ہے تو جتنا وہ مشغول ہے معذور ہے۔ اور اگر مطالعہ سے محض اپنا حصہ اُٹھا رکھا اور مقصودِ حقیقی سے غافل ہوگیا تو وہ معذور نہیں ہے)

الغرض یہ کہ تھوڑی ہی مدّت میں آپ نے مولینا غیاث الدین احمدؒ سے بہت کچھ حاصل کرلیا۔ پھر اپنے سرکار کے پاس گئے اور پہنچے کہ جس مقام تک پہنچے۔ کہتے ہیں کہ مولینا کی خدمت کے دوران فقر وغنا اور بے تعینی میں انہوں نے اپنی خاص شان قائم رکھی۔ اس کے باوجود کہ وہ بڑے بڑے امراء وفقراء کا ٹھکانا تھا۔ آپ نے اپنی کمان گری کی حرفت کو نہ چھوڑا اور اپنے اور اپنے اہل وعیال کی روزی اِسی کمان گری کی حرفت سے حاصل کرتے تھے۔ اگر کوئی سونا، چاندی بطورِ ہدیہ آپ کو پیش کرتا۔ آپ ایک کمان اس کو پیش فرما دیتے اور اُس کمان کی قیمت کے طور پر اُسے قبول فرماتے۔

فقراء سے خلوص رکھنے والے نصیر الدین محمود ہمایوں بادشاہ **اَنَالَہُ اللّٰہُ بُرْھَانَہٗ** کو جب ہندوستان میں شکست ہوئی اور وہ عراق کی طرف چلے گئے اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ دوبارہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے تو مولینا نے اُن کے حق میں دعا فرمائی۔

''پادشاہِ ما مردِ بدنیست۔ بہ درویشاں خلاص دارد۔ دُور نیست اگر حق سبحانہ وتعالیٰ یک بار ہندرا باو بدہد۔ اُتا اگر سالے چند خداش بگذارد''۔

(''ہمارا بادشاہ بُرا آدمی نہیں ہے۔ درویشوں کے ساتھ خلوص رکھتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایک بار پھر ہندوستان کی سلطنت اسے عنایت فرمادیں گے مگر دیکھیں اگر اللہ تعالیٰ اسے چند سال چھوڑ دے اور زندہ رہنے دے'')

چناں چہ ہمایوں بادشاہ نے ہندوستان کو فتح کیا لیکن اُس کے بعد وہ ایک سال بھی زندہ نہ رہا۔

جامع ملفوظات فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰنا نے پیش گوئی کی تو میرے دل میں خیال گزرا کہ بادشاہ کا لشکر تو بہت تھوڑا ہے پھر بھلا بادشاہ کیوں کر مقابلہ کرے گا۔ حضرت مولیٰنا نے نورِ فراست سے میرے دل کی بات کو جان لیا اور فرمایا:

''بنابر آنکہ اُو نافع المسلمین است خدا ایش فتح خواہد داد''۔

(''اس بناء پر کہ وہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔ خدا اُسے فتح عنایت کرے گا'')

آپ کے ملفوظات میں یہ واقعہ بھی ہے کہ بادشاہ کو حضرت مولیٰنا کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا۔ مولیٰنا نے جب سنا تو فرمایا ''مرا بدیدنِ ایشاں رفتن رفعِ تعیّن بود'' (میرا ان کی ملاقات کے لیے جانا رفع تعیّن ہے)۔ آخر بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کی روح پاک کی ضیافت کا اہتمام کیا اور مولیٰنا سے التماس کی۔ اس مجلس میں تشریف لائیں۔ حضرت تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے اُس محفل میں خود حضرت مولیٰنا کے ہاتھ دھلوائے اور وہ رباعی پڑھی جو حضرات اولیاء اللہؒ کے مزاج کے مطابق ہے۔ حضرت مولیٰنا نے اُس رُباعی میں اصلاح فرمائی اور بادشاہ نے وہ اصلاح قبول کی۔ وہ رُباعی یہ تھی:

مائیم صفات حیِّ مختار ودود!

ظاہر شدہ در آئینۂ ہر موجود
چوں نیست بہ جُز وجود اصلاً موجود
مافرع وجودیم و خدا اصل وجود

مولینا نے پہلے مصرع کی اس طرح اصلاح فرمائی:

مائیم صفاتِ از ماست صفاتِ فرمود

اور تیسرے اور چوتھے مصرع کی اس طرح:

چوں نیست بجز وجود اصلاً موجود
ما عارض اُو کشتہ خدا عین وجود

حضرت مولینا اور بادشاہ کے مصرعوں میں فرق ظاہر ہے۔ ہر ایک کا اپنا طریقہ اور انداز ہے۔ اس کی تحقیق راقم الحروف کے ذہن میں آئی مگر اس وقت میں اُس کی تشریح کی گنجائش نہیں دیکھتا۔ جو شعر کے حُسن سے آشنا ہیں اُنہیں سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

نسمہ:

اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہ **بَرَکَۃُ الْعِلْمِ فِیْ تَعْظِیْمِ الْاُسْتَادِ**۔
(''علم کی برکت اُستاد کی تعظیم میں ہے) حضرت نے فرمایا:

''باید کہ شاگرد خود را ہماں جاہلِ شناسد کہ روزِ اوّل نزدِ اُستاد آمدہ بود و دادند کہ ہر چہ پیدا کردہ بود از اُستاد ست تا برکات آں تعلیم بروزگار از وی بماند''۔

(''شاگرد کو چاہیے خود کو ہمیشہ ایسا جاہل سمجھے گویا وہ پہلے روز اُستاد کے پاس آیا ہے۔ اور یہ سمجھے کہ جو علمی فائدہ بھی اُسے پہنچا ہے اُس استاد سے پہنچا ہے تا کہ اس تعلیم کی برکات زندگی میں اُس کے ساتھ باقی رہیں) اور فرمایا:

''و بہ اُستاذِ خود بے حیائی و بے ادبی عاید کہ دراں خوفِ زوال ایمان ست چہ او

بن خلیفۂ رحمان بعت و اہانتِ اودر حقیقت اہانتِ سیّد انس و جان ستﷺ"۔

("اور اپنے استاد کے ساتھ بے حیائی و بے ادبی کا معاملہ نہ کرے کہ اس میں ایمان زائل ہونے کا خطرہ ہے اس لیے کہ استاد اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کا جانشین ہے اور اُس کی بے عزّتی درحقیقت سیّد انس و جانﷺ کی بے عزّتی اور اہانت کرنا ہے")

اس سلسلے میں آپ نے حضرت مولیٰنا معین الدین کی حکایت نقل کی جو میسر سیّد شریف جُرجانی کے اُستادوں میں سے تھے اور عالمِ ربّانی تھے (دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) اور آپ کے شاگردوں میں سے ایک نے ایک ناپسندیدہ بات آپ کی طرف منسوب کی۔ جب آپ نے سنا تو فرمایا:

"اگر است گفتہ چہ گویم واگر دروغ گوید رسوائی مرد وزن شود"۔

("اگر اس نے سچ کہا تو میں کیا عرض کروں لیکن اگر جھوٹ کہا تو مخلوق کے سامنے رسوا ہوگا")

ابھی اس بات کو چالیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ اُس کی پیشانی پر کوڑھ کے آثار ظاہر ہوئے۔ کچھ روز اُس نے دستار ٹیڑھی کر کے پہنی جب یہ کوڑھ بڑھ گیا تو اب اس کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔

اُستادوں کے ساتھ شاگردوں کے غیر پسندیدہ روّیہ کی اصلاح کے سلسلہ میں انہوں نے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک لوہار درویش کی دوکان پر ہمارا گزر ہوا۔ کہ وہ پھاوڑے پر پڑتی ہے یا ایرن پر یا ہتھوڑے پر باقی لوگ خاموش رہے۔ میں نے عرض کیا پھاوڑے کی کجی پر۔ انہوں نے میری پیشانی چومی اور فرمایا تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔ تو نے اچھا کہا اور اسی سلسلے میں فرمانے لگے کہ میرے بیس شاگردوں نے مجھ سے بے ادبی کی۔ سب جوان مرے اور ان میں کوئی بھی اپنی مراد کو نہ پہنچا۔

اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا آدمی کو چاہیے کہ جو کچھ اُس کے پاس ہے اُسے خدا کی طرف سے جانے کہ اُس کا عطیہ ہے اور اپنی اصل حقیقت اُسی نطفہ کو سمجھے جس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا: خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ (وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا) پ ۳۰، ع ۱۱

نسمہ:

ارشاد فرمایا وہ لوگ جو مخلوقِ خدا کو نصیحت کرتے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر شریعت ہے اور جو کچھ نہیں کہتے۔ وہ ہر چیز کو خدا کی طرف سے جانتے ہیں اور دم نہیں مارتے۔

نسمہ:

فرمایا یہ ایسا زمانہ ہے کہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرو۔ ایک مرتبہ ہم کچھ بے نمازوں کے ساتھ تھے۔ بعض نمازیوں نے مجھ سے کہا کہ ان بے نمازوں کو تلقین کریں۔ میں نے کہا اگر میں کہوں اور وہ قبول کرلیں فبہا ورنہ کافر ہو جائیں گے۔ ہمارا بدکاروں کے ساتھ ہونا اس سے بہتر ہے کہ ہمارا اور کافروں کا ساتھ ہو۔

نسمہ:

فرمایا جو بزرگوں کی بات کی پاسداری کرتا ہے۔ وہ میدان میں سبقت لے جاتا ہے۔ اگر یہ بزرگ ہنسی میں بھی کوئی بات کہیں تب بھی غور سے سنو جیسا کہ عارف رومی قدِّس سرُّہٗ نے فرمایا۔ مثنوی:

ہر جد سے ہزل ست پیشِ مرد ماں
ہز لہا جد ست نزد عاقلاں

(ہر سنجیدہ بات بھی بزرگوں کی نظر میں ہنسی کی بات ہی کی طرح ہے۔ لیکن عقلمندوں کے نزدیک اُن کی ہنسی میں بھی کام کی بات ہوتی ہے)۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ واقعہ

بیان فرمایا کہ ایک ابدال حضرت مولینٰا نور اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ آپ نے ہنسی کے طور پر اُن سے کہا کہ سنجاب (چوہے سے بڑا ایک جانور) کی کھال کی پوستین اپنی پُشت پر رکھ کر بازار میں نکلیں۔ اُن ابدال نے ایسا ہی کیا۔ بازار میں لوگوں نے دیکھا تو اُن پر ہنسنا اور اُن کے ساتھ مسخرہ پن کرنا شروع کر دیا۔ ان ابدال نے حضرت مولینٰا نُور اللہ کی ہنسی کی بات پر بھی پوری سنجیدگی سے عمل کیا۔ اور اُس بات کی روح سے اپنا حصہ پایا۔ جب ان ابدال کا انتقال ہوا۔ تو مولینٰا نے فرمایا کہ وہ اہلِ توحید و صاحبِ کمال تھے حالاں کہ ہماری تربیت کے محتاج نہ تھے۔ پھر بھی ہمارا اس قدر اتباع کیا۔

نسمہ:

فرماتے ہیں کسی نے ہم سے کہا ان صوفیہ کے اقوال کا مطالعہ نہ کیا کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا ان بزرگوں کے ساتھ میرا ایسا اعتقاد نہیں کہ اُن کی باتیں مجھے گمراہ کر دیں گی۔ بلکہ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ جو یہ باتیں سنتا ہے۔ سیدھا راستہ پا لیتا ہے۔

نسمہ:

فرمایا جس کسی کا مقصود بھی خدائے عز و جل کی ذات کے سوا کچھ اور ہے۔ اُس کے لیے درویشی کا کوئی حصہ نہیں۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ بے نصیب نہ ہو، اُسے چاہیے اپنے لیے ریاضت اختیار کرے اور نفس کی خواہشات سے بچے۔ اپنے آپ کو تمام چیزوں سے فارغ کرے اور اس کے بعد ایک عزیز (مرشد) کی ہمنشینی اختیار کرنے میں جلدی کرے اور یہ شعر پڑھا:

تا کردہ وی آنچہ ترا فرمودند
ورنہ کہ زد ایں۔ در کہ درش نکشودند

(جب تک کہ تو وہی کچھ نہ کرے جو وہ تجھ سے فرماتے ہیں تو دروازہ کھولنے کو کہے وہ نہ کھولیں گے) فرمایا کہ لایعنی باتوں کو چھوڑنے میں اگرچہ وقتی بے مزگی ہے لیکن وہ تلخی کے محل سے بعید ہے۔

نسمہ:

فرمایا کہ دیکھو آج یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص اگر خدا کو حاضر و ناظر نہ جانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ جانتے ہوئے بھی گناہ کرے تو گویا حق تعالیٰ کو حقیر جان رہا ہے اور پھر خود وہی اس کا جواب دیا۔ کہ بندہ کو گناہ کا ارتکاب کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا حضور نہیں رہتا۔ اُس پر غفلت ونسیان طاری ہو جاتا ہے اور اسی لیے اُس سے گناہ صادر ہوتا ہے۔ وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ غافل ہو جاتا ہے۔ اگر یوں نہ کہا جائے تو مشکل درپیش ہوگی اِس لیے کہ حضراتِ اولیاء کرامؒ سے بلکہ حضرات انبیاء علیہم السّلام سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔

نسمہ:

فرمایا اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کو اُس سے کتنی محبت ہے۔ اسے چاہیے کہ اس پر غور کرے کہ اُسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے کتنا تعلق ہے۔ اگر وہ یہ تعلق پائے تو سمجھ لے کہ خدا بھی اسے چاہتا ہے اور انسانوں کی دوستی ومحبت کا بھی اسی طرح اندازہ لگائے۔

نسمہ:

فرمایا اگر کوئی خود کو جاننا اور پہچاننا چاہے تو قرآنِ کریم میں مسلمانوں، منافقوں اور کافروں کی جو صفات بیان کی گئیں ہیں۔ اُن کا مطالعہ کرے کہ خود میں اُن میں سے کونسی صفات موجود ہیں۔ اگر مسلمانوں والی صفات ہوں تو اللہ پاک سے اُن پر ثابت قدم رہنے کی دُعا کرے۔ اگر منافقوں والی صفات ہوں تو توبہ کرے اور مغفرت مانگے اور اگر

روں کی صفات ہوں تو ایمان کی تجدید کرے اور مستقبل میں اُن چیزوں سے باز رہے۔

نسمہ:

ایک شخص نے جب آپ سے اپنی شکستہ حالی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

"بابا غمِ پیغمبر ﷺ توفیق خواندن کلمہ توحید نیافت و تو بعد از نہ صد سال گوئیندۂ ایں کلمہ باشی۔ دیگر چہ می خواہی"۔

(میاں۔ حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کو تو کلمۂ توحید پڑھنے کی بھی توفیق نہ ہوئی اور تم نوسو سال بعد بھی یہ کلمہ پڑھنے والے ہو۔ آخر اور کیا چاہتے ہو) اور پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

تو از من چند لیلیٰ جوئے باشی
بہ آں باشد کہ لیلیٰ گوئے باشی

تو مجھ سے کب لیلیٰ کی طلب کرے گا بہتر یہ ہے کہ تو خود لیلیٰ کہنے والا ہو جائے۔

نسمہ:

فرمایا تم لوگ کلمۂ شہادت پڑھنے والے ہو اور اداء احکام کے پابند جیسے نماز، روزہ، حج اور اسلام اور حلال کا اختیار کرنا اور حرام سے بچنا اور سامنے نہ کوئی بالکل کامل ہے نہ مکمل ظاہر تو شریعت کو نہ چھوڑو کہ کسی کو اگر کچھ ملایا اگر کوئی بزرگوں کے درجہ کو پہنچا تو اسی طرح کہ راتوں کو جاگا۔ فرائض ادا کرنے میں وقت گزارا۔ نیک اور عقلمند لوگوں کی صحبت اختیار کی اور بیگانوں اور جاہلوں کی صحبت سے بچا جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ○

(اور جاہلوں سے روگرانی فرمایئے) پ۹، ع۱۴

نسمہ:

فرمایا اگر کوئی اہلِ طریقت کی روش اور بزرگوں کی باتوں کے بارے میں اپنے خول سے باہر نہ آسکے تو اس کے بارے میں کوشش شروع کرنا عبث اور بے فائدہ ہے اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی باتوں کی سمجھ اور ان کی کرامات کے احوال کا فہم نہ دیا ہو تو اس کے سامنے اولیاء کرامؒ کی باتیں اور ان کے باطنی احوال نہ ظاہر کرنے چاہئیں۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ٥

(تم وہ کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے) پ ۲۸، ع ۹

نیز تکلف و بناوٹ کے ساتھ بھی سالک کو باطنی احوال آشکارا کرنے سے بچنا چاہیے اگر بغیر کوشش و اختیار ظاہر ہو جائیں تو حرج نہیں۔ اور یہ اُسکے حق میں مانعِ فیض نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں آپ نے حضرت شیخ سرّی سقطی قُدّس سِرُّہٗ کا یہ قول نقل فرمایا:

مَنْ تَزَيَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ سَقَطَ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

(''جو لوگوں کے سامنے ایسی زینت کے ساتھ آیا جو زینت اس شخص میں درحقیقت موجود نہیں ہے تو وہ حق تعالیٰ عزّ وجل کی نگاہ سے گر گیا'')

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہلے اپنا کرتہ بھیجا تا کہ بینا اور آنکھوں والے ہو جائیں۔ جب اُسے دیکھیں تو پہچان لیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ عزّ وجل نے اپنے بندوں کے پاس پہلے قرآنِ مجید و فرقانِ حمید بھیجا۔ تا کہ اُس کی نشانی دیکھیں اور اُس راہ پر چل پڑیں، تا کہ جب اُسے دیکھیں تو خدا کو

پہچانیں۔

نسمہ:

آپ نے ارشادفرمایا اتباع سنت ظاہر کا عمل ہے جو باطن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سنتوں میں سے ہر سنت کا ظہور باطن میں ایک نور اور روشنی پیدا کرتا ہے۔مخلوق سے قطعِ نظر کہ وہ اسے کس رنگ میں لیتی ہے سنت ذہن کو صاف کرتی ہے پس انسان کو نظر اپنے باطن پر رکھنی چاہیے۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا جب کسی پر حق تعالیٰ کی ذات کی تجلی ہو تو وہ مرتبہ جمع میں پہنچتا ہے اور مرتبہ جمع یہ ہے کہ اُس سے رفعِ تعینات ہو جائے اور اس مرتبہ میں یہ شخص خود کامل ہے لیکن دوسروں کے لیے مکمل نہیں اور جب وحدتِ ذات اُس پر تجلی کرتی ہے تو یہ جمع الجمع کے مرتبہ میں پہنچ جاتا ہے جو ولایت کا آخری درجہ ہے۔

نسمہ:

اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

تو مباش اصلاً کمال ایں ست و بس
رَو دَرُد گم شو وصال ایں ست و بس

(تو بالکل نہ ہو۔یہی کمال ہے اور بس جا اُس میں گم ہو جا۔یہی وصال ہے اور بس)
کہ جس ہستی کو تو خود کی طرف منسوب کرتا ہے اُسے حق تعالیٰ کی ہستی کا پرتو جان اور خود کو عدمِ محض تصور کر۔جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ تجھ سے اپنی ہستی کا پرتو دور کریں۔تو اپنے عدم اصلی کی طرف لوٹ۔جب تو یہ جان لے کہ تیرے پاس کچھ نہیں تو اب **مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ** (جس نے

اپنے رب کو جان لیا) کا بھید تجھ پر ظاہر ہو گیا۔ اور اُس کے راز کو تو نے جان لیا۔ تو اب چاہیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہستی کے پرتو کو حق سبحانہٗ کے ساتھ مشغول کردے بلکہ اپنی ہستی کے پرتو کو حق سبحانہٗ میں گم کردے تا کہ تو واصل ہو جائے، یعنی اُسے اور اُس کی رحمتوں کو پالے۔

نسمہ:

فرمایا جبر یعنی مجبور ہونا دو طرح کا ہے۔ ایک اولیاء کا جبر اور دوسرا زندقہ یعنی کافروں کا جبر۔ جبر اولیاء یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو درمیان سے اُٹھا لے اور خود کو اس کے تصرّف میں دے دے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کارندہ کا مرتبہ پالے۔ حق دیکھے حق سنے اور حق کہے اور زندقہ یعنی کافروں کا جبر یہ ہے کہ عمل ترک کردے۔ نفس کو درمیان میں لے آئے اور کہے کہ ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ سے آپ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ مولانا فرماتے ہیں:

ہمچو آبِ نیل واں ایں جبر را

بر سعید آں آب و خوں بر اشقیاء

(یہ جبر دریائے نیل کے پانی کی طرح ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے لیے پانی اور بد بخت فرعونیوں کے لیے خون اور موت)

نسمہ:

کسی نے آپ سے اس آیتِ کریمہ کے بارے میں پوچھا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ ○ پ۲،۳

(اور ہم تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے) آپ نے ارشاد فرمایا تیرا علم الیقین سے عین الیقین کی طرف آنا اور اپنی ہستی سے واقف ہونا۔ حق تعالیٰ کی

مائش ہے کہ تیری جرأت، صبر، قدر اور توانائی کتنی ہے۔

نسمہ:

اس آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِo (۵۰۔۱۶)

(''اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اُس کی رَگِ جاں سے بھی زیادہ'') کہ اس آیت میں یہ نکتہ ہے کہ رَگِ جان کو اگر آلہ (تیز دھار والی چیز) سے کاٹ دیں۔تو انسان اپنے عدم اصلی کی طرف لوٹ جاتا ہے اور قربِ الٰہی سے بھی انسان اپنے عدم اصلی کی طرف لوٹتا ہے مگر قربِ الٰہی میں یہ صفت زیادہ ہے اس لئے کہ رگِ جاں آلہ کی محتاج ہے۔اور قرب کو کسی آلہ کی احتیاج نہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس کا کیا راز ہے کہ جب تک **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کے ساتھ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** بھی نہ ملائیں، آدمی مسلمان نہیں ہوتا تو دل میں یہ بات آئی کہ ہوسکتا ہے کہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** سے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہو اور **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** سے اسماء وصفات کی طرف، تو جب تک ذات کے اقرار کے ساتھ اسماء وصفات کا بھی اقرار نہیں، آدمی مسلمان نہیں۔اُس کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے نہیں بلکہ باری تعالیٰ کے کرم سے اُس کے توکل کے واسطہ سے۔

نسمہ:

ایک گمنام درویش کے بارے میں آپ نے ایک بار یہ رباعی پڑھی:

درویش کسے بود - کہ ناش نبود

و زہر دو جہاں ہیچ کلاش نبود
در آتشِ فقر اگر بسوز و صد سال
از کس طمع پختہ و خامش نبود

(درویش وہ جس کا نام نہ ہو۔ دو جہاں سے اُس کا کلام نہ ہو۔ وہ فقر کی آگ میں اگر سو سال بھی جلے کسی سے اُسے کسی طرح کی طمع نہ ہو۔ نہ پختہ نہ خام)

نسیمہ:

اس بارے میں کہ بعض اہلِ اللہ ایسے ہوئے ہیں کہ انہیں رنج وغم پہنچا۔ مگر انہوں نے صبر کیا اور مخلوق سے پوشیدہ رکھا آپ نے یہ رباعی پڑھی:

خُرّم دل آنکہ در غمت مُرد و نگفت
اَندوہ ترا بہ دل بے خورد و نگفت
سرور کفنِ وفات پیچید و برفت
غمہائے تُرا بہ آں جہاں بُرد و نگفت

(وہ دل کتنا خوش نصیب ہے کہ تیرے غم میں مر جائے لیکن زبان نہ ہلائے۔ پے در پے تیرا غم جھیلے مگر نہ بولے۔ سر پر کفن باندھے تیرا غم دوسرے جہان میں لے جائے مگر کسی طرح کا شکوہ زبان پر نہ لائے) ایک موقع پر آپ نے فرمایا جو دل کا آرام چاہے وہ اس رباعی پر عمل کرے۔

خواہی کہ زغم خلاص باشی بہ جہاں
درخانۂ خود مکن کے را پنہاں
درحجتِ کس گواہی خود منویس
ضامن مشود امانت از کس مستاں

(تو دُنیا میں اگر غم سے دُور رہنا چاہے تو اپنے گھر میں کسی کو چھپا کر نہ رکھ۔ کسی جھگڑے میں اپنی گواہی نہ لکھا۔ ضامن مت بن اور کسی کی امانت نہ لے)

مولینا زین الدین محمود کمانگر بہدائیؒ جب حجاز کے سفر سے واپس لوٹے تو اپنے وطنِ مالوف بہداین تشریف لے گئے جو خاف کا ایک قریہ ہے اور قزلباش کی آمد پر قندھار آ گئے اور یہاں سکونت اختیار کی اور یہیں تقریباً ۹۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ یہاں سے آپ کی میّت کو بہداین منتقل کیا گیا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ مراد رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی صاحبِ احوال مولینا نور اللہ کے مُریدوں میں سے تھے۔ اور اپنے پیر بزرگوار کی پائینتی آرام فرما ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولینا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ:

یہ مولینا محمود قواسؒ کے مریدِ خاص تھے۔ قزلباشؒ کی حالت فتور میں لاہور آ کر مقیم ہو گئے۔ اور لاہور میں ہی انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولینا خواجہ رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی صاحبِ احوال مولینا محمود قواسؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ صاحبِ حضور، نسبت و بے تعینی تھے اور شیخ شرف الدّین عراقی قُدِّس سِرُّہٗ کے مشرب پر تھے۔ مظاہر جمیلہ پر بھی ان کی نظر تھی اور بوڑھے ہو گئے تھے۔ یہ بھی لاہور تشریف لائے اور یہاں کی سکونت اختیار کی اور ۱۰۰۰ھ کے قریب انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اپنے ابتدائی ایّامِ تجسس و تلاش میں ان سے بھی ملے تھے اور ان کے طریقہ کو پسند فرمایا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولٰینا معین الدین واعظ ہرویؒ کے نواسے اور حضرت مولٰینا محمود قواسؒ کے منظورِ نظر خدمت اور مستفید نظرِ رحمت تھے۔ ظاہری و معنوی علوم میں کمال رکھتے تھے۔ حضراتِ صوفیہ کی بعض کتابیں اور رسائل حضرت مولٰیناؒ سے پڑھتے تھے اور اسی دوران استفادہ ظاہری و باطنی حضرت مولٰینا کی زبانِ مبارک سے جو بعض مفید باتیں سنیں، انہیں اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں جمع کیا۔ یہ ملفوظات اُن ملفوظات کے علاوہ ہیں جو ہم نے مولٰینا کے ذکر میں اُن سے منقول فوائد کے سلسلے میں بیان کیے ہیں کہ اُن کو ایک اور بزرگ نے جمع کیا ہے۔

حضرت شیخ معین الدینؒ اُن بزرگ کے اصحاب سے اکثر نقل کی ہوئی باتوں میں متفق ہیں اور بعض میں منفرد۔ اس مجموعہ کے شروع میں لکھتے ہیں کہ یہ فقیر کثیر التقصیر معین المسکین چندروز بطریق سیر و عبور چند شہروں اور مقامات پر گیا تا کہ ان بزرگوں، عارفوں اور خاصانِ خدا کے حالات و کردار کے متعلق معلومات فراہم کرے۔ گو اس سلسلے میں بہت کوشش کی اور بے آرام ہوا۔ لیکن اپنی کم علمی و بے استعدادی کے باعث کچھ بات نہ بنی۔ آخر ہندوستان سے نکلا اور بخارا پہنچا۔ وہاں سے انتہائی مشقت اُٹھانے کے بعد قندھار آیا اور یہاں کا توطّن اختیار کیا۔ یہاں کی سکونت کو کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ۹۰۱ھ میں جناب ہدایت منقبت، سعادت مرتبت، صاحبِ الکشف والالہام، مرشد طوائف الانام، مولٰینا زین الشریعۃ والملّۃ والدین محمود القواس البہدانی قدّس سرّہٗ تک رسائی ہوئی کہ اِن جیسا اس دور میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اگرچہ سلسلۂ عالیات خواجگان میں قدّس اللہ تعالیٰ اسرارھم ہر ایک دینِ محمدیؐ کا راہنما اور ستاروں کی مانند ہے۔ آپ ولایتِ خراسان میں رُشد و ہدایت میں مصرف تھے کہ وہاں امن وامان کا نظام خراب ہوا اور آپ قندھار تشریف لے

ئے۔ یہاں اس عاجز نے موقعہ غنیمت سمجھا اور حضرت کی خدمت میں جا کر استفادہ شروع کیا۔ بزرگانِ دین کی کتابیں اور رسالے آپ سے سبقاً سبقاً پڑھنا اور پڑھنے کے دوران جو معارف وحقائق آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتے عاجز اُسے قیدِ تحریر میں لاتا جاتا۔

نیز حضرت شیخ معین الدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہوا کہ حضرت شیخ محمود القواسؒ البہدائیؒ سے کتاب فصل الخطاب پڑھوں مگر میرے پاس کتاب کا کوئی نسخہ نہ تھا۔ سوچا خود لکھ لوں چناں چہ حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا دُور دراز ہے لیکن حق تعالیٰ تم تک پہنچا دے گا۔ چناں چہ حضرت کے ارشاد فرمانے کے چند روز بعد وہ کتاب مجھ تک پہنچ گئی۔

جس روز وہ کتاب مجھے پہنچی منگل کا دن تھا۔ میں نے کتاب شروع کرنے کی بات آئندہ کل کے لیے چھوڑ دی۔ حضرت مولینا کو نُورِ ولایت سے یہ بات معلوم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا:

''امروز کہ ازیں کس کارِ خیرے در وجود می آید غنیمت باید شمرد کہ فردا در غیب است خدائے داند سبحانہٗ وتعالیٰ کہ فردا توفیق آں میّسر گردد یا نہ''۔

(''آج جو بھی نیک عمل انسان سے ہو جائے اُسے غنیمت جانے کہ کل کی بات غیب کی ہے خدا ہی جانتا ہے کہ کل وہ کام کرنے کی توفیق ملے گی بھی یا نہیں'') جو استاد جمعہ کو یہ کام نہیں کرتے انہوں نے جمعہ کا دن اس سے بہتر کام کے لیے رکھا ہے اور وہ ہے مخلوق سے گوشہ نشینی اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ۔ تو اس سے بہتر کیا چاہتا ہے۔ اُس وقت آپ نے ایک عالم کا نام لیا اور فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے لیے ایک جگہ جائیں۔ جو شخص کسی جگہ کوئی نیک کام کرے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ وہاں اس کے لیے روزی کا سامان بھی فراہم کر دیں اُسے چاہیے کہ اُسے غنیمت جانے اور خدا کی عبادت میں مشغول ہو جائے اور خود کو اپنے لیے منتشر اور پریشان نہ کرے، اگر یہ خود منتشر ہوگیا۔ (مثلاً روزی سے غافل

ہوا) ایک وقت آئے گا وہ اُس کا طالب وضرورت مند ہوگا اور وہ اُسے نہ ملے گی۔ ہاں اگر خداوند تعالیٰ اُس کام کو بگاڑ دے یا یہ شخص حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاطر اُسے چھوڑے تو اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اس سے بہتر اُسے عطا فرمائے گا۔

نسمہ:

نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ میں حضرت مولٰینا محمود اقدسؒ کے پاس تفسیر پڑھ رہا تھا۔ تفسیر کا نسخہ حضرت کا تھا۔ مجھ سے فرمایا ہم بھی تو اسے دیکھیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجلد ہے (ایک ہی جلد میں ہے تو آپ کے لیے علیحدہ کیوں کر ہو) فرمایا یہ میرے لیے کوئی بُت کی طرح نہیں اس کو علیحدہ علیحدہ جزو جزو کرو۔ ایک جزو مجھے دو اور باقی اپنے پاس رکھو کہ حضراتِ مشائخ نے فرمایا ہے کہ بُت پرستی کئی قسم کی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے بیوی بچے بُت ہیں۔ کچھ لوگوں کے لیے مال و جائیداد بُت ہیں اور ان کی طرف میلان معنوی تحقیق کے اعتبار سے بُت پرستی ہے اور اس بارے میں یہ قرآنی آیت دلیل ہے:

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاo (۲۹/۲۵)

(''تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے۔ پس یہ تمہارے باہمی دُنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے'') نیز تحریر فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مولٰینا کی صحبت میں کہا۔ کہ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت مخدوم مولٰینا نورالدّین عبدالرحمٰن جامی قدّس سرُّہٗ نے اپنا مسلک حنفی سے شافعی بدل لیا تھا۔ حضرت مولٰینا نے فرمایا یہ صحیح نہیں ہے بعض لوگوں نے اُڑائی ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت مخدوم جامی مکہ معظّمہ (اللہ تعالیٰ اُس کے شرف و تعظیم میں اضافہ کرے) سے شیخ سعید فرغانیؒ کی کتاب چہار مذہب کی نقل کر کے لائے تھے اور مسائل میں زیادہ احتیاط والے پہلو پر عمل کیا کرتے تھے چناں چہ عورت اور عضو نہانی کے

نے سے وضو کیا کرتے تھے۔

شیخ معین الدّینؒ اپنے مولٰینا (محمود قواسؒ) کے متعلق یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ کو بیرم خاں کی یہ رباعی بہت پسند تھی اور فرماتے تھے، اُس نے خوب کہا:

اربابِ فقر بلند دست ایشانند

ازجام بقائے عشق مست ایشانند

در معرضِ نیستی است ہر چیز کہ ہست

ہست ایشانند ہرچہ ہست ایشانند

(جو حضرات فقر و درویشی اختیار کرتے ہیں اُن کا مقام بہت بلند ہے۔ عشقِ الٰہی جو انسان کو فنا کے مقابلہ میں بقا عطا کرتا ہے۔ یہ اربابِ فقر اور درویش اُس بقائے عشق کے جام میں مست ہیں۔ ہر وجود کو فنا ہے۔ اور ہر ہست نیست میں بدل جائے گا۔ مگر اِن اربابِ فقر کو اس عشقِ الٰہی کے باعث جو بقا ملی ہے اِن کا نام ہمیشہ باقی و زندہ رہے گا۔ مولٰینا معین الدّینؒ بھی شعر کہتے تھے۔ یہ رباعی اُنھی کی ہے:

اے آنکہ ز ادراک ہمہ بیرونی

کز ہرچہ ترا وصف کنم افزونی

دلہا ہمہ مجروح و دہن ہا خون ست

کایا تو نگہبان گدایاں چُونی!!

(''اے خُدا کی وہ عظیم ہستی جو ہر ایک کے ادراک اور سمجھ سے باہر ہے۔ میں جتنی تیری وصف کروں تو ہر حال میں اس سے زیادہ ہے۔ تمام دل زخمی ہیں اور منہ خون سے پُر۔ تو سارے عالم کا نگہبان ہے۔ پھر بھی ہم نہیں جانتے، تو کیا ہے تیری پُوری حقیقت کیا ہے)

مولٰینا معین الدّین کا انتقال ۹۹۰ھ میں ہوا۔

مقصدِ اوّل

☆ دُوسری فصل

حضرت مخدوم مولانا نُورالدّین عبدالرحمٰن جامی قُدِسَ سِرُّہٗ السّامی کے فیض وتربیّت یافتہ بُزرگوں کے حالات کے بیان میں

خواجہ ضیاءالدّین یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مخدوم جامیؒ کے فرزندِ گرامی تھے، آپ کی والدہ کی جانب سے آپ کے نسب کا ذکر مع تاریخِ پیدائش کے بیان کے اور مع اُس خواب کے جو آپ کے والدِ ماجد نے آپ کے بارے میں دیکھا تھا کتاب رشحات میں موجود ہے بعض اساتذہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم زآدہ کو اپنے والد بزرگوار کے کمالات وحالات وارادت کا پُورا پُورا حصّہ ملا تھا۔ اوراپنی استعداد وقابلیت کے مطابق یہ ان بزرگوار کی دریائے نسبت سے خوب سیراب ہوئے تھے۔ صاحبِ دوائرؒ نے آں جناب کا ذکر حضرت مخدومؒ کے خلفاء میں کیا ہے۔ مخدوم زادہ قزلباش کے پُرفتن دور میں قریہ اَوبہ میں چلے آئے تھے۔ جواہرات سے پندرہ فرسخ (۴۵شرعی میل) کے فاصلہ پر ہے۔ آپ نے یہیں کی سکونت اختیار کرلی تھی اور یہیں ۲۵رشوال ۹۱۷ھ بروزِ جمعہ صبح دن چڑھے انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک سعادت مند بیٹا چھوڑا۔ جن کا اسمِ گرامی خواجہ نظام الدّین یُوسفؒ تھا۔

واضح ہو کہ وہ حاشیہ جو مولینا عبدالغفور لاری قُدِّسَ سِرُّہٗ نے کتاب ''نفحات الانس'' پر تحریر کیا ہے اُس کا باعث خواجہ ضیاء الدّین یُوسفؒ ہی تھے۔

۱۔ مولینا عبدالغفور لاریؒ نے حاشیہ کے ابتداء میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ ضیاء الدّین یوسفؒ کی تعریف و منقبت میں کچھ کلمات لکھے ہیں جو حضرت مخدوم زادہؒ کے کمالاتِ ظاہری و باطنی کی مضبوط اور قوی دلیل ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

ایں فقیر حقیر قلیل البضاعۃ عبدالغفور لاری......

کہ یہ فقیر حقیر کم مایہ عبدالغفور لاری۔ اس کا ارادہ جمع و تالیف کتاب کا نہ تھا نہ وہ باقاعدہ تحریر و تصنیف کی ہمّت پاتا تھا خصوصاً سلسلۂ عالیہ کے بزرگان قدس اللہ اسرارھم کے ارشادات کہ اس عاجز کو نہ ان کا کافی ادراک ہے نہ اس کا کلام اتنا شافی اور مکمل ہے اور نہ اس کا قلب اتنا پاکیزہ کہ وہ کوئی ایسی کتاب لکھنے کی کوشش کر سکتا مگر چوں کہ اب روشن ضمیر حقائق پذیر حضرت مخدوم زادہ جو اخلاق حمیدہ و صفات محمودہ کے جامع ہیں۔ ذہین طبیعت کے مالک جانچنے پرکھنے والی فہم والے۔ حضرت عالی مقام مولینا جامیؒ کی حیات کے ثمر اور پھل (ان کے صاحبزادے) ان کے اخلاق و احوال کا خلاصہ جن کا طور طریقہ ایک حقیقی سالک کا اور جن کا فیض جاری و ساری۔ ان بلند مرتبت بزرگ کے نورِ نظر اس چمکنے والے چاند کے نور کا عکس اس بحر ناپیدا کنار سے نکلا ہوا سمندر ضیاء الملۃ والدین یوسف (یعنی حضرت خواجہ ضیاء الدین یوسفؒ) اللہ تعالیٰ ان کی تمام غم و اندوہ اور تاسف کے موقعوں سے حفاظت فرمائے۔ اب چوں کہ یہ کتاب نفحات الانس کے مطالعہ کی طرف مائل ہیں جو ان کے والد بزرگوار کی ایک تصنیف ہے قدس اللہ تعالیٰ رُوحَہٗ اور اس کتاب کے بہت سے ایسے مواقع تھے جو تشریح و بیان کے محتاج تھے تو عاجز نے یہ کتاب آنحضرت مولانا جامی قدس سرہٗ کے سامنے رکھی تھی۔ اور ان سے اس کے مشکل مقامات کی تشریح پوچھی تھی اور ان کی زبان

مبارک سے اسے سمجھا تھا۔ حضرت مخدوم زادہ نے مجھے حکم فرمایا کہ جو کچھ حضرت قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا اسے جمع کروں چوں کہ ان کے حکم کی تعمیل واجب تھی اور حدیث شریف میں بھی حکم وارد ہے:

اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَهٗ[1]۔ (الحدیث)

(بلاشبہ تمہارے رب کے لئے تمہارے ایام زمانہ میں خوشبوئیں ہیں۔ تم ان سے تعرّض کرو)

تو اس کتاب سے تعرض کرنا مناسب محسوس ہوا اور یہی چیز اس کتاب کی تالیف کا سبب بن گی۔ انتہٰی

راقمِ حروف عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ اب جبکہ مولانا عبدالغفور لاریؒ کے حاشیہ نفحات کی ابتداء سے کچھ کلمات نقل کیے گئے تو دل میں آیا کہ اس حاشیہ سے دوسری جگہ سے بھی تبرکاً کچھ پیش کر دیا جائے اور وہ یہ ہے۔

نسمہ:

شیخ علاء الدولۃ قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِنَزَاھَتِهٖ مِنْ جَمِیْعِ مَایَخْتَصُّ بِهِ الْمُمْکِنُ فَھُوَ ظَالِمٌ حَقِیْقِیٌّ"۔

(جو اللہ پاک کے ان تمام چیزوں سے پاک ہونے پر یقین نہ لائے جو کسی طرح بھی ممکن الوجود یعنی مخلوق کے ساتھ مخصوص ہو سکتی ہیں تو وہ صحیح معنی میں ظالم ہے)

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالغفور لاریؒ حاشیہ نفحات میں تحریر فرماتے ہیں کہ اربابِ مسئلہ توحید کا کہنا ہے کہ کمال کا حقیقی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا کسی دوسری چیز پر کسی

---

[1] الجامع الصغیر السیوطی کشف الخفا للعجلونی ۱/۲۶۹

درجہ میں بھی انحصار نہ ہو۔ اگر محسوس ہونے والے مظاہر کے ساتھ اسے مقید کریں تو تشبیہ لازم آتی ہے جو مادیات کے ساتھ وابستہ ہے از قبیلہٗ مجردات وہ لائق شمار ہو جاتا ہے۔ تو کمال تنزیہ (خدا کا منزہ اور پاک ہونا) یہ ہے کہ وہ ہستی ممکن کی تمام صفات سے پاک ہو خواہ وہ مجرد ہوں یا مادّی......

نسمہ:

شیخ علاء الدولہؒ کے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے جو انہوں نے توحید وجودی کے رد کے سلسلہ میں شیخ عبدالرزاق کاشی قدس سرہٗ کو لکھا تھا آپ نے ان کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ اَيُّهَا الْمُسَبِّحُ لَوْ سَمِعْتَ مِنْ اَحَدٍ اَنَّهٗ يَقُوْلُ فُضْلَةُ الشَّيْخِ عَيْنُ وُجُوْدِ الشَّيْخِ لَاتُسَامِحُ اَلْبَتَّةَ بَلْ تَغْضَبُ عَلَيْهِ فَكَيْفَ يَسُوْغُ لِعَاقِلٍ اَنْ يَنْسِبَ اِلَى اللّٰهِ هٰذَا الْهَذْيَانَ".

(اے اللہ کی پاکی بیان کرنے والے اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔ اگر تو کسی کو یہ بات کہتے ہوئے سنے کہ شیخ کا فضلہ (اس سے نکلی ہوئی نجاست و پلیدی) عین وجود شیخ ہے تو اسے پسند نہ کرے گا بلکہ اس شخص پر غصہ کرے گا۔ تو کیسے کسی صاحبِ عقل کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ پاک کی طرف اس ہذیان و بیہودہ بات کو منسوب کرے")

نسمہ:

مولانا لکھتے ہیں کہ اربابِ توحید اگر اشیاء کے ساتھ حق کی معیت کو اس معیت پر قیاس کریں جو جسم کی معیت جسم کے ساتھ سمجھتے ہیں تو اس سے خرابی لازم آئے گی وہ معیت ان کے خیال کے مطابق معیت وجود کی طرح ہے۔ ماہیات کو ماہیات کونی کے ساتھ ملوث

نہ کریں بخلاف اس معیت کے جو فضلہ کے ساتھ ہے کہ یہ جسم کی جسم کے ساتھ معیّت کے قبیلہ سے ہے اور جسم ملوّث ہوسکتا ہے۔ اور آپ نے مختلف مقامات پر اس طرح کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں اور بعض اکابر نقشبندیہ کے کلام کا حاصل اور اس مقالہ کی مناسبت واضح ہے اور اسی ضرورت کے تحت ہم نے اس حاشیہ سے اقتباسات نقل کیے۔ حضرت خواجہ بزرگ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے اس ارشاد کی تشریح میں جس میں آپ نے فرمایا:

طریقۂ ما صحبت است بشرط نفی بودن در یکدیگر

(ہمارا طریقہ صحبت ہے ایک دوسرے میں نفی کی شرط کے ساتھ)

نسمہ:

آپ نے تحریر فرمایا یعنی ایک دوسرے پر نظر نہیں ڈالتے بلکہ ان کی نظر امتثالِ امر اور حکم بجالانے پر ہوتی ہے۔ اس کلام کی شرح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمام طالبان راہِ سلوک باہم ایک دوسرے سے صحبت رکھیں تو اس میں بہت خیر و برکت ہے۔

نسمہ:

تحریر فرماتے ہیں چوں کہ ہر ایک دوسرے کو متاثر کرتا ہے اور اس طرح صحبت و اجتماع سے نسبت تمام حاصل ہوتی ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اگر مبتدی اپنے اَبناءِ جنس مبتدیوں کے ساتھ صحبت رکھے تو اس نسبت میں ایسی قوّت پیدا ہوتی ہے جیسے پیر و مرشد کی صحبت سے یہ آپ نے ان کے قول کی تشریح میں فرمایا کہ توحید کے راز تک آدمی پہنچ سکتا ہے لیکن معرفت کے راز تک نہیں۔

نسمہ:

تحریر فرماتے ہیں کہ توحید کا راز دل کو غیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے خالی کر لینا ہے اور

بنت کے راز سے مراد خدا کا تفصیلی علم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ پہلی چیز ممکن ہے اور موجود ہو سکتی ہے۔ دوسری نہیں۔ آپ نے خواجہ علاء الدین عطّار قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی تشریح فرمائی کہ پہلے خدا کی عنایت ازلی پر نظر رکھنی چاہیے اور اس عنایت بے علّت کا اُمیدوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی طلب سے ایک لحظہ کے لئے بھی غافل نہ ہونا چاہیے۔

نسمہ:

تحریر فرماتے ہیں جو کچھ ظاہر ہو جائے اسے خدا کے فضل وعنایت کے باعث جاننا چاہیے تاکہ عجز وانکسار اور نیاز وتضرع کی صفت جو اس سلسلۂ عالیہ میں لازم ہے دور نہ ہو۔ اس لیے کہ استنادِ اُمور سے غفلت حق تعالیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وعنایت سے اپنی اور اپنی استعداد کے لیے استنادِ اشیاء کی موجب ہوگی۔ یہ عین فنا ہے کہ اس امر کی نقیض جو اس سلسلہ میں لازم ہے۔ آپ کے اس ارشاد کی شرح بیان کرتے ہوئے کہ وسوسوں کو روکنا بڑی ہمّت وقوّت کا کام ہے فرمایا کہ وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیے کہ گھر کر لیں ورنہ فیض جاری ہونے کے مقامات میں گرہ لگ جاتی ہے۔

نسمہ:

آپ نے تحریر فرمایا وسوسوں کا دل میں گھر کرنا اس کا فعل ہے لیکن وسوسہ کا دل میں گزرنا اس کی طرف سے نہیں۔ یعنی پہلا فعل اختیاری ہے اور دوسرا غیر اختیاری اور اس کلام کی شرح میں جس میں فرمایا۔ درخود رفتن (اپنے اندر جانا) ہے واز خود رفتن (اور دل سے گزرنا)

نسمہ:

آپ نے تحریر فرمایا کہ غیر سے شعوری طور پر غائب ہونا اپنی جانب اس معنی میں ہے

کہ کبھی کبھی اس کا شعور موجود ہے نہ یہ کہ اس کا شعور قطعاً معدوم ہو گیا ہے اس لئے کہ خود کا شعور علم حضوری کے قبیلہ سے ہے اور کسی شخص کی خود سے علم حضوری اس کا عین ہے اور اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ کوئی شخص حقیقت سے جدا نہیں ہو سکتا اور ''در خود رفتن'' (اپنے اندر جانا) علامت و نشانی ہے ''از خود رفتن'' (دل سے گزرنا) کی اور اس کا اثر ہے اور اثر نشاندہی کرتا ہے ایک ایسی چیز کی جو موجب اثر اور اثر کو جنم دینے والی ہے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی کہ:

اَلْمُحَافَظَةُ عَلَى الْاَمْرِ الْوَسَطِ فِيْ الطَّعَامِ لَافَوْقَ الشَّبْعِ وَلَا الْجُوْعِ الْمُفْرِطِ۔

(''کھانے میں میانہ روی کی پابندی۔ نہ سیری سے زیادہ اور نہ انتہائی درجہ کی بھوک'')

شرح میں آپ نے فرمایا:

نسمہ:

شکم سیری سے زیادہ کھانا فیض جاری ہونے کے راستوں کو بند اور مسدود کر دیتا ہے اور حد درجہ کی بھوک مزاج کو ضعیف و کمزور بنا دیتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا شکم سیری و حالت بھوک میں انسان کو فرشتہ صفت ہونا چاہیے اس لئے کہ فرشتے نہ شکم سیر ہیں نہ بھوکے۔

حضرت خواجہ احرار قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ارشاد کہ دل کے التفاتِ غیر سے خالی ہوئے بغیر کسی قسم کی خاموشی اختیار کی جائے اس کا پانا ممکن نہیں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

نسمہ:

دل کا التفات غیر سے خالی ہونا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر مزاحمت غیر کا شعور نہ باقی رہے نہ یہ کہ مطلقاً شعور ہی ختم ہو جائے۔ اس لئے کہ شعور کا مطلقاً ختم ہو جانا، نادر ہوتا ہے اور اچک لے جانے والی برق کی طرح ہوتا ہے۔

آپ کے اس قول کی شرح جس میں آپ نے فرمایا کہ سیر کی انتہا اس انتظار کے حصول سے عبارت ہے آپ نے تحریر فرمایا کہ نہایت نہایت الی اللہ اس کا انتظار ہے اس بنا پر کہ اس کا انتظارِ نتیجہ کا انتظار ہے اور نتیجہ انتظار قطع مسافت کے بعد ہوتا ہے۔ اسی بناء پر کہ انتظار نہایت سیر ہے اور ان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کی ابتداء یعنی جو چیز انتہاء میں ہوتی ہے۔ یہ بزرگ ابتداء میں اس کا حکم فرماتے ہیں۔

مولانا نے نفحات الانس کے حاشیہ پر حضرت مخدومؒ کے حالات لکھے ہیں اور وہ تکملہ کے طور پر مشہور ہے۔ اس میں ایک قیدی کی رہائی سے متعلق حضرت مخدومؒ سے ایک حکایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں اس کی رہائی کا ارادہ کرتا ہوں۔ سِرِّ وحدت غالب آ جاتی ہے اور توحید کے معنی کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ غم و دکھ دور ہو جاتا ہے اور بغیر اس غم و دکھ کے کوئی کام نہیں انجام پا سکتا۔ نیز وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب بادشاہ اور مختلف سلاطین حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچتے تو آپ کم ان کی نصیحت کے لئے زبان کھولا کرتے اور اس کے راز کے سلسلے میں فرماتے کہ نصیحت کرو یا نہ کرو وہ عمل نہ کریں گے جو فقیر کی صحبت سے متاثر نہ ہو وہ اس کی نصیحت سے بھی متاثر نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ایک بزرگ نے اپنے رسالہ میں حضرت مولانا عبدالغفورؒ کا ارشاد نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ہرات آیا تو عجیب طرح کی مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ جب حضرت مخدوم جامی قدس سرہٗ السامی کی صحبت شریف میں پہنچا تو آپ نے روزمرّہ کی گفتگو

کے ضمن میں کچھ اس طرح میری مشکلات حل فرمادیں کہ مجھے کامل یقین ہوگیا کہ انہیں براہِ راست اللہ پاک کی طرف سے القاء ہوتا ہے۔

مولانا علاؤالدین ساوجی رحمۃ اللہ علیہ:

ساوج لفظ ''ساوہ'' سے مُعَرَّب ہے اور وہ مرد کے قریب اس سے چند مرحلہ پر ایک شہر ہے۔ حضرت مولانا علاؤالدین ساوجیؒ صاحبِ کمال حضرت مخدوم جامیؒ قدس سرہٗ کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت مخدومؒ کی صحبت کے اکتساب سے قبل مختلف عارفین وصلحاء کی صحبت میں بھی رہے۔ جب ان قطب زمانہ (حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) کے آستانہ پر پہنچے تو وہیں اقامت اختیار کرلی اور کئی سال حضرت کی خدمت میں گزارے پھر حضرت مخدوم سے اجازت لے کر اپنے وطن مالوف کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی گزاری اور یہیں ۹۶۷ھ میں دارفانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی عمر شریف نوے سال سے متجاوز تھی۔

مولانا حاجی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی حضرت مخدوم مولانا جامیؒ کی صحبت سے مستفید ہوئے اور عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔ اس دور کے ایک فاضل نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جامیؒ جتنی شفقت ومحبت آپ سے فرماتے تھے اپنے اصحاب میں کسی دوسرے سے کم ہی کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے حجاز کے کئی سفر پا پیادہ فرمائے اور وہاں اس دور کے بعض مشائخ کبار سے بھی ملاقاتیں فرمائیں۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ

حضرت صالح تمیمی المشہدی رحمۃ اللہ علیہ:

صاحبِ دوائرؒ نے آپ کو بھی حضرت مخدوم جامیؒ کے یارانِ منظور و صاحبِ نسبت و حضور میں شمار کیا ہے۔ خود آپ نے بھی اپنے غزلیات کے دیوان میں اس سلسلۂ عالیہ سے وابستگی کی تصریح فرمائی ہے۔ چناں چہ آپ کا شعر ہے:

شہیدے نقشہازو از غزل بر صفحۂ عالم
ہر آں نقشے کہ زواز فیضِ شاہِ نقشبند آں زد

(ایک شہید (مشہدی) نے صفحۂ عالم پر اپنی غزل سے نقش کھینچے ہیں۔ جو نقش بھی کھینچا ہے وہ شاہ نقشبند حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ کے فیض سے کھینچا ہے) قزلباش کے دور آشوب میں ہندوستان تشریف لے گئے اور وہیں سے آخرت کا سفر اختیار کیا۔ یہ شعر آپ ہی کا ہے۔ فرماتے ہیں:

بیا اے عشقِ آتش زن دل افسردۂ مارا
بنورِ خود منوّر کن تنِ پژ مُردہ مارا

(اے عشق آ اور ہمارے افسردہ دل کو گرما دے۔ ہمارے پژمردہ کملائے ہوئے جسم کو اپنے نور سے منور کر دے)

شیخ مودود لاری رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولانا عبدالغفور لاریؒ کے شاگرد تھے۔ بظاہر بابا نظام کے مرید تھے مگر بطریق خدمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے بھی تربیت یافتہ تھے صحبتِ کامل کے مالک تھے۔ صاحبِ جذبات وتفرید وتجرید تھے۔ اسرار و مواجید سے نوازے گئے تھے۔ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کے مبارک دور میں ہندوستان تشریف لائے آگرہ میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ پانی پت شاہ جہاں آباد کے نواح واطراف میں مشہور مقام ہے۔ وہاں میاں شیخ امان پانی پتی ایک بزرگ تھے۔ ان سے بعض حضرات نے استفادہ کیا تھا یہ ان کے ایک

شاگرد کے پاس تشریف لائے اور اسی شہر میں سکونت اختیار فرمائی۔ وہاں مشہور کتاب فصوص الحکم کا درس دینا شروع کیا اور اس کتاب پر تعلیقات و حواشی بھی لکھے۔ اور یہیں رمضان المبارک ۹۳۷ھ میں انتقال فرمایا۔

میاں شیخ امان پانی پتی جن کا ابھی ذکر ہوا۔ ہندوستان کے مشہور عارفین و اکابر میں سے ہیں۔ حضرات صوفیہ کے علوم میں انہیں یدِ طُولیٰ حاصل تھا اور اس سلسلے میں ان کی کئی اچھی تالیفات ہیں۔ انہیں میں ''لوائح'' پر حاشیہ بھی شامل ہے، جو انہوں نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کا وصال ۹۵۷ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حافظ الدین بہقی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بہق کے رہنے والے تھے جو اہرات سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک مقام ہے۔ کلامِ عرب میں ایک کلمہ میں ج کاف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شیخ ابن حاجب مالکیؒ نے شافیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ وہ پچق کو بہق کہتے ہیں۔ مولانا حافظ الدین بہقیؒ حضرت مخدوم مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ صاحب وقت و حضور سے استفادہ کرنے والوں اور ان کے فیض یافتہ حضرات میں سے تھے اور ان کے منظورِ نظر تھے اور دانش و فضیلت میں خصوصاً علم تجوید و قرأت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ اور اس علم میں آپ کی ایک تصنیف بھی ہے جو بہت مفید ہے اور حضرات صوفیہ اربابِ حال کے مشرب میں آپ کے خوبصورت اشعار بھی ہیں۔ حالی تخلص فرماتے تھے۔ یہ دو شعر آپ کے ہیں:

بنازِ مثل تو شاہے کہ بودہ است وکہ باشد
بہ حسن ہمچو تو ماہے کہ بودہ است وکہ باشد
تو آفتاب جہاں تابے از تو ولیکن
چو من بروزِ سیاہے کہ بودہ است وکہ باشد

(اے شاہ بھلا ترے جیسا ناز و انداز کس کا ہوگا اور اسے چاند بھلا تیرے جیسا حسن کس کا ہوگا۔ تو آفتاب جہاں ہے اور تجھ سے ہر شے روشن مگر مجھ جیسی سیاہ بختی و تاریکی بھلا کس کی ہوگی)

مولانا محمدؒ ہاشم بہقی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ مولانا حافظ الدین بہقیؒ کے صاحبزادے تھے اپنے والد ماجد کی نسبت سے بہرہ مند تھے۔ کئی سال خراسان میں طالبانِ طریقت کے لئے آپ کے فیوضِ عام رہے۔ یہاں تک کہ بعض طالبان آپ سے نعمتِ عظمیٰ کو پہنچے ہیں انہی میں مولانا عبدالقدوس فہستانی اور مولانا سیّد محمد میر دولت کرخیؒ ہیں۔ اور یہ تین بزرگ جن کا ابھی ذکر ہوا۔ مولانا عبدالقدوس اور مولانا میر دولت مذکور سلسلۂ شریفہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ شیخ احمد جو بہت بڑے ولی تھے ان سے بھی بہرہ مند ہوئے ہیں اور مولانا سیّد محمد جو تا حال قہستان میں گوشہ نشینی اور حضور وصفا کی زندگی گزار رہے ہیں وہ بھی شیخ احمد مذکور کے مریدوں میں سے ہیں اور مولانا شاہ محمد سلمہ واللہ تعالیٰ جوان اکابرؒ کی نسبت کے باعث صاحبِ نصیب ہیں انہی شیخ مذکور کے فرزند ہیں آپ کے والد بزرگوار مولانا محمد مقیم رحمۃ اللہ علیہ کورشانی ہیں۔ وہ حضرت صوفی کے فرزند ہیں جو مولانا زین الخوافی قدس اللہ اسرارھما کے کبار اصحاب میں سے ہیں مولانا مقیم بھی اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر سلسلۂ سہروردیہ میں بڑے راسخ تھے۔ اچانک اتنے سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہوگئے۔ مولانا محمد امین مذکور ان سے سسرالی رشتہ رکھتے تھے۔ ایک بار ان کی عیادت کو آئے۔ ان سے اشارۃً فرمایا منت مانو کہ اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں شفا وکرامت دے دے تو تم سلسلۂ عالیہ نقشبند سے منسلک ہو جاؤ گے۔ انہوں نے بخوشی قبول فرمالیا۔ اس روز سے آپ کی طبیعت سنبھلنی شروع ہوگئی یہاں تک کہ کامل صحت نصیب ہوئی چناں چہ اس منت اور عہد کی رو سے آپ نے مولانا محمد امین کے ہاتھ پر بیعت کی اور

آپ کی صحبت کی برکت سے ان بزرگوں کی نسبت شریفہ حاصل کی۔ پھر کئی سال خاموشی و انکساری میں وقت گزارا اور ان علاقوں میں صفائے قلب و حسن کردار اور تربیت طالبان طریقت میں مصروف رہے۔ ۱۰۳۰ھ کے قریب حجاز کے سفر مبارک کی طرف متوجہ ہوئے جب سفرِ حجاز سے واپس ہوئے تو ۱۰۳۰ھ کے قریب کرمان میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی میّت کو وہاں سے ہرات لایا گیا۔

میر حسن اوبہی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد امین کے خاص اصحاب میں سے تھے بلخ میں حضرت مولانا بزرگ و حضرت مولانا خورد کی صحبت شریف میں رہے اور مولانا دوست صحاف ؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ ان تینوں بزرگوں کی خاص نظرِ عنایت ان پر رہی۔ آج قریہ اوبہ میں جو دیارِ خراسان میں ہے آپ بقیدِ حیات ہیں اور آپ کی عمر شریف سو سے تجاوز کر چکی ہے۔

مولانا حسین نسفی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اگرچہ اپنے والد بزرگوار مولینا فخر الدین حسین سے بیعت تھے اور مولانا فخر الدین حسین، حضرت مولانا علاؤ الدین مکتب دار کے مرید تھے۔ رحمہما اللہ لیکن اپنے والد کے انتقال کے بعد مولانا محمد امین سے بھی بہرہ ور ہوئے یہاں تک کہ آج جبکہ ۱۰۳۹ھ ہے وہ قریہ سباشان میں بقیدِ حیات ہیں۔ جو ہرات کے مضافات میں ہے (اللہ تعالیٰ اسے تمام آفات سے محفوظ رکھے) آپ کی عمر اس وقت اسی سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ چمچے تراشتے ہیں اور اس سے اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کے لئے روزی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے فرزند مولانا عبداللہ بھی اپنے والد کی نسبتِ معنوی سے بہرہ ور ہیں سلمہا اللہ سبحانہٗ۔

واضح ہو کہ خراسان میں حضرت مخدوم الانام مولانا عبدالرحمٰن جامی کے زمانہ سے ہمارے دور تک اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بہت سے بزرگ گزرے ہیں کیا اولیاء عزلت

ۂ نشینی اور کیا اکابر صاحبِ ہدایت و ارشاد لیکن چوں کہ ان بزرگوں کے حالات معتبر ذرائع سے اس عاجز کو نہیں پہنچے اس لئے اس عاجز نے ان کے احوالِ گرامی لکھنے میں توقف کیا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت و مہربانی سے جب بھی ان بزرگوں کے معتقدین کے رسائل سے معتبر ذرائع سے یہ حالات اس حقیر کو پہنچے یہ عاجز انشاء اللہ العزیز اس کتاب میں شامل کر دے گا۔ اسی طرح سلسلۂ سہروردیہ کے متاخرین اکابر اور سلسلۂ عالیہ کبرویہ کے مشائخ رحمہم اللہ میں اولیاء کاملین اور صاحبِ دل بزرگوں کے حالات جو ان علاقوں میں گزرے یا اب موجود ہیں انشاء اللہ اپنی کتاب صفحات الانوار میں لکھوں گا اگر جلّ شانہٗ کی تائید وعنایت شاملِ حال رہی۔

سیّد مرتاض مجذوب و مغلوب فانی ربّانی امیر جعفر ہروی قُدِّسَ سِرُّہٗ کئی سال خراسان میں طالبانِ طریقت کے لیے مشعلِ ہدایت و فیض بخش رہے۔ ۱۰۲۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بزرگوں کے راہنما حضرت خواجہ عبید اللہ جو خواجہ احرار کے نام سے مشہور ہیں (قُدِّسَ سِرُّہٗ) یہ ان کی روحانیت سے بھی تربیت یافتہ تھے تو ان صاحب کمال عارف کا ذکر یہاں کرنا چاہیے تھا لیکن چوں کہ بظاہر انہیں نورِ ہدایت اور آدابِ طریقت کی تعلیم میرزا قاسم لنگری قُدِّسَ سِرُّہٗ سے ملی تھی جو شیخ واشکی قدس سرہٗ مریدوں میں ہیں وہ حضرت مخدوم ربانی شیخ حاجی محمد جوشانی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے تو اس سلسلۂ شریفہ کے خلفاء کے ذکر کے ضمن میں صفحات الانوار میں ان کے حالات لکھوں گا۔

☆ مولانا محمد صلاح رحمۃ اللہ علیہ:

انہوں نے بھی حضرت مخدوم مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ سے استفادہ کیا تھا۔ ایک معتبر ہستی کا کہنا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے لیے حضرت مخدوم جامیؒ کا اجازت نامہ جو اجازت طریقت کے لیے حضرت نے آپ کے لیے لکھا تھا آپ کے سامان

سے برآمد ہوا۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ مولانا محمدؒ صالح حضرت مولانا شمس الدین محمد روجی قدس سرہٗ کے بھی فیض یافتہ تھے۔ مختصر یہ کہ صاحبِ علم وفضیلت اور صاحب حضور ونسبت تھے۔ شیخ ربانی خلیل اللہ بدخشانی کبروی قُدِسَ سِرُّہٗ کے اجلّہ اصحاب میں سے ایک درویش نے اس عاجز کو بتایا کہ ہمارے شیخ فرماتے تھے کہ قابل فخر شہر بخارا میں ابتداء سلوک کے ایّام میں، میں نے ایک خواب دیکھا۔ کسی نے مجھ سے خواب میں کہا کہ مولانا محمد صلاح کے اوراد میں سے ایک ورد سے تجھے بہت سے فائدے حاصل ہوں گے اور اس وقت حضرت مولانا بخارا میں بقیدِ حیات تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا میرے تو بہت سے اوراد و وظائف ہیں۔ تمہیں کس ورد کے بارے میں ہدایت ہوتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اچھا مناسب یہ ہے کہ میں اچھے وِرد پڑھتا جاتا ہوں۔ جہاں تمہارا دل ٹھہر جائے اسی وِرد کو تم وہ ورد سمجھنا جس کی تمہیں خواب میں ہدایت ہوئی ہے۔ چناں چہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے اوراد میں سے اس دعا پر میرا دل ٹھہر گیا۔

اَللّٰھُمَّ اَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّهٗ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ[1]

(اے اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں۔ مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کیجیو اور میری پوری حالت کی اصلاح فرمائیو۔ اے جلال والے اے عزت

---

[1] مسند ابی داود الطیالسی۔ مجمع الزوائد (۱۰/ ۱۳۷) اور الفردوس الدیلمی وغیرہ میں اللھم رحمتک ارجو ہے مجمع میں بحوالہ طبرانی یہ دعا کلہ تک مسند طیالسی اور فردوس میں آخری کلمات لا الہ الا انت ہیں ایک دوسری حدیث میں الظلو بیاذاالجلال والاکرام آیا ہے۔ شاید اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مولانا صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے آخری الفاظ شامل کیے ہیں۔ واللہ اعلم (اشرف)

لے) میں نے اس دعا کو اپنا معمول بنالیا اور اس دعا سے مجھے بڑی کشائش نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا کی بعض تصانیف بہت مقبول ہوئیں۔ انہی میں مختصر وقایہ جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے اس کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

نسمہ:

اس کتاب کے دیباچہ میں دینی عقائد کا بیان ہے اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا اگر دنیا کے تمام عقلاء اسے پوری پوری طرح سمجھنا چاہیں نہیں سمجھ سکتے۔ ان کا اس بارے میں سمجھنا کچھ اس طرح کا ہوگا جیسے ایک اندھا سرائے میں آ جائے جہاں ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہو مگر اس کا پاؤں کبھی ایک چیز سے ٹکرائے اور وہ کہے یہ چیز راستہ میں کیوں رکھی ہے اور پھر ٹکرائے اور وہ یہی کہتے حالاں کہ وہ نابینا خود ہی صحیح راستہ نہ چل رہا ہو اور راستہ اسے نظر نہ آ رہا ہو۔

مولانا محمد صلاح ہرات کے باشندے تھے لیکن قزلباش کی فرمانروائی کے بعد سے خراسان سے بخارا چلے گئے تھے اور ہیں سکونت اختیار فرمائی تھی جیسا کہ اس کا بیان آئے گا۔ اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ سمرقند میں آپ کے ایک خاص مرید مولانا سیّد محمد تھے جو شیخ سوختہ کے نام سے مشہور تھے یہ کافی عمر رسیدہ فاضل اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ رسالہ گنج الطالبین میں لکھتے ہیں کہ اس تحریر کے وقت فقیر کی عمر چھیانوے سال ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بھی آپ کچھ عرصہ زندہ رہے۔

واضح رہے کہ اس کتاب میں متعدد مواقع پر بعض بزرگوں کے عراق وخراسان سے ماوراء النہر اور ترکستان اور ہندوستان منتقل ہو جانے کا ذکر آیا ہے کہ قزلباش فتنہ کے باعث انہیں ایسا کرنا پڑا۔ مختصر طور پر اس واقعہ کا بیان کر دینا ضروری ہے تا کہ آئندہ جب بھی اس فتنہ اور یورش کا ذکر آئے اسے سمجھنا آسان ہو۔

مختصراً یہ حادثہ اس طرح پیش آیا کہ ۹۰۰ھ کے قریب بے دینوں کے ایک گروہ نے جنہوں نے شیعہ مذہب اختیار کیا ہوا تھا خروج کیا۔

شاہ اسماعیل بن حیدر جو پانچ واسطوں سے شیخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد میں سے ہیں اگرچہ اس کا اعتقاد و کردار اپنے جدِّ بزرگوار کے طریقہ پر نہیں ہے۔ یہ بلادِ عجم و عراق پر قبضہ کر کے بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ فتنہ روز بروز بڑھتا رہا یہاں تک کہ خراسان کی حدود تک پہنچ گیا۔ یہاں کی حکومت ان دنوں سلطان حسین میرزا اَنَارَ بُرْہَانُہٗ کے فوت ہو جانے اور اس کے بیٹوں کے کمزور پڑ جانے کے باعث ماوراء النہر اور ترکستان کے والی محمد خان شیبانی کے ہاتھ آ گئی تھی جو شاہ بیگ خان کے نام سے مشہور تھا۔ ۹۱۶ھ میں مرد کے مقام پر محمد خان شیبانی اور شاہ اسماعیل بن حیدر کے درمیان معرکہ ہوا۔ خدا کا کرنا کہ محمد خان شیبانیؒ کی فوج کو شکست ہوئی اور شیبانی جنگ میں کام آ گیا۔ شاہ اسماعیل نے مرد میں غارت گری شروع کر دی اور ہرات کی طرف بڑھا اور اپنے باطل مذہب کی ترویج کے لیے اس نے کمر ہمت باندھ لی۔ شہر ہرات ان دونوں سلطان حسین مرزا اور امیر کبیر علی شیر (اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کی کوششوں کو قبول فرمائے) کی کوشش و خدمت کے باعث عارفین و علماء کا مسکن بن گیا تھا اور یہاں بڑے بڑے بزرگ جمع تھے۔ قزلباش کے خونی ہاتھوں سے بعض بزرگوں نے اپنے جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ شہید ہوئے۔ بعض دوسرے قریبی ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔

جو بزرگ اس فتنہ کے دور میں شہید ہوئے اور ان نیک بختوں کے زمرہ میں نمایاں ہوئے۔ وہ شیخ الاسلام علّامہ الانام حضرت مولانا سیف الدین تفتازانی تھے۔

مولانا سیف الدین تفتازانی اعلم المحققین والمدققین حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی کے نواسے تھے (رَوَّحَ اللّٰہُ مہما) اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کی ارواح کو

راحت و آرام میں رکھے یہ معقول و منقول اور فروع و اصول تمام علوم میں یگانہ روزگار تھے اور دین و دیانت اور تقویٰ میں اس زمانہ میں ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ چالیس سال سے زیادہ یہ خراسان میں طالبانِ علم کے لیے بذریعہ تدریس و تصنیف باعثِ فیض رہے تھے اور ان کی بعض تصنیفات ایسی تھیں جیسے حاشیۂ تلویح اور حاشیۂ شرح وقایہ جو ساری دنیا میں مشہور تھیں۔ اور ان کے عظیم شاگردوں میں ایسی ہستیاں بھی تھیں جیسے حضرت مولانا عصام الدین ابراہیم، مولانا عبد العلی برجندی، مولانا احمد جند، مولانا حنفی، مولانا شمس الدین، محمد بحر آبادی، مولانا حاجی تبریزی، میر ابو البقاء، مولانا ناصر وغیرہ کثیر البرکات والتصنیفات علماء جو تمام دنیا میں مشہور تھے۔ **رَحِمَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ**۔

شیخ الاسلام مولانا سیف الدین تفتازانی کی شہادت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ عالم تراکمہ اپنے بادشاہ کے کہنے پر گذشتہ سال کے جمعوں میں سے ایک جمعہ کو کنعان کی مسجد میں جمع ہوئے اور مولانا زین الدین خطیب رحمۃ اللہ علیہ پر زور دیا کہ وہ حضرات خلفاء ثلاثہ (حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر لعنت ملامت کریں۔ اور انہیں ڈرایا دھمکایا کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ مولانا مردانہ وار منبر پر تشریف لے گئے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی جو واہب العطیات (عطا کرنے والا) ہے اور سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کی نعت پڑھی۔ جب آپ خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی منقبت پر پہنچے تو آپ کو اسلام کی غیرت و حمیت آ گئی۔ اس دار فانی کی تکلیف اور اذیتوں پر حق تعالیٰ کی رضا اور جاودانی کا تصور آپ پر غالب آ گیا۔ آپ نے رضائے الٰہی کو اپنے لیے پسند فرمایا آپ کی آنکھیں پُرنم ہوئیں اور آنسوؤں کے چند قطرے آپ کے رخسار مبارک پر گرے آپ نے ارشاد فرمایا اتنے سالوں سے میں اہلِ

سنت والجماعت کے طریقہ پر خطبہ پڑھتا چلا آیا ہوں آج اگر بالفرض میری نوعمری ہوتی (صبح ایامِ حیات) اور میں دو جہان کے اس خسارے کے سودے سے اپنی جان کی حفاظت کرتا اور اسے بچاتا تب بھی بُرا ہوتا چہ جائیکہ اب جبکہ میرا بڑھاپا ہے۔ میں ایسی بے دینی و بددیانتی کا ارتکاب کروں۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں آپ نے یہ فرمایا اور حضرات صحابہؓ کے اسمائے گرامی کو پوری تعظیم و ادب سے پڑھنا شروع کیا یہ سننا تھا کہ ظالم تراکمہ نے ان روشن صفات والے روشن ضمیر والے بزرگ کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا۔ منبر سے نیچے گرایا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اکابر دوسرے گوشوں میں چلے گئے۔ دوسرے دن شاہ اسماعیل بن حیدر نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیف الدین تفتازانی کو بلایا اور ان سے کہا حیف تیرا شیخ اتنا دشمند پھر بھی غلط راہ پر چلا گیا۔ آ تو شیعہ مذہب قبول کر لے اور صحابہ کو گالیاں دے ان پر لعنت ملامت کر۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اے بچے تو دین کو کیا جانے کہ مجھے اس کا سبق پڑھا رہا ہے۔

ان لوگوں کو لے آ جنہیں اس دین کے بارے میں زور آوری کرنی ہو۔ اگر ان کی بات لوگوں کے دل کو لگے تو اس کے مطابق عمل کر۔ اور اگر میں اپنے دین کی برتری لوگوں پر واضح کر دوں تو پھر تو اپنا مذہب چھوڑ دے یعنی شیعہ مذہب چھوڑ کر اہلِ سنت والجماعت کا مسلک اختیار کر۔ شاہ اسماعیل بن حیدر نے یہ سن کر روئے سخن اپنے علماء کی طرف کیا اور کہا ہاں کہو کیا کہتے ہو وہ علماء گھبرا گئے اور بولے کہ ان لوگوں کے ساتھ باتوں میں نہیں جیتا جاسکتا۔ چناں چہ بادشاہ اب شیخ الاسلام کے ساتھ خشونت و بدتمیزی کے ساتھ پیش انے لگا اور اپنے باطل مذہب کو اختیار کرنے پر زور دینے لگا۔ شیخ الاسلام نے اب اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی اور پورے جوشِ ایمانی کے ساتھ مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کی تشریح شروع کر دی اور جو کچھ کہنا تھا کہا اچانک تیرہ بخت بادشاہ نے ایک تیر شیخ الاسلام کے سینہ میں پیوست

دیا۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے وہ تیر نکالا۔ حضرت کے سینہ سے خون کا ایک فوارہ پھوٹ نکلا اور سارے کپڑے خون خون ہو گئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے وہ خون اپنے چہرۂ مبارک پر ملا اور فرمایا:

"الحمد للہ والمنّتہ کہ پس از ہشتاد سال عمر بر اثبات دین حق وابطال مذہب باطل محاسن خود را بخونِ شہادت رنگین دیدم"۔

(خدا کا شکر ہے احسان ہے کہ اسی سال اپنی عمر سچے دین کو سچا ثابت کرنے اور مذہب باطل کو باطل ثابت کرنے کے بعد اب میں اپنے کپڑوں کو خونِ شہادت سے رنگین دیکھ رہا ہوں)

بادشاہ نے غصّہ میں حکم دیا کہ شیخ الاسلام کو ایک اونچے درخت پر لے جاؤ اور پھر اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو تا کہ ملّت بیضا کے درخت کا یہ باغبان

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (ابراہیم:۱۴:۲۴)

(اس کی جڑیں مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں)

مع اس درخت کے نیچے زمین پر آ رہے۔ آپ کو اس وقت بڑے بازار میں لائے اور آپ کی لاش کو جلایا۔ مگر پوری کوشش کے باوجود آپ کا سینۂ مبارک نہ جلا اور عرصہ تک ان فرشتہ اوصاف علامہ کا جسم مبارک اس ظالم گروہ پر لعنت ملامت کا سبب بنا رہا۔

رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

(اللہ پاک ان پر اپنی وسیع رحمت فرمائے)

نسمہ:

وقت پڑنے پر جان پر کھیل جانا اور جسم کو خاک میں ملا دینا محبت کے تقاضوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ ابوالخیر تینانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''حب دو حرف است: حا و با۔ حا اشارت ست بہ روح د با ایماء بہ بدن، یعنی ہر کہ راہ دوستی پوید دست از جسم و جان بشوید''۔

(حب جس کی محبت کے ہیں دو حروف مل کر بنا ہے: ایک (ح) اور دوسرے (ب)۔(ح) اشارہ ہے روح کی طرف اور (ب) بدن کی طرف یعنی جو دوستی کے راستہ میں دوڑا اس نے اپنے جسم و جان سے ہاتھ دھوئے)

مولانا زین الدین خطیبؒ اور شیخ الاسلام مولانا سیف الدین تفتازانیؒ کی شہادتوں کے ان واقعات کے بعد بقیہ بزرگانِ دین و عارفین نے حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق خراسان سے مختلف اطراف میں ہجرت فرمانا شروع کی بعض بزرگوں کو تو ماوراء النہر کے سلاطین خود اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے اور بعض نے خراسان ہی میں دور دراز خفیہ گوشے اپنے لیے پسند فرمائے۔ بیت:

چوں کہ نامحرم درآید از درم
پردہ در پنہاں شوند اہلِ حرم
(جب میرے گھر سے نامحرم نکل آیا تو اہلِ حرم پردہ میں چھپ گئے)

واضح رہے کہ ان بزرگوں کے علاوہ جن کا ذکر ہوا اور بھی بہت سے ایسے علماء و صلحاء تھے جو حضرت مخدوم الانام مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ سے بہرہ مند ہوئے تھے لیکن حضرت مخدوم کا افاضۂ نسبت و تعلیم طریقت میں چوں کہ آئین و طریق ایماء و اشارہ تھا اور وضاحت کے ساتھ امر سلوک کا کسی کے لیے اظہار نہ فرمایا تھا اس لیے آپ کے بہت سے مُنتسِبِین کے حالات اخفاء میں رہے اور نہ معلوم ہو سکے۔

☆ حضرت ملا نا شروانی رحمۃ اللہ علیہ:

امیر علی شیر اپنے تذکروں میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا شروانی جو مشہور عالم ربانی تھے اور

۹ھ میں شہید ہوئے تھے وہ بھی حضرت مخدوم مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے مریدوں میں سے تھے اور آپ سے استفادہ کیا تھا۔

☆ حضرت مولانا حسین واعظ رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا فخر الدین نے ''رشحات'' میں حضرت مخدوم کے حالات کے بیان میں اس سِرّ و کتمان اور حضرت مخدوم کے امر سلوک میں وضاحت کے ساتھ کسی کے لیے اظہار نہ فرمانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چناں چہ اس سلسلے میں خود اپنے والد بزرگوار مولانا حسین واعظ مفسّر اور مُذکّر کی نسبت حضرت مخدوم کی طرف بیان کی ہے۔ ان کے خواب دیکھنے اور حضرت مخدومؒ کے اس کی تعبیر بتانے کا واقعہ لکھا ہے۔ حضرت مولانا حسینؒ کا انتقال ۹۱۰ھ میں ہوا اب جبکہ ان مشہور واعظ کا اسمِ گرامی اور ان کے انتساب کا ذکر آیا ہے تو ان کے چند مفید کلمات اور نکتے اگر ہم اس کتاب میں نسمہ کے طور پر پیش کر دیں تو کیا عجب ہے کہ ان بزرگوں کے ارشادات نقل کرنے کے باعث ہمیں شفاعت نصیب ہو جائے۔ منہا۔

نسمہ:

جواہر التفسیر آپ کی بہترین تالیف ہے۔ اس میں استعاذہ (پناہ مانگنا) کی تفسیر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ اس کے تین درجے ہیں ... مقامِ تجلی افعال کے وقت استعاذہ مقامِ تجلی صفات کے وقت استعاذہ اور مقامِ تجلیات ذاتیہ کے وقت استعاذہ۔

سالکِ راہ جب مقامِ تجلی افعال میں پہنچے اور اس کو یہ مشہود ہو کہ صورِ مظاہر میں سے کوئی فعل ظاہر نہیں ہوتا مگر فاعلِ حقیقی (خدا) کی طرف سے جیسا قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو

تو اس مرتبہ میں اس کا استعاذہ ان افعال سے ہے جو ان تجلیات کے آثار ہیں اور جب سالک تجلی صفات کے درجہ کو پہنچتا ہے اور اس پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ کوئی صفت اور کمال ثابت نہیں ہے مگر حق سبحانہٗ کے لیے اور اہلِ نسبت کے ساتھ اس کی نسبت کرنا محض عاریت ہے اس مرتبہ میں اس کا استعاذہ صفات قریہ (جن صفات سے خدا کا قہر اور غصّہ ظاہر ہوتا ہے) سے صفاتِ لطیفہ (جن صفات سے رحمتِ خداوندی ظاہر ہوتی ہے) کی طرف ہوگا اور اِسْمِ الْمُضِلّ کے مقتضیات یعنی شیطان اور اس کے متبعین جو اس اسم کے مظاہر آثار ہیں، سے پناہ مانگنا ہے اِسْمِ الْہَادِیْ کے ساتھ کے انوارِ ہدایت انبیاء علیہم السّلام اور ان کے اتباع کرنے والوں پر ڈالے جاتے ہیں، اور جب سالک پر تجلیاتِ ذاتیہ ضوفگن ہوں اور **کُلُّ شَئیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ**۔

(ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے سوائے ذاتِ باری کے) کا منشاء و مقصد اس کا حق الیقین بن جائے تو اس مرتبہ میں اس اس کا استعاذہ ذات سے ذات کی طرف ہوگا جو نہایت بلند اور مقدس ہے قرب فرائض کے ذریعہ جیسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندہ خاتم الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبان مقدس سے استعاذہ کے تین مرتبوں کی طرف اشارہ فرمایا:

پہلا مرتبہ **اَعُوْذُ بَعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ** (میں تیرے عذاب سے تیری معافی کی طرف پناہ چاہتا ہوں) اور دوسرا مرتبہ **بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ** (تیرے غصّہ سے تیری رضا کی طرف پناہ چاہتا ہوں) اور تیسرا مرتبہ **اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ**[1] (تجھ سے تیری طرف پناہ چاہتا ہوں)۔

استعاذہ کے تیسرے مرتبہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عاجز حقیر عارفین کے

---

[1] یہ اشارہ ہے اس دعا کی طرف جو مشکوٰۃ کے باب السجود اور باب الوتر میں آئی ہے۔

یا شیخ قطب الدین محمد الراعش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک حضرت نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی طرف توجہ فرمائی۔ ابھی اعوذ باللہ بھی پوری طرح ادا نہ فرمائی تھی کہ آپ پر وجد وسکر کی کیفیت طاری ہوگئی۔ کافی وقت کے بعد جب آپ مقامِ صحو میں واپس آئے تو آپ کی زبانِ مبارک پر یہ شعر جاری ہوگیا:

گفتم اعوذ غیر تو در خاطرم نبود

دیدم کہ ہم ز توبہ تو آوردہ ام

(میں جب اَعُوْذُ کہوں تو میرے دل میں تیرے علاوہ کوئی نہ ہو اور میں دیکھوں کہ میں تجھ سے تیری طرف تیری ناپسند سے تیری پسند کی طرف آرہا ہوں)

نسمہ:

بسم اللہ کے معنی کی تشریح میں آپ نے فرمایا کہ اس میں ۱۹ حروف ہیں اور یہ ان انیس گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتی ہے جو زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔ (نوزوہ زبانیۂ دوزخ مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ) بزرگوں نے اس کی تشریح میں یہ بھی لکھا کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ ان میں پانچ گھنٹے نماز کی تیاری اور دوسری ضروری مصروفیات کی تیاری میں گزرتے ہیں اگر بقیہ انیس گھنٹے اس کی اطاعت میں نہ گزریں تو ضائع ہوگئے۔ ایسی صورت میں بسم اللہ کے انیس حروف کا ادا کرنا اس کا تدارک کرنا ہے۔

عارفین نے یہ بھی لکھا کہ اے سالک راہ اس بسم اللہ میں (ب) ہدایتِ سلوک شناس (سلوک شناخت کرنے والے کی ابتداء) کی طرف اشارہ کررہی ہے اور (س) سّر معرفت (معرف خداوندی کا راز) کی طرف۔ اس دنیا کو تو ایک نگارخانہ تصور کر جہاں ہر ایک تصویروں میں محو اور ڈوبا ہوا ہے۔ تیرے لیے اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک تو اس راہ کا شہسوار نہ بنے ہدایت کی (ب) اور انانیت کی (الف) سے یعنی جب تک تو شروع

سے ہمت سے کام نہ لے گا۔ شناخت کی (ش) کو نہ پہنچے گا اور جب تک سّر معرفت کی (س) کے لیے استعداد نہ پیدا کرے گا۔ مراد کی (م) کا راستہ نہ پائے گا۔

نسمہ: بسم اللہ کی (ب) کے اسرار کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ قرآنِ مجید۔ تمام قرآنِ مجید کے جواہر پاروں کا خزانہ سورۂ فاتحہ۔ سورۃ فاتحہ کے سارے حقائق بسم اللہ میں پوشیدہ اور بسم اللہ کے سارے مقصد اس کی (ب) میں مضمر ہیں۔ یہ با (ب) جس کے معنی ساتھ کے ہیں (باحیاء بےحیاء) باغیرت۔ بےعزت وغیرہ وصال یا اتصال ملنے اور متصل ہونے کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ تو لفظ بسم اللہ میں عقلمندوں کے لیے تنبیہ ہے کہ ان کے ہر عمل کا مقصود اور اصل غرض وصولی الی اللہ ہونی چاہیے کلامِ پاک کے شروع ہی میں اس حروف کا لانا گویا اسی وصال کی یاددھانی کرایا ہے۔

اس حرف (ب) کو الف کے بعد دیگر تمام حروف پر جو شرف و بزرگی حاصل ہے اس کے راز کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی وہ واحد سورت جو بسم اللہ سے نہیں شروع ہوتی (یعنی سورۂ براٗۃ) وہ بھی اسی (ب) سے شروع ہوتی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (براٗۃ کی (ب) جس سے لفظ براٗۃ شروع ہوتا ہے۔

نیز تفسیر بحرالحقائق سے نقل فرماتے ہیں کہ روز الست ارواح بنی آدم اَلَسْتُ بِرَبِّكُم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اعراف ۱۷۲) کے جواب میں جو لفظ کہا وہ لفظ بلیٰ (ہاں۔ کیوں نہیں) تھا اور یہ لفظ بھی اسی حرف (ب) سے شروع ہوتا ہے تو قرآن مجید کے بسم اللہ سے شروع ہونے میں اشارہ ہے کہ بندہ کو چاہیے شروع ہی میں روز الست کو یاد کرے جب اس نے اپنے رب سے بندہ ہونے کا اقرار کیا تھا اور یہ مانے کہ قرآنِ مجید روزِ میثاق کا عہد نامہ ہے۔

راقم الحروف (ہاشم کشمی) عفی عنہ کے ذہن میں اسی روز الست کے سوال و جواب

میں جو دو پہلے حرف (اَلَسْتُ کا اَلِف اور بَلٰی کی ب) استعمال ہوئے ہیں ان کے متعلق دو خوبصورت نکتے آئے ہیں جو لکھے جاتے ہیں۔

نکتہ اولیٰ: ممکن ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال کا الف کے حرف سے شروع کرنا اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کی روحِ مبارک اور تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے جواب بلیٰ کا (ب) کے حرف سے شروع کرنا اس میں اشارہ ہو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے مرتبۂ احدیث ذات سے تنزل کی طرف تنزل مرتبۂ احدیث ذات سے تعین اوّل کی طرف کہ حقیقتِ محمدیؐ ہے تمام حقائق کی روح یعنی اس جمالِ خداوندی کو جس آئینہ کی ضرورت ہے وہ حقیقتِ محمدیؐ کا آئینہ ہے اسرارِ حروف کے محققین نے الف میں ذات احدیث کی طرف اور (ب) میں تعین اوّل کی طرف اشارہ رکھا ہے۔

نکتۂ ثانیہ: انسان اللہ کا خلیفہ ہے اور (ب) الف کی خلیفہ (یعنی اس کے بعد کا حرف) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے سوال کے شروع میں اپنی حقیقت ذاتیہ کی طرف اشارہ کیا اور انسان نے اپنے جواب کے شروع اپنے مرتبۂ عامہ کی طرف۔

یہ جو ہم نے کہا کہ (ب) حرف اللہ کی خلیفہ ہے یہ حضرت شیخ اکبر محی الدین بن العربی کے کلام سے ماخوذ ہے۔ ایک یہودی نے حضرت شیخ سے کہا کہ تم مسلمانوں کو بھلا توحید سے کیا واسطہ۔ توحید کے معنی ایک اور تمہارا تو قرآن ہی (ب) سے شروع ہوتا ہے جو دو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا تمہاری کتاب بھی اسی حرف (ب) سے شروع ہوتی ہے اس لیے کہ تورات کے شروع میں بھی بسم اللہ ہے پھر تمہیں بھی توحید کا کون سا حصہ ملا۔ اور بات اصل میں یہ ہے کہ حقیقت اسی حرف (ب) سے متمکن اور واضح ہوتی ہے جو الف کا نائب اور خلیفہ ہے اس لیے کہ الف سے ابتداء مشکل ہے۔

نسمہ:

مولانا یعقوب چرخی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

بندہ باید از ہر اسمے از اسماء الٰہی بہ نصیب خاص از مسمّٰی محظوظ گردد و بہ آں عمل کند تا مظہر آں شود۔

(بندہ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر نام سے اپنا خاص حصہ حاصل کرے اور اس پر عمل کرے تا کہ اس اسمِ الٰہی کا مظہر بن جائے)

مولانا حسین واعظؒ اس ارشاد کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ رحمٰن و رحیم اسماء سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ کثیر الرحمہ (بہت مہربان) ہو۔ جو شخص بھی اس کے قریب آئے اس کی مہربانی اسے پہنچے۔

نسمہ:

مولانا حسین واعظ اپنی مختصر تفسیر ''جواہر التفسیر'' میں آیتِ کریمہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** (ہمیں سیدھا راستہ دکھا) کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ حضرت قطب العارفین غوث الواصلین ناصر الحق والدین خواجہ عبید اللہ جن کا لقب خواجہ احرار ہے قدس سرہٗ انہوں نے اس بارے میں ایک بہت اونچا نکتہ اور پیاری بات فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ اس کے معنی ہیں ہمیں سیدھا راستہ دکھا یعنی ہمیں محبت ذاتیہ سے مشرف فرما تا کہ اپنے اور غیر کے التفات سے کٹ کر ہم پوری طرح تیرے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں۔

''جز تو ندانیم و جز تو نہ بینیم و جز تو نہ اندیشم''

(نہ ہم تیرے علاوہ جانیں نہ تیرے علاوہ دیکھیں نہ تیرے علاوہ کسی کے بارے میں سوچیں)

یعنی ہر چیز میں پہلے تیری رضا دیکھیں۔ یا یہ کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا یعنی وہ راستہ جو ہر موجود کے مقابلہ میں تیرا ہے کہ وہ موجود نہ اس کے بغیر پیدا ہوا نہ درجۂ کمال کو پہنچا یہاں

، کہ ہر حال میں ہم تیرے در کے علاوہ کسی کو نہ دیکھیں اور تیرے غیر کی توجہ سے آزاد ہو جائیں۔

مولانا حسین واعظؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت قطب الاولیاء خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی بعض ایسی تصنیفات سے بھی اقتباسات نقل کیے ہیں جو غیر مشہور ہیں مثلاً پورے کلامِ مجید کی آپ کی تفسیر یا شرح قصیدۂ تائیہ یا کتاب وصایا کما لا یخفٰی (جیسے پوشیدہ نہیں ہے)۔

☆☆☆

مقصدِ اوّل ...... فصل سوم

حضرت مولانا علاء الدین مکتب دار رَحِمہُ اللہ
کے بعض مستفیدین کے حالات کے بیان میں ہے۔

مولانا غیاث الدین احمد قدس سرہٗ:

یہ حضرت مولانا علاء الدین کے بڑے صاحبزادے تھے۔ یہ بہت بڑے عالمِ دین اور صاحبِ معرفت و یقین تھے۔ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس سرہٗ کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا تھا لیکن اکتساب حضور وصفا اپنے والد ماجدؒ کی خدمت میں لیا۔ حضرت مخدوم جامیؒ قدس سرہٗ کی نظرِ عنایت بھی ان پر رہی ہے ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا مولانا علاء الدین اور آپ کے فرزند مولانا غیاث الدین کی سرشت پاک مٹی سے ہوئی ہے یعنی یہ دونوں بہت نیک طینت ہیں۔ مولانا علاء الدین اپنے ان فرزند کے حق میں فرماتے ہیں کہ ہمارا علاء الدین کوئی ایسا ویسا نہیں ہے اور مولانا نور اللہ جن کا پہلے ذکر گزرا انہوں نے بارہا فرمایا:

جان ما مشتاق مولانا غیاث الدین احمد است

(کہ ہمارا دل مولانا غیاث الدین احمدؒ کا مشتاق ہے) مولانا محمود قواسؒ فرماتے ہیں

، دن مولانا شمس الدین محمد روجیؒ نے کہا میری خواہش ہے کہ میں مولانا غیاث الدین احمد کے حق میں اجازت نامہ لکھ کر دوں تا کہ لوگوں کو اس سلسلہ عالیہ کی تعلیم کا طریقہ بتائیں فرمایا لیکن میرے اندر اس کام کی صلاحیت نہیں ہے۔ مولانا محمود قو اس فرماتے ہیں۔ میں نے ان کا یہ قول مولانا نور اللہ کو بتایا تو وہ فرمانے لگے مولانا غیاث الدین احمد دس روجی کے برابر ہیں۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اس لیے کہ اہلِ اللہ کے حالات گمنامی و بے یقینی میں ہوتے ہیں اور دوسرے شہرت وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ من کلماتہٖ۔

نسمہ:

مولانا محمود حضرت مولانا غیاث الدین سے نقل کرتے ہیں کہ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے **وَمِنَ الْعِصْمَةِ اَنْ لَّاتَقْدِرَ** (کہ حق تعالیٰ کا تجھے ایک محفوظ رکھنا یہ بھی ہے کہ تجھے گناہ پر قدرت نہ دیں) بزرگوں نے فرمایا ہر شخص طاعت کر سکتا ہے لیکن گناہوں سے دور ہونا یہ صدیقین کا کام ہے۔

راقم الحروف (ہاشم کشمی) کہتا ہے کہ اپنے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں سلسلہ نقشبندیہ میں ریاضتیں اور مجاہدے نہیں ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس طریقۂ عالیہ کی بنیاد مناہی اور بدعات بلکہ رخصت سے بھی دور رہنا ہے (مناہی۔ وہ بری چیزیں جن سے شریعت میں روکا گیا ہے۔ بدعات، دین میں وہ اضافے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت موجود نہیں۔ رخصت وہ شرعی حکم جس کی بعض حالات میں اجازت دے دی گئی ہو اگر چہ اس کے بالمقابل اصل حکم یعنی عزیمت پر عمل کرنا افضل ہو) اور کوئی ریاضت نفس کے لیے اتنی مشکل اور دشوار نہیں جتنا ان چیزوں سے بچنا۔ محققین نے فرمایا ہے کہ جو ریاضت از قبیل ترک ہے جہاں کسی چیز کو چھوڑنے یا اس سے بچنے کو کہا گیا ہے وہ نفس کے لیے اس ریاضت سے زیادہ مشکل ہے جو از قبیل فعل ہے یعنی جہاں کسی

چیز کے کرنے کو کہا گیا ہے۔

نسمہ:

مولانا غیاث الدین فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جامیؒ قدس سرہ کے رسائل سے رخصت عام سمجھ میں آتی ہے کہ جب چاہیں ہر رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ طریق مشغولی کو انہوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے لکھ دیا تم پڑھو اور جیسا چاہو کرلو بلکہ رخصت کو اتنی زیادہ وضاحت کے ساتھ انہوں نے اس لیے لکھا تاکہ مسلمانوں میں اس وسعت کو دیکھ کر عمل کرنے کی ترغیب پیدا ہو اور وہ اس بارے میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ کی روح پرفتوح سے مدد طلب کرتے ہیں اور آپ کی روح شریف ایسی ہے کہ جو کوئی بھی پورے اخلاص سے آپ کی طرف متوجہ ہوگا اور آپ کی روح شریف سے مدد چاہے گا تو جو اس کے لیے حق وصواب ہوگا وہ ایک دن اسے ضرور مل جائے گا اور نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

نسمہ:

سالکانِ طریقت میں سے ایک طالبِ علم نے حضرت سے پوچھا کہ اگر میں سبق کی طرف متوجہ ہوں تو نسبت ہاتھ سے جاتی ہے تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا جب تک کوئی مطالعہ میں مشغول ہے معذور ہے اس لیے کہ اگر وہ متوجہ نہ ہوگا نہ سمجھے گا اور مجہول رہ جائے گا۔

راقم (ہاشمی کشمیؒ) عرض کرتا ہے کہ مولانا غیاث الدین احمدؒ کی یہ بات خصوصاً معنی کے اعتبار سے وہی ہے جو حضرت مولانا عبدالغفور لاریؒ نے حضرت مولانا محمود قوامؒ سے کہی تھی جیسا کہ گذشتہ اوراق میں گزرا ہے۔ ممکن ہے معذور ہونے سے مولانا غیاث الدینؒ

مراد یہ ہو کہ جب طالبِ علم خالص نیت سے پڑھے گا اور مطالعہ کرے گا تو وہ عین ذکر ہے تولامحالہ جب وہ ایک ذکر میں مشغول ہے تو دوسرا ذکر نہ بجالا سکے گا۔

مولانا محمود نے جو چیز نقل کی وہ اس کی مؤید ہے کہ ایک طالبِ علم جو ذکر میں مشغول رہنے کے باعث اپنے اندر پڑھائی اور مطالعہ کے لیے کم ذوق پاتا تھا۔ حضرت مولانا شمس الدین محمد روجی قدس سرہٗ سے عرض کرنے لگا کہ میں خود کو تحصیلِ علوم میں پست محسوس کرتا ہوں۔ مولانا نے اس سے پوچھا کہ دن رات میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں اس نے کہا چوبیس۔ آپ نے فرمایا اس میں مطالعہ سیر کے لیے کتنا وقت نکالتے ہو۔ فرمایا تم صرف تین گھنٹے طاعت میں گزارتے ہو کیا چاہتے ہو کہ بالکل چھوڑ دو۔

مولانا محمود یہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ظاہراً اس طالبِ علم کی مشغولی اصل نہ تھی۔ نیز فرمایا:

"آرے اگر ترا از تو بگیرند بہ خود مشغول گردانند ترک کردن تو عین صلاح ست"

(ہاں اگر وہ تجھ کو تجھ سے لے لیں اور اپنے ساتھ مشغول کرلیں تو تیرا ترک کرنا عین صلاح و نیکی ہے)

راقم عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ مولانا محمودؒ نے خود فرمایا کہ وہ طالبِ علم مشغول کے باعث اپنے آپ کو کم ذوق محسوس کرتا تھا اور تحصیلِ علم سے اسے بے رغبتی ہوگئی تھی اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ اس طالبِ علم کی مشغولی اصلی نہ تھی۔ اِلٰی آخِرِ قَوْلِہٖ۔

نسمہ:

جب تک ذوق کا اس طرح غلبہ نہ ہو کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر ان کا ہو رہے تحصیلِ علوم نہ چھوڑنا چاہیے اس لیے کہ جب تک تو خود درمیان میں ہے نفس کے لیے مزاحمت کا موقع ہے۔ ممکن ہے کہ علوم دین حاصل کرنے سے بے رغبتی نفس کی کاہلی اور سستی کے باعث ہو

اس لیے کہ علومِ دین حاصل کرنا کارِ خیر ہے اور نفس کی کاہلی تجھے اس نیک کام کے لیے کمر ہمّت باندھنے سے روکتی ہے۔ بعد میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نفس کی سستی تجھے دونوں ہی کاموں سے روک دے، طاعت سے بھی اور تحصیلِ علم سے بھی۔ لیکن جب تیری خودی درمیان سے چلی گئی تو اب تیرا کام دوسری ہستی کے پاس آ گیا۔ یہاں اب وہ بات نہیں ہے۔ یہاں نہ ترک تیرا ہے اور نہ فعل تیرا ہے۔ مولانا نے جو ترک تیری طرف منسوب کیا ہے کہ:

که ترک کردن تو عین اصلاح ست

(تیرا ترک کرنا عین صلاح ہے)

تو یہ باعتبار ما کان کے ہے کہ ہو چکا اور اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال زیادہ جانتا ہے اور یہ جو مولانا محمود نے اس طالبِ علم کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف تین گھنٹے طاعت کے شمار کرائے اس پر غور کرنا چاہیے۔ ممکن ہے ایک یہ بات بھی ہو کہ اس میں اس طالبِ علم کے لیے تنبیہ ہو کہ علوم دینیہ حاصل کرنے میں سستی اسی کا نتیجہ ہے۔ یا یہ ہو کہ انہوں نے اس طالبِ علم کے ذکر کو نفس کی کاہلی و سستی سے خالی نہ دیکھا ہو اور وہ ذکر جس میں کاہلی و سستی کو دخل ہو بزرگوں نے اس کو ذکر نہیں شمار کیا ہے بلکہ علوم حاصل کرنے کو وقت کے تقاضے کے مطابق عظیم طاعت جانا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بزرگانِ دین کا عمل یہ رہا ہے کہ اگر حصولِ علم کی تکمیل سے پہلے ان کے پاس کوئی طالبِ علم آتا اور حصولِ علم سے سرد مہری کرتے ہوئے ان بزرگوں کے اوراد و وظائف میں مشغول ہونا چاہتا تو وہ اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جاؤ اور علومِ دین حاصل کرنے کا نیک کام پہلے مکمل کرو۔

مولانا محمود اس سلسلے میں ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ فتح اللہ نام کا ایک طالبِ علم

ناغیاث الدین احمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت میں حصولِ علم میں خود کو بے رغبت پاتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا جب تک تم اس بارے میں حضرت مخدوم مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ سے نہ پوچھ لو علم حاصل کرنا نہ چھوڑو۔ وہ حضرت مخدومؒ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں سے اور کس کام کے لیے آئے ہو۔ اس طالبِ علم نے حصولِ علم سے اپنی بے رغبتی حضرت کو بتائی۔ حضرت نے فرمایا تو تیرا حیلہ جذبہ ہے۔ یا تو عاشق کی جگہ ہے یا تو نے اولیاء اللہ کے کچھ ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے۔ طالبِ علم نے کہا میں نے بزرگوں کے کچھ ملفوظات دیکھے ہیں۔ آپ نے پوچھا تو کیا پڑھتا ہے۔ اس نے کہا ''شروح شمسیہ''، حضرت مخدوم جامیؒ نے ارشاد فرمایا جا پہلے اسے پورا کر اور جو مذہب بھی تیرا ہے اس کا مختصر مطالعہ کر اور چند حدیثیں بھی یاد کر پھر خدا پرستی میں مشغول ہو۔

مولانا غیاث الدین احمدؒ کی وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ آپ مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے مقبرہ میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ۔

الف۔ مولانا نظام الدین حسین قدس سرہٗ:

یہ مولانا غیاث الدین احمدؒ کے فرزندِ گرامی تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے ظاہری و باطنی کمالات سے بہرہ مند ہوئے اور والد کے انتقال کے بعد مرجع طالبانِ طریقت بنے۔ بیت اللہ شریف اور سیّد الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مصر و شام میں بھی بہت سے بزرگوں سے صحبتیں رہیں پھر وطن مالوف واپس لوٹے اور ۹۵۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک مولانا سعد الدین کاشغریؒ کی قبر کی تختی کے قریب اپنے دادا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں ہے۔

تسمیہ:

مولانا محمود قواسؒ کہتے ہیں کہ مولانا نظام الدین حسینؒ نے اپنے انتقال سے کچھ پیشتر

اپنے دوستوں، عقیدت مندوں کو بلایا اور فرمایا جن باتوں سے حق تعالیٰ سبحانہ' کا توسل ڈھونڈنا چاہیے وہ تین چیزیں ہیں اور توسل ان میں منحصر ہے۔ حق تعالیٰ کا کلام، حدیث مصطفیٰ ﷺ اور مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کے ملفوظات واقوال۔ دس بیس قرآنی آیتیں۔ سیّد انس و جان ﷺ کی چند احادیث اور اربابِ محبت وعرفان کے چند ارشادات پڑھو اور اس کے مطابق عمل شروع کردو۔

ب۔ میر علاء رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولانا نظام الدین حسینؒ کے سعادت مند صاحبزادے تھے۔ بلند حالات و جذبات اور اچھی گفتار کے مالک تھے ایک فاضل نے لکھا ہے کہ جب حضرت مولانا نظام الدین حسین حجاز کے سفر کے بعد روم تشریف لے گئے ایک رات ایک سیّد کے گھر مہمان ہوئے۔ میزبان کی ایک لڑکی تھی جو دائمی دردِ سر کی مریضہ تھی۔ حضرت مولانا کے مبارک قدم اس گھر میں آجانے کے باعث وہ مریضہ صحت مند ہوگئی اور اس کا دردِ سر جاتا رہا۔ اگلے دن صبح جب مولانا نے رختِ سفر باندھا اور روانہ ہونے لگے اس مریضہ کو دوبارہ شدید دردِ سر شروع ہوا۔ صاحبِ خانہ نے سمجھ لیا کہ اس بیماری کی شفا حضرت مولانا کے مبارک قدموں کے طفیل تھی تو اس لڑکی کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت میر علاء رحمۃ اللہ علیہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ قوم تراکمہ کے دو ظالم شخص جن کا تعلق قاضی محسن سے تھا ایسے وقت حضرت میر علاء کے گھر میں گھس آئے جب کہ آپ گھر پر تشریف فرمانہ تھے انہوں نے اہلِ خانہ کی بے عزتی کی اور لوٹ مار شروع کردی اور آپ کے گھر میں جو کچھ سامان تھا سب اُٹھا کر لے گئے۔ جب حضرت میر علاء کو اس کا پتہ چلا آپ نے ان دونوں ظالموں کا پیچھا کیا اور جب ان تک پہنچ گئے تو آپ نے تیز رفتاری سے انہیں پکڑنے کی کوشش نہ کی۔ اسی وقت ان میں سے ایک لڑکھڑا کر گرا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا

ووسرا عقل کھو بیٹھا اور پاگل ہو گیا۔ قاضی محسن کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا حضرت میر علاء کے پاس آیا اور معذرت پیش کی اور احسان و نیاز مندی کے جذبات کے ساتھ آپ کے سارے نقصان کی تلافی کی۔ قریہ قندز میں حضرت میر علاء کا انتقال ہوا جو قہستان سے ذرا آگے ہے۔ اور وہیں آپ مدفون ہوئے۔

ج۔ شیخ غیاث الدین ثانی المعروف بہ شیخ اگرویؒ:

یہ مولانا غیاث الدینؒ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے بزرگ انسان تھے۔ بطریقِ وراثت اپنے آبائے کرام سے یہ نسبت عالی حاصل کی۔ قزلباش کے ظلم وستم کے باعث خراسان سے ماوراء النہر چلے گئے۔ اور مغاک کی مسجد میں جو قابلِ فخر شہر بخارا کے متبرک مقامات میں سے ہے فقر و فاقہ و مسکنت تمام کی زندگی اختیار کی۔ اسی شہر میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ اگرویؒ نیستی و افتقار و بے تعینی و انکسار اور شورش و تواجد کے مالک تھے اور حضرت مولانا روم کی مثنوی پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ماوراء النہر کا حاکم عبداللہ خاں آپ کے دیدار کے لیے آیا اور چوں کہ اس نے سنا ہوا تھا کہ حضرت صاحب تواجد ہیں۔ انتہائی خوبصورتی و دانائی سے سادہ لوح بن کر اس نے حضرت شیخ سے کہا آپ کی صفت سماع تو ہم نے سنی تھی اب دیکھنے کی آرزو ہے حضرت نے اپنا سر مبارک آگے کر دیا اور چلے گئے۔ عبداللہ خان کو اس گستاخی کا احساس ہوا۔ اس نے حضرت شیخ سے معذرت کی۔ آپ نے اسے بادشاہ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا اشارہ جانا اور بڑے جذبہ کے عالم میں مثنوی مولانا رومؒ سے یہ شعر پڑھا:

ایں ہمہ آواز ہا از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(یہ تمام آوازیں بادشاہ حقیقی کی طرف سے ہیں اگر چہ عبداللہ کے حق سے آ رہی ہیں) اور آپ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور وہ مجلس غایت حضور و کرم اور انتہائی مفید باتوں کی مجلس ہوگئی۔ شیخ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام شیخ عبداللہ تھا وہ بھی بڑے صاحب وجد و سماع تھے اور وہ بھی فضائل صوری کے مالک تھے رحمہم اللہ سبحانہ۔

د۔ مولانا احمد ابیوروی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ مولانا غیاث الدین کے کبار اصحاب میں سے تھے اور بزرگانہ اوصاف کے حامل۔ آخر عمر میں کاشان میں توطن اختیار کر لیا تھا جو قزوین کے قریب ایک شہر ہے۔ یہیں کاشان میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کی اولاد یہیں رہی۔

ر: مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ:

یہ بھی حضرت مولانا غیاث الدین احمد کے یاران صاحبِ احوال میں سے تھے اور بزرگانہ شان رکھتے تھے۔ راقم کو آپ کے حالات جائے پیدائش و جائے دفن وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم نہیں ہوئی ہیں۔ رحمہ اللہ سبحانہٗ

ii۔ مولانا علی ابیوری رحمۃ اللہ علیہ:

انہوں نے حضرت مولانا علاء الدین مکتب دار سے تعلیم حاصل کی تھی اور یہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ کے تربیت یافتہ بھی تھے۔ مولانا جامیؒ کی ان پر بڑی نظر عنایت تھی۔ ایک معتبر دوست نے بتایا کہ وہ اجازت نامہ جو حضرت مخدوم جامیؒ نے آپ کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے دیکھا تھا۔ مولانا علیؒ مولانا غیاث الدین احمدؒ سے بھی بہرہ ور ہوئے تھے۔ قزلباش کے ظہور کے بعد ماوراء النہر کی طرف چلے گئے تھے اور بخارا میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ حضرت مولانا میر کاسکرانی علیہ الرحمہ جو آپ کی صحبت میں

ہے تھے فرماتے ہیں کہ آپ پر نسبت خموشی غالب تھی اور شیخ جلال پر نسبت معرفت و بیان غالب تھی ایک دن میرے ماموں صاحب مولانا فخر الدین علی قدس سرہٗ کے مکان پر یہ دونوں بزرگ مولانا علیؒ اور شیخ جلالؒ خاموشی کی حالت میں بیٹھے تھے کہ اچانک شیخ جلال گرمی میں آئے اور بے اختیار بولنا شروع کر دیا۔ جب ان کی گفتگو نے طول کھینچا تو مولانا علی نے سر اُٹھایا اور یہ رباعی پڑھی:

تا کے ز تصوّف خود بار آوردن
برجائے یکے نکتہ ہزار آوردن
خاموش کہ حاصل ہمہ یک سخن است
روئے ازہمہ تافتن بہ یار آوردن

(تصوف کی باتوں سے آخر کب تک ذہن کو اتنا بوجھل کرو گے اور ایک نکتہ کے بجائے آخر کب تک ہزار باتیں کرو گے۔ خاموش ہو جاؤ کہ یہ ایک بات تمام باتوں کا خلاصہ ہے کہ سب سے منہ موڑو اور یار سے رشتہ جوڑو)

حضرت شیخ جلالؒ خاموش ہو گئے لیکن ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک گونہ شکر رنجی پیدا ہو گئی۔

صاحب تاریخ رشیدی جو ان دونوں بزرگوں کے ہمعصر ہیں لکھتے ہیں کہ مولانا علیؒ بخارا میں مرجع خواص و عوام ہیں اور سب ان کی بزرگی پر متفق ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے اپنے پیر و مرشد تک اس سلسلۂ عالیہ کے تمام خواجگان کے آپ نے حالات جمع کیے اور اسے کتابی شکل دی ہے اور اس میں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا علاء الدین کی بہت سی کرامتیں اور عجیب و غریب حالات بیان کیے ہیں۔

راقم الحروف عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ مسوّدہ اوراق میں سے چند ورق اس نیاز مند

کے ہاتھ آئے۔ ان اوراق میں حضرت مولانا علاء الدین کے بعض ارشادات اور ان کی بعض کرامات کا ذکر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوراق اسی کتاب مذکور کا ایک حصہ ہیں۔ ان اوراق میں حضرت مولانا علاء الدین سے حکایت ہے وہ اپنے شروع کے حالات بیان فرماتے ہیں کہ اس وقت میں ہرات میں مولانا محمد جاجرمی کے پاس جاتا تھا اس محلّہ میں ایک درویش تھا مغلوب الحال اور مجذوب۔ اس کا نام قطب تھا۔

یہ بازاروں میں پھرا کرتا اور حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کے اشعار پڑھا کرتا تھا لوگ اس کے گرد جمع ہوجایا کرتے اور اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک دن بزازوں کی کارواں سرائے میں اپنے ایک جامہ فروش عزیز کی دکان پر بیٹھا تھا کہ اچانک یہ درویش قطب کارواں سرائے میں آیا جب اس دکان پر پہنچا تو کھڑا ہوگیا اور حضرت مولانا رومؒ کے شعر پڑھنے لگا۔ لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اسی دوران ایک نان فروش سر پر نانوں کی ٹوکری رکھے وہاں پہنچا۔ درویش قطب نے نان فروش کو بلایا اور کہا کون ہے جوان نانوں کا سودا کرے اور ان کی قیمت ادا کرے مجمع میں سے ایک شخص نے وہ سارے نان خرید لیے اور درویش کے سامنے رکھ دیے درویش نے ان روٹیوں کو مجمع میں تقسیم کردیا اور آخری روٹی کے دو حصے کیے آدھا خود رکھا اور آدھا مجھے دے دیا۔ پھر شعر پڑھنے شروع کردیئے۔ مجھے محسوس ہوا میرے اندر تبدیلی آرہی ہے اور میں نے اپنے اندر بے خودی کے آثار محسوس کیے اور یہ بے خودی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگیا اور دوکان سے نیچے گر پڑا۔ میں نے اسی بے خودی میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں کو کھجور کی چھال کے ساتھ میری کمر کے پیچھے مضبوط باندھ دیا ہے اور کئی بار مجھ پر اتنی گرانی ہوئی کہ میں مرنے کے قریب ہوگیا۔ کچھ وقت یہی کیفیت رہی جب مجھے ہوش آیا تو دیکھتا ہوں کہ درویش میرے سرہانے کھڑا ہے کہہ رہا ہے کہ آج میں نے شکار کیا ہے اور کیسا شکار۔ جو لوگ وہاں

رے تھے انہوں نے حضرت مولانا علاء الدین مکتب دار کو بتایا کہ آپ جب بیخود ہو کر دکان سے نیچے گر پڑے تھے تو درویش قطب نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کمر کے پیچھے رکھے اور آپ کو بار بار تیز نگاہوں سے دیکھا اور کبھی اپنے پاؤں چھوتے۔ اس وقت آپ کا رنگ بحال ہونا شروع ہوا اس کے بعد درویش نے اس مصلّٰی کی چار تہ کیں جو اس کے پاس تھا اور میرے کندھے پر ڈال کر کہا:

بیا کہ امشب جائے صحبت ست، آنجا رویم۔ مرابا خود بہ بُر

آ آج رات صحبت کا موقعہ ہے۔ وہاں چلتے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھ لا

دو تین دن رات میں نے اس کی خدمت میں گزارے۔ میرے اندر سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب میں مولانا محمد کے پاس پڑھنے نہ جاؤں گا ادھر جب میں تین دن درس میں حاضر نہ ہوا تو مولانا محمد نے میرے ہم سبقوں سے پوچھا کہ علاؤالدین کہاں ہے۔ طالب علموں نے بتایا کہ حضرت وہ درویش ہو گیا ہے اور درویش قطب کے ساتھ رہتا ہے مولانا نے فرمایا۔ بہر نوع تم اسے میرے پاس لاؤ میں اسے سمجھاؤں گا۔ زیادہ مطالعہ کے باعث شاید اس کے دماغ میں خلل ہو گیا ہے۔ تیسرے دن میرے ہم سبق آئے اور مجھے مولانا محمد کے پاس لے گئے۔ آپ نے بہت سی نصیحتیں کیں اور فرمایا:

درویشی خوب سب۔ امّا اوّل تحصیل کن۔ آنگاہ بدرویشی مشغول شو کہ درویشئ بے علم مسخرۂ شیطان ست۔ ہرگاہ شیطان میخواہد یکے را از کارِ خیر بیرون آرد اوّل بکار خیر دیگر دلالت میکند۔ بعد ازاں از ہر دو بیرون می آرد

(درویشی بڑی اچھی چیز ہے مگر پہلے علم حاصل کرو اور پھر درویشی اختیار کرو اس لیے

کہ بغیر علم کے درویشی شیطانی مذاق ہے۔ جب شیطان تمہیں کسی نیک کام سے ہٹانا چاہتا ہے تو پہلے تو کسی دوسرے نیک کام کی طرف لگاتا ہے۔ وہ ڈھیلا پڑا تو پھر دونوں نیک کام چھڑا دیتا ہے)

مجبوراً میں نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ تقریباً دو سال تک میں درویش قطب سے نہ ملا۔ میں جہاں اسے دیکھتا اس سے نظر بچا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک دن میں ایک مسجد میں شام کی نماز پڑھ رہا تھا اور اتفاقاً درویش قطب میرے پیچھے تھا۔ مجھ سے بالکل قریب۔ میں نے جب سلام پھیرا تو اسے دیکھا اور میرا حال دگرگوں ہوگیا جب اکثر لوگ مسجد سے چلے گئے تو درویش قطب نے کہا ازیں مسجد بوئے آشنامی آید (اس مسجد سے کسی شناسا کی خوشبو آتی ہے) وہ اپنا چہرہ اِدھر اُدھر پھیرتا۔ سونگھتا اور جو کچھ لوگ مسجد میں رہ گئے تھے ان کے پاس جاتا اور پوچھتا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ درویش کی نظر کمزور ہوگئی تھی اور میں مسجد کے ستون کے پیچھے ہوگیا تھا کہ درویش مجھے نہ دیکھے مگر وہ ستون کے پاس بھی پہنچ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور کہا کہ تو کہاں ہے۔ آ گے آ کہ تجھ میں سے ایک دوست کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اور تو نے بھلا کس مسجد میں نماز ادا کی تھی۔ میں نے ناچار اپنا نام بتایا اور سارا قصہ بیان کیا۔ درویش نے کہا آ آ تو کہاں تھا اور مجھ سے کیوں بچا بچا پھرا اور اب تو کہاں ہے۔ میں نے کہا میں مدرسہ بیگم میں ہوتا ہوں۔ درویش نے کہا اگر تو مدرسۂ بیگم میں نہ ہوتا تو میں تجھ سے بھائی چارہ کر لیتا۔ میں نے کہا میں اس مدرسہ سے توبہ کرتا ہوں اور نکلتا ہوں۔ درویش نے کہا کہ کیا بیگم اور کیا میرزا اور کیا یہ دنیا اور آخرت کا درس دینے والے۔ اہلِ اللہ کے سامنے یہ سب بچے ہیں۔ چناں چہ میں نے درویش کی صحبت اختیار کی یہاں تک کہ کچھ زمانہ بعد مجھے مولانائے معظم حضرت سعد الدین کاشغری قدس سرہٗ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔

اسی کتاب میں مولانا علاء الدین سے نقل ہے آپ نے فرمایا کہ یہی درویش قطب ایک دن ایک دوسرے درویش کے ساتھ ایک گھر میں حالتِ مراقبہ میں تھے اور دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ میں پوری احتیاط کے ساتھ گیا اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دونوں مرقب و متوجہ بیٹھے ہیں میں بھی خاموشی سے گیا اور بیٹھ گیا۔ درویش قطب نے سر اُٹھایا اور کہا ارے تو نے عجیب بات کی ہم شیر مارنے کے قریب تھے تو آیا اور موقع ضائع ہو گیا۔ اس بات سے میرے دل میں درویش کا خوف پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر درویش نے کہا خوف نہ کر۔ تو ہم میں سے ہے، تجھے نقصان نہ ہوگا اس کی اس بات سے میرا ڈر جاتا رہا۔

مقاماتِ خواجگی میں لکھا ہے کہ مولانا علیؒ اور مولانا خواجگی میں باہم نفرت تھی ایک دن بخارا میں ایک مجلسِ عزا میں دونوں موجود تھے۔ علماء بھی حاضر تھے۔ بعض علماء نے سماع کے خلاف گفتگو شروع کی۔ یہ دونوں بزرگ خاموش رہے۔ مولانا خواجگیؒ نے پوچھا میّت اُٹھانے سے پہلے قرآن خوانی کیوں منع ہے۔ مولانا محمودؒ نے کہا اس لیے کہ اہلِ عزا تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں۔ سن نہیں سکتے۔ مولانا خواجگی نے فرمایا اس وقت ہم مسجد میں ہیں اور اہلِ عزا دور ہیں۔

حافظ قرآن مجید پڑھیں اس کے بعد فرمایا نعت خوانی شروع ہو۔ چنانچہ مجلس گرم ہوگئی جو لوگ سماع کے خلاف تھے ان میں سے ایک صاحب مست و بے خود گریبان چاک محفلِ سماع میں آئے اور حضرت مولانا کے قدموں میں گر پڑے اور سماع کے بارے میں اپنی رائے بدلی مولانا علیؒ اور مولانا خواجگی باہم بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کے کاندھوں اور کانوں کو بوسہ دیا مولانا علی نے مولانا خواجگی کے سامنے یہ مصرع پڑھا:

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کر دی!!

خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے ہمیں خوش کر دیا

حافظ بصیر واعظ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا اسمِ گرامی محمد تھا اور جائے پیدائش شہر فزار۔ آپ اگرچہ اویسی تھے جیسا کہ آپ کے مرید مولانا امیر علی ہروی نے اپنے رسالہ میں اس کی تصریح کی ہے لیکن بظاہر مولانا امیر علیؒ ابیورویؒ کے تربیت یافتہ تھے اور کئی سال مخلوقِ خدا کے لیے باعثِ فیض رہے اور اپنے وعظ و تذکیر سے لوگوں کے دلوں کو فرحت بخشی آپ عجیب کشوف کے مالک تھے اور عجیب و غریب اسرار و رموز کے آشنا اور ان کے خبر دینے والے۔ بظاہر نابینا تھے اور جسمانی آنکھوں سے محروم لیکن جمال و کمال معنوی سے آپ کا دیدۂ دل بینا تھا اور باطنی آنکھیں بیدار اور یہاں ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھنے کی جزا آخر میں ان کے لیے رویت باری تعالیٰ ثابت۔ چناں چہ اولیاء اللہ کے راہنما خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے رسالہ تحقیقات میں لکھا ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اس شخص کی جزا کیا ہے جس سے میں اس دنیا میں بینائی چھین لیتا ہوں۔ اس کی جزا یہ ہے کہ روزِ قیامت اسے میں اپنا دیدار کراؤں گا۔

اور حافظ بصیر کی اس مشکل رباعی کی ایک شرح ہے۔ رباعی یہ ہے:

بنگر کہ برہنہ روئے برمی طلبد
از پشۂ مادہ شیر نرمی طلبد
از خانۂ عنکبوت پرمی طلبد
اُواز دہن مار شکرمی طلبد

(دیکھو کہ ایک برہنہ رو جوان عورت طلب کرتا ہے۔ مادہ باہر سے نر طلب کرتا ہے۔ لکڑی کے جالے سے پر طلب کرتا ہے اور سانپ کے منہ سے شکر طلب کرتا ہے۔)

اس شرح لکھنے کا باعث یہ جذبہ ہوا کہ حافظ بصیر کو پتا چلا کہ یہ رباعی حضرت خواجہ علاؤ

ین عطار قدس سرہٗ کے خاندان اور نسل کی ایک عارفہ نے کہی ہے اور نادان بے ادبوں کو اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے انھوں نے اس پاک دامن خاتون کی ہزل کہی اور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اس عظیم خاندان سے اخلاص کی بناء پر حافظ بصیر کو جوش آیا اور وہ اس شرح کی تحریک کا محرک بن گیا۔ اس شرح کا سیاق و سباق اور تمہید و تقریر چوں کہ اس نوعیت کی ہے کہ اس کے ذکر سے بات طویل ہو جائے گی۔ ہم اس اختصار کو کافی سمجھتے ہیں۔

نسمہ:

اس شرح میں ایک بزرگ سے نقل ہے انھوں نے فرمایا: اَلْـفَـقْـرُ هُوَ الْـعَـدَمُ

اَلْفَقْرُ ثَلَاثُ اَحْرُفٍ، اَلْفَآءُ فَنَآءٌ وَّالْقَافُ بَقَآءٌ وَّالرَّاءُ رِضَآءٌ

(فقر تین حروف سے مل کر بنا ہے (ف)، فنا کو ظاہر کرتی ہے۔ (ق) بقاء کو اور (ر) رضا کو، ایک مثنوی حضرت مولانا رومیؒ کی مثنوی کے وزن پر منظوم ہے جس میں ایک استاد کا قصّہ ہے جو بچوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتا تھا۔ اس کے ایک بیٹی تھی بڑی نیک اور صالحہ۔ انتہائی بھوک افلاس سے مجبور ہو کر اس نے اپنی اس نیک و صالح بیٹی کو ایک سمرقندی تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس تاجر نے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرما رہے ہیں: ''اسے آزاد کر دے۔'' الیٰ آخر القصہ۔ حافظ بصیر نے اس قصّہ کے ضمن میں تصوف کے بڑے باریک نکتے بیان کیے ہیں۔ آپ کے بعض شعر یہ ہیں:

گریدانی کرچہ دور افتادہ
وز چان دلبر صبور افتادہ
در کجا بودی کجائے این نفس
باچہ مردم آشنائے این نفس

(کاش تو جانتا کہ تو کتنا دور جا پڑا ہے۔ اس محبوب دلبر سے جس میں بڑی برداشت

ہے تو نے آپ کو دور کرلیا ہے۔ تو کہاں یہ ترا نفس کہاں اس نفس نے کیسے لوگوں سے آشنائی کرلی ہے)

از چیاں زہر تحمل می چشی
وز کیاں قہر تذلل می کشی
آتش اندر خان ومانے می زنی
شیشۂ ناموس مامی بشکنی

(تو زہر کی مانند ایسی ایسی سخت باتیں آخر کیوں برداشت کر رہا ہے۔ ان کے برداشت کا زہر چکھنے پر آخر کیوں مجبور ہو رہا ہے۔ اور کن کن لوگوں کے غصّے اور ذلتیں جھیل رہا ہے۔ لذات دنیا کی تجھے اتنی فکر کہ عیش ہوتا رہے گھر میں آگ جلتی رہے۔ کھانے پکتے رہیں تو ہمارے شیشۂ ناموس کو توڑ پھوڑ رہا ہے)

ایک مہرِ غفلت ست بردل زوند
راہت اندر اولین منزل زوند
مرغ قدسی بے تعلق بالِ زن
بس علم بر آشنانِ حال زن

(یہ دنیا دار دل پر مہر غفلت لگاتے ہیں۔ شروع ہی کی منزل تک تیری راہ متعین کرتے ہیں۔ مرغ قدسی کو انھوں نے بے بال و پر کر دیا ہے اور آشیانِ حال پر جھنڈا لہرایا ہے۔ دینی اقدار کے یہ قائل نہیں۔ ان کے مطمح نظر جو کچھ ہے وہ صرف حال یہی دینا اور اس کا عیش)

زاں جدا افتادہ دلبر یاد کن
از غمش شب تا سحر فریاد کن

ناصح ار گوید کہ ایں بدنامی است
گویش آرے عالم ناکامی است

(وہ محبوب جو تجھ سے جدا ہے اسے یاد کر۔ رات سے صبح تک اس کے غم کی فریاد سن ناصح اگر تجھ سے کہے کہ اس میں بدنامی ہے تو اس سے کہہ یہ عالمِ ناکامی ہے)

در حضورِ نور سلطانِ ازل
حیّ دائم مُستعان لم یزل
بستر راحت چساں می زیبدت
چہ دل خواب گراں می زبیدت
اوہمی پند ترا ہشیار باش
یا بمیراز شرم یا بیدار باش

(تو ایسے بادشاہ کے نور کے حضور میں رہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ زندہ ہے۔ دائم ہے۔ ایسی ہستی ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اور اسے کبھی زوال نہیں یہ آرام دہ بستر بھلا تجھے کب زیب دیتا ہے۔ یہ گہری نیند بھلا کب تجھ پر جچتی ہے۔ یہ چند نصیحتیں تیرے بھلے کی ہیں۔ ہشیار ہو جا۔ یا شرم سے مرجا یا بیدار ہو جا)

والیٔ بدخشاں میرزا سلیمان کی اہلیہ عَلَیۡہَا مَا تَسۡتَحِقُّ نے حافظ بصیر کو درجۂ شہادت کو پہنچایا۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ حافظ بصیرؒ کے اصحاب مولانا پائندہ بخاری اور میر ہرویؒ اور مولانا بابا بخاری سب اہلِ دل اور خود آگاہ تھے رحمہم اللہ سبحانہٗ۔

مولانا علی ہروی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ صاحبِ احوال حافظ بصیر کے مریدین میں سے تھے اور فضائل ظاہری سے بھی انہیں حصہ ملا تھا۔

سلوک میں ان کا ایک رسالہ ہے اس سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مولانا درویش محمد املکنگیؒ اور مولانا قطب الدین احمد ابن مولانا محمد قاضی رحمہم اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے اور ان دونوں بزرگوں سے بھی بہرہ ور تھے یہ تین اقوال اس رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

نسمہ:

طالبِ طریقت ذکر کے دوران ولایتِ مقتدا (پیرومرشد) کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اس کے باطن سے مدد کا طالب ہوتا ہے اس کی صورت بھی قلب میں حاضر رکھتا ہے اور پندرہ سانسوں میں پینتالیس بار ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد جتنی بار ذکر کیا اس سے نصف مرتبہ وہ درود بھیجتا ہے ذکر کے دوران جو نیند بلا اختیار آئے وہ نیند بھی از قبیل ذکر ہے۔

نسمہ:

اگر ذاکر کاروبار معاش میں ہو تو اسے چاہیے کہ ذکر رواں میں مشغول ہو یعنی حبس نفس (سانس روکنا) کے بغیر دل سے نفی واثبات کہے اور عدد کی رعایت کرے اور وقوف قلبی و وقوفِ زبانی کو بھی ملحوظ رکھے۔ یعنی قلب وزبان دونوں مصروف رہیں۔

نسمہ:

ذکر شروع کرنے کے بعد یا تو قبض و کدورت کی کیفیت طاری ہوتی ہے یا شورش و بے مزگی کی یا سوزش اور حضوری کی یا قلق واضطراب کی۔ اگر قبض و کدورت کی کیفیت ہو تو اس کے معنی ہیں کہ ذکر نے نفس پر اثر کیا اور ذاکر کو چاہیے کہ نفس کو تاثیر کے ساتھ مائل کرے۔ اور شورش اور بے مزگی ظاہر ہو تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ذکر نے معدہ پر اثر کیا اور اگر ذکر کے نتیجہ میں دل میں سوزش، جلن اور حضوری پیدا ہو اور وہ تازگی اور محبت کا باعث

اس کا مطلب ہے کہ ذکر نے دل پر اثر کیا ہے اور دل میں نسبت پختہ ہوئی ہے اور اگر قلق
کا مطلب ہے کہ ذکر نے دل پر اثر کیا ہے اور دل میں نسبت پختہ ہوئی ہے اور اگر قلق و اضطراب کی کیفیت ظاہر ہو تو اس کے معنی ہیں یہ ورود و جذبہ ہے۔ اس کا مراقبہ کرے۔

مولانا صنع اللہ کور کتانی رحمۃ اللہ علیہ:

کورکتان تبریز سے دس فرسخ کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ مرشد کی طلب میں حضرت مولانا صنع اللہ نے سفر اختیار کیا۔ حضرت مخدوم مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے انہیں مولانا علاء الدین مکتب دار کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ مدّت تک حضرت مولانا علاء الدین کی خدمت میں رہے اور بہت کچھ حاصل کیا۔ پھر انہیں وطن مالوف واپسی کی اجازت ملی۔ کئی سال وطن میں طالبان طریقت کو مستفید کرتے رہے کتاب حبیب السیر کے مصنف کا کہنا ہے کہ یعقوب میرزا کی حکومت کے زمانے کے تیس سال سے زیادہ سے یہ تبریز میں طالبانِ طریقت کی تربیت و تلقین میں سرگرم تھے ۹۲۹ھ میں انتقال فرمایا اور بابا کمال خجندی کی قبر کے بازو میں سرخاب میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی عمر ستر سال ہوئی۔

الف۔ مولیٰنا علی جان بادام باری رَحِمَہُ اللّٰہ:

بادام بار میں تبریز کے قریب ایک دیہات ہے۔ مولانا علی جانؒ مولانا صنع اللہؒ کے اصحاب میں سے تھے اور ان کے اچھے رفیق تھے آخر میں حلب سے دس فرسخ کے قریب ایک قریہ میں منتقل ہو گئے تھے اور اسی قریہ میں ۹۳۷ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر سو سال کے قریب تھی۔

ب۔ درویش اخی خسرو شاہی رحمۃ اللہ علیہ:

ابتداء میں یہ حضرت شیخ بایزید خلخالیؒ سے ارتباط طریقت رکھتے تھے جو سید محمد نور بخش کے مرید تھے۔ جب سیّد محمد کے ساتھ وہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر انشاء اللہ کتاب صفحات الانوار میں آئے گا ان کے مریدیں ہر طرف بھاگ گئے۔

درویش اخی اپنے پیرومرشد شیخ بایزید خلخالی کی اجازت سے اپنے وطن مالوف واپس آ گئے۔ کچھ مدّت بعد خواب میں انہیں اشارۂ غیبی ہوا کہ جانب قبلہ سیدھا روانہ ہو جا چناں چہ یہ چل پڑے۔ اتفاقاً کورکتان کے دیہات میں پہنچ گئے۔ وہاں مولانا صنع اللہ کو دیکھا تو دل ان کی طرف کھینچنے لگا۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ جانب قبلہ سے یہ حقیقی قبلہ مراد تھا:

ما قبلہ راست کردیم برسمت کجکلاہی

(ہم نے اس محبوب کی طرف اپنا قبلہ سیدھا کرلیا)

یہ مصرع زبان حال سے ادا کرتے ہوئے حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچے اور اس طریق سلوک کو اختیار فرمایا یہاں بڑی کشائش اور فراخی ہوئی۔ ذکر جہر سے بھی چوں کہ ان کو حصہ ملا تھا اس کا بھی کبھی کبھی اہتمام کرتے تھے۔ خسروشاہ تبریز سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ایک دیہات کا نام ہے۔

مولانا الیاس بادام باری رحمۃ اللہ علیہ:

یہ ابتداء میں شیخ عبدالحیؒ کی صحبت میں رہے۔ جو شیخ شاہ بیدوازی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ یہاں انہیں بڑا فیض ہوا۔ جب شیخ عبدالحی کا انتقال ہو گیا تو مولانا الیاس بادام باری نے درویش اخی خسروشاہیؒ کی خدمت وصحبت اختیار کی اور اس سلسلہ کی نسبت وحضور سے مشرف ہوئے اور صاحب اجازت ہوئے صاحب وداہر نے لکھا ہے کہ یہ مولانا صنع اللہ کی صحبت میں بھی رہے آپ کی عمر شریف سو سے متجاوز تھی۔ ۹۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک بادام بار میں ہے۔

سیّد محمد بادام باری رحمۃ اللہ علیہ:

یہ مولانا الیاس بادام باریؒ کے خلیفہ تھے۔ اور اس عارف حق شناس کے رشتہ دار بھی۔ انہیں اطوارِ سنیہؒ حاصل تھے اور یہ بڑے عجیب وغریب واقعات ومکاشفات کے مالک تھے۔ بدمعاش قزلباش کے ظلم وستم کے باعث مع لواحقین واصحاب آپ نے سیرام کی طرف ہجرت کی جو حدود ترکستان کا ایک قصّبہ ہے اور سیرام ہی میں دنیا سے آخرت کی طرف ہجرت کی اور ۹۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔

صاحب ودائرؒ فرماتے ہیں جن دنوں سیّد محمد بادام باریؒ عراق میں تھے۔ شیعوں کا ایک گروہ ان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ ہمارے مذہب کے مجتہد حضرت امام جعفر صادق ہیں اس گروہ کے چلے جانے کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ جس وقت وہ لوگ اپنے مذہب کی نسبت امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کر رہے تھے حضرت امام اس وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ لوگ ہماری طرف جس چیز کی نسبت کرتے ہیں ہمیں اس کا علم نہیں اور ہمارے حق میں یہ افزاء اور بہتان ہے۔

راقم الحروف (ہاشم کشمی) عرض کرتا ہے کہ حضرت سیّد محمد بادام بخاریؒ کے اس کشف کی صداقت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو عارفین کے راہنما حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے کتاب فصل الخطاب میں امام ہمام علی الرضاء عَلَیہِ وَعلٰی آبائِہِ التحیۃ والرّحمۃ الیٰ یوم الجزاء کے ذکر میں لکھا کہ آپ بعض کبارِ اہلِ بیت سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الرَّفَضَۃَ فَاِنَّھُمْ یَتَّھِمُوْنَنَا۔

(اے اللہ تو روافض پر لعنت بھیج کہ یہ ہم پر تہمت لگاتے ہیں)

اور بعض اہلِ بیت کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد وہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے آنجناب والا یت پناہ اولادِ امجاد رسول اللہ

ﷺ کے راہنما (حضرت امام زین العابدینؓ) سے پوچھا: **كَيْفَ رَأَيْتَ مُنْزِلَةَ اَبِىْ بُكَرُ وَ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِنَ النَّبِيّ عَلَيْهِ السَّلَامَ** آپ حضورﷺ کی نظر میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہا کے مرتبہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: **كَمَنْزِلَيْهِمَا الْيُوْمَ** جوان دونوں کا آج بھی مرتبہ ہے یعنی جس طرح حضورﷺ کے بالکل قریب عزت کے ساتھ آج بھی یہ دونوں حضرات آرام فرما ہیں۔ حضرت خواجہ محمد پارساء نے اسی کتاب فصلِ الخطاب میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) اور حضرت ذوالنورین وحضرت عثمان غنیؓ کی دشمنی اوران سے کینہ کا اظہار کیا۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ سمجھ لو کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سیّد الانام علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قیامت تک تمام مسلمانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا مہاجرین کا گروہ چناں چہ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يُبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ o
(الحشر:۸)

(اوران حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جُدا کردیے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنّت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اوراس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچّے ہیں، آپ نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا بتاؤ تمہارا اس گروہ سے تعلق ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے قرآنِ مجید کی یہ اگلی آیت تلاوت فرمائی جو حضرات انصارؓ کی منقبت میں ہے۔

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُالدَّرَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِہِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْہِمْ یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَةٌ قف وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (الحشر:۹)

(اور 'نیز' ان لوگوں کا 'یہی حق ہے' جو دارالاسلام 'یعنی مدینہ' میں ان 'مہاجرین' کے 'آنے کے' قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ 'انصار' اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو 'واقعی' جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔

آپ نے یہ آیت پڑھ کر ان لوگوں سے پوچھا بتاؤ تم اس گروہ سے تعلق رکھتے ہو یا نہیں۔ انہوں نے کہا نہیں اس وقت آپ نے اس کے بعد والی قرآن مجید کی آیت پڑھی **وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِہِمْ** (اور ان لوگوں کا بھی اس مال فی میں حق ہے جو ان کے بعد آئے) اور پوچھا کیا تم اس گروہ سے تعلق رکھتے ہو یا نہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہمارا اس گروہ سے تعلق ہے۔ حضرت امام محمد باقرؒ نے فرمایا تمہارا اس گروہ سے بھی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس گروہ کی حالت وصف بیان کرتے ہوئے اس طرح خبر دی ہے کہ وہ:

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاَخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o (والحشر)

جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجیے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق و

رحیم ہیں)

اور تم لوگ مہاجرین اور انصار جو سابقین ہیں اور جنہیں قرآنِ مجید میں اَلَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں) سے تعبیر کیا تم ان سے عداوت اور کینہ کا اظہار کر رہے ہو۔ تو تم مسلمانوں کے فرقوں میں سے نہیں ہو اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے بھگا دیا۔

☆☆☆

مقصدِ اوّل ...... فصل چہارم

میں

مولانا شمس الدّین محمد روجی کے فیض یافتگان رحمہم اللہ کے حالات کا ذکر ہے۔

(۱) شیخ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا شمس الدین محمد روجیؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ حافظِ قرآن تھے اور نسبت باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھی۔ بیت اللہ شریف کے طواف اور سیّد الانام علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارک کی زیارت سے بھی مشرّف ہوئے تھے۔ اس مبارک سفر میں بہت سے اکابر اور بزرگوں کی صحبت حاصل کی تھی۔ شام میں ۸۶۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر بھی حضرت ہداو کی قبر کے پاس شام ہی میں ہے جو کبار اصحاب میں سے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) بابا سیّد محمد علی مجذوب رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولانا شمس الدین محمد روجی کے دوسرے صاحبزادے تھے اپنے والد

بزرگوار کی نظر کی برکات سے آپ کو جذبۂ قوی حاصل تھا۔ آخر عمر تک آپ کا جذبہ اسی طرح انتہائی قوی رہا۔ یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوا۔ اپنے والد بزرگوار کی قبر کے نزدیک جگہ پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) شیخ جلال الواعظہ رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولانا شمس الدین محمد روجی قدس سرہٗ کے منظورِ نظر مرید اور صاحبِ نسبت و حضور تھے۔ کہتے ہیں کہ اہلِ اللہ کی صحبت کی برکت سے یکا یک آپ میں سلوک کے بارے میں ایسا شرح صدر اور کشائش پیدا ہوگئی تھی کہ برملا تصوّف کے نکات بیان فرمایا کرتے یہاں تک کہ بعض اکابر اور اربابِ دل بھی آپ کی مجلس میں آتے اور استفادہ کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک حدیث کے بارے میں آپ روز گفتگو فرمایا کرتے آپ کو شیخ عماد الدین بن فضل اللہ کبروی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ غایت ارتباط و اختلاط تھا اور ان بزرگ کی صحبت سے بھی آپ کو بہت کچھ حاصل ہوا تھا۔ اپنے بعض رسائل میں وہ شیخ عماد الدین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ بزرگوارؒ کا طریقہ کچھ اتنا خوبصورت اور دل رُبا ہے کہ عقلِ سلیم اسے قبول کرنے پر مجبور ہے۔

جب عبداللہ خان نے خراسان فتح کیا تو شیخ کو ہرات سے بخارا لے آیا۔ چناں چہ آپ نے کئی سال قابلِ فخر شہر بخارا میں وعظ و نصیحت اور تلقین و ارشاد کا کام سرانجام دیا یہاں تک کہ ۹۷۶ھ میں انتقال فرمایا اور فتح آباد میں جو مشہور جگہ ہے شیخ العالم سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ کے قریب آخری آرام گاہ پائی۔ ایک فاضل نے آپ کی تاریخِ وفات اس طرح کہی:

"رہبرِ دین حق ز دنیا شد"

(دینِ حق کا رہبر دنیا سے رخصت ہوا)

آپ کے بعض شعر بہت اچھے ہیں جیسے یہ شعر:

تا حسن ما از رُخ خوباں نمودہ است ۔
مارا خیال شاہد و ساقی ربودہ است

(چوں کہ ہمارا حسن حسینوں کے رخسار سے جلوہ گر ہوا ہے ہمیں محبوب اور ساقی کا خیال جاتا رہا ہے)

آپ نے سلوک میں بھی بعض مفید رسائل تحریر کیے ہیں اور اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی بعض کتابوں اور رسائل پر بھی مفید حاشیے اور بعض کی شرحیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے شرح قدسیہ ہے جس کے جامع حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ سرہٗ ہیں۔ رشحات کے بعض کلمات کی شرح ہے۔ نفحات الانس کا ایک انتخاب ہے جس میں اس کے بعض مشکل مقامات کی تشریح وتوضیح ہے۔ آپ نے اس انتخاب کا نام ''خلاصۂ النفحات'' رکھا ہے۔

اس کتاب میں شیخ جلال الواعظؒ نے حضراتِ خواجگان کے کلمات کی تشریح کے بعد حضرت مخدوم مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی کے مختصر حالات بھی لکھے ہیں اور حضرت مخدومؒ کے ترجمہ کے ضمن میں اپنے پیرومرشد مولانا شمس الدین محمد روجیؒ کے کچھ حالات بھی تحریر کیے ہیں اس طرح کہ:

الحمد اللہ ایں فقیر را چشم بہ دیدن طلعت ہمایوں ایشاں منور گشتہ
امید دارم کہ از جملہ خادمانِ ایشاں محشور کردم

(خدا کا شکر ہے کہ اس فقیر کی آنکھیں آپ کی مبارک ہستی کو دیکھ کر روشن اور منور ہوئیں۔ میں اُمیدوار ہوں کہ قیامت کے دن آپ کے خادموں کے ساتھ میرا حشر ہوگا)

اس کے بعد حضرت مولانا شمس الدین محمد روجیؒ کی زبانِ مبارک سے جو احوال آپ نے سنے اس کا بیان ہے حضرت مولانا کے بعض ارشاد آپ نے اس طرح نقل کیے ان میں

سے ایک آپ نے فرمایا قرآنی حکم **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ مُحَدِّث** (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کیجیے) پر عمل سے تیس سال تک اپنی غفلت کے باعث حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ہمیں قدرت نہ دی یہاں تک کہ اپنے نبی کی محبت میں گرفتار کر دیا۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا ہمارے سلوک کی ابتداء اور انتہاء حضرت رسالت مآب ﷺ سے ہوئی ہے حضرت مولانا سعدالدین کاشغری کی خدمت میں رہے اور آپ کے انتقال کے بعد پھر حضور ﷺ کی روحانیت سے تربیت ہوئی۔

اب بعض وہ مفید باتیں نقل کی جاتی ہیں جو شیخ جلال الواعظ نے اربابِ کمال کے ارشادات کی شرح کے طور پر فرمائیں۔

نسمہ:

حضرت مخدوم مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے عوارف المعارف کے ترجمہ سے اس طرح نقل کیا کہ ''معرفت عبارت ست از شناختن معلوم مجمل درصور تفاصیل الیٰ آخرہ'' (معرفت کے معنی ہیں جو چیزیں ہمیں اجمال و اختصار کے ساتھ معلوم ہیں انہیں تفصیلی شکلوں میں جاننا اور پہچاننا) اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ جلال الواعظ لکھتے ہیں معرفت صرف اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان خود سے چھٹکارا حاصل کر کے مرتبۂ فنا کو پہنچے اور غلبۂ حضور حق حاصل کرے اور یہ علم صرف سننے سے نہیں آتا اور اگر تم محض سنو اور حسن ظن کے ساتھ اعتقاد رکھو تو وہ تقلید علم ہے اور علم کے ذریعہ کسی چیز کا جاننا یا علم کا جاننا خلقیت کے مراتب کثرت و تعینات کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ حسن و نمود میں کوئی اشیاء کا تعینات اور ان کا باہمی اختلاف وحدت کا مخالف ہے تو لازم ہے کہ لوگ صرف بذریعہ علم

، نہ تلاش کریں۔

نسمہ:

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے حضرت ذوالنون کی منقبت میں فرمایا:

"ذوالنون از آنہاست کہ اورا نہ بیارایند بہ کرامت و بہ بستایند بہ مقامات

(ذوالنون ان میں سے ہیں کہ جنہیں نہ کرامات سے تقویت دیتے ہیں نہ مقامات سے)

اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ جلال الواعظ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالنون قدس سرہٗ صاحب تجلی ذاتی تھے جس کا اثر بے صفتی اور بے نشانی ہے اور صاحبِ مقام ہونا (کسی مقام پر ٹھہرنا) اس سے نیچے کا مرتبہ ہے۔ جو تجلی ذات کے مرتبہ پر فائض ہو وہ جامع اضداد (مختلف نوعیت رکھنے والی چیزوں کا مجموعہ) ہوتا ہے اور قید کی بندشوں سے آزاد۔

نسمہ:

شیخ الاسلام نے فرمایا:

آخر نہ گستن و نہ پیوستن

(آخری منزل یہ ہے کہ نہ ٹوٹے نہ ملے)

اس کی تشریح میں شیخ جلال لکھتے ہیں کہ سالک طریقت جب ہستی کے سامان کو نابود و نیستی کے خلوت خانہ میں لے جاتا ہے تو نہ ٹوٹنا رہتا ہے نہ ملنا۔ اس لیے کہ ٹوٹنا اور ملنا دونوں ایک ہستی سے متعلق ہیں۔

نسمہ:

شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

''مریدی طلبد و باصد ہزار دنیاز و فرادی گریز دو با اوصد ہزار ناز''

(مرید طلب کرتا ہے لاکھ نیاز و انکساری سے اور مراد گریز کرتا ہے لاکھ ناز و انداز سے)

اس کی تشریح میں شیخ جلال لکھتے ہیں کہ وصل اس وقت ہوتا ہے جب مرید کمال مریدی کے باعث مراد ہو جائے اور اکابر نے جو فرمایا کہ محبوب تک محبوب کے سوا نہیں پہنچ سکتے وہ اسی طرف اشارہ ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ متوکلین کے امام کی فتح یہ ہے کہ کھانا بڑھا دو اور لے جاؤ اور حضرت بشر نے فرمایا یہ تمہیں سکھاتا ہے کہ توکل جب درست ہو تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس کی تشریح میں شیخ جلال فرماتے ہیں کہ شہود توحید میں توکل افعال کو درست کرتا ہے اگر سالک طریقت مظاہر فرت میں اسباب قاوح کے توسل سے کسی چیز کو فاعل سمجھ لے اس کا توکل معتبر نہیں ہے۔

نسمہ:

حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

چوں می یابم ایثار میکنم و چوں نیابم شکر کنم

(جب مجھے مل جائے تو ایثار کرتا ہوں اور جب نہ ملے تو شکر کرتا ہوں)

اس کی تشریح میں شیخ جلال فرماتے ہیں کہ نعمت نہ ملنے کی صورت میں شکر کرنے کی توجیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکرمین ہے (سب کرم کرنے والوں سے زیادہ کرم کرنے والا) وہ بغیر وجہ اور فائدہ کسی محتاج بندہ سے نعمت واپس نہیں لیتا نہ بغیر وجہ کسی کو نعمت سے محروم کرتا ہے تو نعمت نہ ملنے کی صورت میں وہ وجہ اور فائدہ بندہ کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا بندہ کو شکر بجالانا چاہیے۔

نسمہ:

شیخ عبداللہ خفیف قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ **اِقْتَدُوْا بِخَمْسَةٍ مِّنْ شُیُوْخِنَا لِاَنَّهُمْ جَمَعُوْا بَیْنَ الْعِلْمِ وَالْحَقَائِقِ** (ہمارے شیوخ کی اقتداء و پیری کرو اس لیے کہ وہ علم و حقائق کے جامع ہیں) اس کی تشریح میں شیخ جلال فرماتے ہیں اقتداء اور پیروی کے لائق وہ ہے کہ جس کی گفتار میں علم و حال یعنی شریعت و حقیقت دونوں مندرج ہوں اور جیسا کہ فرمایا کہ ارشادِ حقیقی کے لیے شرط ہے کہ ذوقی حقائق اور معارفِ الٰہی کی تعبیر پر اسے ایسے اندازِ بیان پر قدرت ہو جس میں شریعت عقل اور توحید سب جمع ہو جائیں۔ یہ اسی سابق قول کی تائید ہے۔

نسمہ:

حضرت احمد خضرویہ فرماتے ہیں **اَمِتْ نَفْسَکَ حَتّٰی تُحْیِیْهَا** ۔(اپنے نفس کو مار تا کہ وہ زندہ ہو) اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ جال فرماتے یں کہ اپنے نفس کو مار یعنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ تا کہ اسے ابدی زندگی کے ساتھ زندہ کرے یا یہ کہ تو اپنے نفس کو مار یعنی خود کا شعور ختم کر تا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے شعور سے تو اسے زندہ کرے کہ وہی حیاتِ حقیقی ہے۔ پہلی مرتبہ جو نفس کا لفظ استعمال ہوا اس سے مراد وہ نفس مشہور ہے جو صفات رذیلہ کا منبع ہے اور دوسری مرتبہ جب یہ لفظ استعمال ہوا تو اس سے مراد نفس ناطقہ ہے۔

نسمہ:

حضرت ابوحمزہ بغدادی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ وَنَفْسَ جاهل ترجاهلانست

سزاوارتر است با آنکہ از دے اعراض کنی

(قرآنی حکم ہے کہ جاہلوں سے اعراض و روگردانی کرو اور نفس تمام جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہے تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے اعراض و روگردانی کی جائے)

اس قول کی تشریح میں شیخ جمالؒ لکھتے ہیں کہ نفس کا کمال جہل یہ ہے کہ اگرچہ وہ خود موجود نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ظل اور سایہ ہے خود کو موجود سمجھتا ہے اور خود کو نہیں پہچانتا۔

نسمہ:

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں۔

اوّل ایں کار قبول ست و آخر یافت

(سلوک میں پہلا کام قبول کرنا ہے اور آخر کام پالینا)

شیخ جلال الواعظؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس عبارت کے دو معنی دل کو لگتے ہیں۔ پہلے معنی یہ کہ قبول سے مراد مشائخ کے دل کا مرید کو قبول کرنا ہے اور پالینے سے مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا پالینا اور وصول ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ قبول سے مراد مرید کے دل کا قبول کر لینا اور پالینے سے مراد اصحابِ حقیقت کے طریقہ اور معارف کو پالینا ہے۔

نسمہ:

شیخ الاسلامؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

روزگارے اورا می جستم خود را می یافتم اکنوں

کہ خود را می جویم اورا می یابم!!

(کبھی میں اس کو ڈھونڈتا تھا خود کو پالیتا تھا۔ اب خود کو ڈھونڈتا ہوں اس کو پالیتا ہوں)

شیخ جلالؒ اس بارے میں فرماتے ہیں یعنی جن ایّام میں حقیقت سے غافل تھا چوں کہ وجودی صفات کو خود سے سمجھتا تھا تو بالا صالت اگر چہ اس کو ڈھونڈ تا تھا مگر چوں کہ نظر خود پر ہوتی تھی خود کو پالیتا تھا اور اب درود ِجذبات اور فنا کے باعث تمام صفات کو حق کی صفات کا عکس اور سایہ دیکھتا اور پاتا ہوں تو اب کتنا ہی خود کو ڈھونڈوں اسے پالیتا ہوں کیوں کہ میں مظہر ہوں اور وہ ظاہر۔

نسمہ:

حضرت جنید بغدادیؒ نے قلیح مجنوں سے پوچھا:

جنون تو از چیست

(تیرا جنون کس وجہ سے ہے)

مجنون نے جواب دیا **حُبِسۡتُ فِیۡ الدُّنۡیَا فَتَجِنَّنۡتُ بِضوَاقِه** (مجھے دنیا میں محبوس اور قید کر دیا گیا تو میں اس کے فراق میں مجنون ہوگیا) اس کی تشریح میں شیخ جلالؒ فرماتے ہیں ان ارشادات سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ دنیا میں حجاب سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے اور حضورﷺ نے فرمایا **اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلۡبِیۡ**[1] (میرے قلب پر احیاناً بادل چھا جاتے ہیں) وہ اسی بناء پر ہے۔

نسمہ:

حضور یحیٰی بن زکریا علیہما السلام کے بارے میں بزرگوں نے لکھا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے اس کی تشریح میں شیخ جلال فرماتے ہیں کہ مستجاب الدعوات وہ نہیں ہے کہ جو وہ چاہے وہی ہو جائے۔ یہ تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا خاصہ ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ بہت مرتبہ اس کی

---

[1] رواہ مسلم (مشکوٰۃ، کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبہ

دعا قبول ہوتی ہے۔

نسمہ:

حضرت ابوعبداللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ فتوت (مروّت، جوانمردی) کیا چیز ہے۔آپ نے فرمایا جوصورتِ حال لوگوں کو درپیش ہے انہیں اس میں معذور جاننا۔حضرت شیخ جلال اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کو معذور جاننے سے مراد یہ ہے کہ خود سے ان پر اعتراضات نہ کرے نہ یہ کہ سچی بات کہنے میں بھی مداہنت کرے اور غفلت برتے۔

نسمہ:

حضرت عبداللہ مرتعش سے لوگوں نے پوچھا تصوف کیا ہے آپ نے فرمایا اشکال و تلبیس و کتمان۔شیخ جلال الواعظ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اشکال سے شروع کی مشکل ریاضتوں کی طرف اشارہ ہے۔تَلبِیس (فریب دھوکا) سے فریب نفس پر نفس کو ملامت کرنے کا طریقہ کی طرف اشارہ ہے اور کتمان (چھپانا) سے اخفاء حال اور باطنی کیفیات کو چھپانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے تصّوف سے مراد راستہ چلنا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تصّوف سے مراد کمال حقیقت ہو اور اس معنی پر نظر رکھتے ہوئے اشکال سے حیرت کی اس مشکل کیفیت کی طرف اشارہ ہو جو جمال احدیث کے مشاہدہ کے وقت ایک عارف کو پیش آتی ہے اور وہ دم نہیں مار سکتا اس لیے کہ وہ جس چیز یا ہستی کا مشاہدہ کررہا ہے وہ دائرہ نطق و بیان سے باہر ہے اور تلبیس سے مراد یہ ہے کہ عارف کو اگرچہ وجود حقیقی سے حصہ ملا ہے لیکن وہ بارِ عبودیت کے نمود و وجود کو کاندھے پر رکھے اظہارِ

مجازی کو محنت میں مبتلا ہے اور کتمان سے مراد یہ ہے کہ عارف وجود حقیقی کے شہود کے وقت ہمیشہ اپنے وجود مجازی کے ایک طرح خود سے چھپاتا ہے۔ بہرصورت وہ حجاب مصور نہیں رکھتا یہ اس بارے میں شیخ جلال کی تحقیق تھی۔ لیکن مولانا عبدالغفور لاری قدس سرہٗ نے ان کلمات کی اس طرح تشریح کی ہے کہ اشکال سے مراد یہ ہے کہ عارف عوام الناس کے لیے اپنے باطنی حالات کو مشکل بنا دیتا ہے اور تلبیس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اِس عارف کا پیچھا نہ گھیر لیں اور کتمان میں اُس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی باطنی کیفیات لوگوں کی نظر سے چھپی رہیں اس لیے کہ کسی دوسری چیز سے باطن اِس طرح خالی نہیں ہو جاتا اور کوئی چیز باطنی کیفیات کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی جتنا کہ ان باطنی کیفیات کا لوگوں پر اظہار۔ انتہیٰ

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ معنی بھی ''راستہ چلنا'' کے معنی کے مناسب ہیں اس لیے کہ توسط ابتداء سے متعلق ہے اور منتہیٰ سرحال کرتا ہے اور اس معنی کی رو سے کتماں (چھپانا) تعقید (گرہ لگانا، مشکل بنانا) کے بعد ہے۔

نسمہ:

حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''مقصود از ذکر آنست کہ بہ حقیقت کلمۂ توحید بَرسَد وحقیقت کلمہ آن ست کہ از گفتن ماسویٰ بہ کلی نفی شود''۔

(ذکر سے مقصود یہ ہے کہ ذاکر کلمہ توحید کی حقیقت کو پہنچے اور کلمہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماسویٰ کہنے سے کلیتاً نفی ہو جائے) شیخ جلال اس بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ماسویٰ کی نفی کے بعد طریقۂ حضور خداوندی ہے نفی ماسویٰ کے ساتھ بے واسطۂ ذکر و احتیاج بہ ذکر۔

نسمہ:

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ، حضرت خواجہ محمد پارسا کی منقبت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "میگویم بگو دنمی گوید" (میں کہتا ہوں کہو اور وہ نہیں کہتا) شیخ جلال اس بارے میں لکھتے ہیں کہ محبوب مطلق ﷺ کی اتباع کے طفیل حضرت خواجہ محمد پارساؒ کو جو مرتبہ محبوبیت عطا فرمایا گیا تھا اس کے باوصف آپ اپنے محبّ کو مہلت نہ دیتے تھے۔

نسمہ:

حضرت شیخ نجیب الدین علی برغشؒ سے لوگوں نے کہا آپ توحید کے راز پر کوئی مثال دے کر روشنی ڈالیں۔ آپ دو آئینے اور ایک سیب لائے۔ شیخ جلال اس بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے غالباً سیب سے وحدت کو تعبیر فرمایا اور تمام پھلوں میں سیب کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سیب خوش رنگ بھی ہے، خوشبودار بھی اور دل کے لیے مفرّح بھی۔ اسی طرح وحدت حقیقی ہے کہ جمال و کمال سے آراستہ اور فرح بخش بھی ہے اور وہ آئینے۔ ایک آئینہ تو کثرتِ اسماء و صفات کے ساتھ الوہیت واحدیت کے مرتبہ کا آئینہ اور دوسرا اعدام اضافی کا یعنی حقائق کونی کا کہ وجود حقیقی اور وحدت اس کے لیے آئینہ سے اس تجلی کے واسطہ سے جو دونوں پر اپنا رنگ ظاہر کرتی ہے اور اسی لیے تجلی کے اعتبار سے وحدتِ حقیقی دو قسموں میں منقسم ہوتی ہے ایک واجب ہے اور دوسرا ممکن اور قاب قوسین اسی معنی کا بیان ہے۔

(۴) مولانا کمال الدین فیضی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ:

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ طریقت میں آپ کا انتساب حضرت مولانا محمد روجی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی نسبت سے انہیں کامل حصہ ملا تھا۔ ظاہری علوم میں بھی کامل تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور لاریؒ کے عظیم شاگردوں میں سے

۔آپ کے اسرارِ معرفت میں اشعار بھی ہیں چناں چہ فرمایا نظم:

موئے شدہ ام بے خط مشکین رقم او
کو بخت کہ آیم بزبانِ قلم او

(میں اس کے سیاہ خط کے بغیر ہی بال کی طرح ہو گیا ہوں۔ میرے کیسے نصیب کہ اس کی زبان قلم پر میرا نام آیا)

مجنوں برہ عشق ز سر کردہ قدم رفت
دارم من سرکشتہ قدم بر قدم او

(مجنوں راہِ عشق پر گامزن ہو کر دنیا سے رخصت ہوا میں نے اپنا سر کاٹ کر اس کے قدموں پر رکھ دیا)

بلند مرتبہ زیں خاک آستاں شدہ ام
غبار کو بہ تو گر آسماں شدہ ام

(اس آستانہ کی خاک سے میں بلند مرتبہ ہوا ہوں اگر چہ غبار کی طرح میں آسمان پر اُڑ رہا ہوں)

☆☆☆

مولانا ناصر ہروی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت میر رنگریز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کے حالات حضرت مولانا سعدالدین کاشغریؒ کے اصحاب کے سلسلے میں گزر چکے ہیں۔آپ کے والد ماجد مولانا قوام الدین فرزند مولانا شمس الدین ایک متقی عالم تھے اور حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ آپ کے وعظ کے لیے پہنچے تھے۔اور شفقت کے باعث آپ کی آنکھیں پُرنم ہو گئی تھیں جب میرزا

شاہرخ نے دیوان گو ہرشاد کو منار سے ڈال دیا تھا جیسا کہ مولانا فخر الدین علیؒ نے بطریقِ موعظت رشحات میں اس کا ذکر کیا ہے، مولانا ناصر مادرزاد ولی تھی۔

آپ کی والدہ ماجدہ جو ایک نیک خاتون تھیں فرماتی ہیں کہ جن مہینوں میں، میں حاملہ تھی اور ناصر میرے شکم میں تھے پڑوس میں کبھی کبھی چند فاضل مثنوی مولانا رومؒ پڑھا کرتے تھے اور جیسے جیسے وہ مثنوی شریف کے اشعار پڑھتے یہ بچہ میرے بطن میں رقص کرنے لگتا اور اتنا مضطرب ہوتا کہ میں بے حال اور بے چین ہو جاتی۔ مجبوراً مجھے ان بزرگوں سے جو مثنوی کے اشعار پڑھتے تھے درخواست کرنا پڑی کہ وہ یہ اشعار نہ پڑھا کریں۔ غرض لڑکپن کے آغاز وایّام نشو ونما کے شروع ہی سے مولانا ناصر ہرویؒ میں لوگوں نے بزرگوں کی اس نسبت کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ حضرت میر رنگریز نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کی بلند استعداد اور صفائے قلب کی بناء پر آپ کو حضرات خواجگان کے سلسلہ سے منسلک کر لیا۔ آپ کو خلوت میں طلب فرمایا اور ان اکابر کی انابت اور ذکر کی تعلیم اور مراقبۂ خاصہ کی رہبری فرمائی مولانا ناصر ہروی نے اس نسبت معنوی کے ضمن میں ظاہری علوم کی بھی تکمیل کی اور ہرات شہر کے صاحبِ تقویٰ فاضل اور محقق صوفی بن گئے۔ عبداللہ خان آپ کو ہرات کی دیگر معزز ہستیوں کے ہمراہ خراسان سے ماوراء النہر لے آیا اور آپ کئی سال تک قابلِ فخر شہر بخارا میں طالبانِ علم وقال کے فائدہ اور سالکان راہ ذوالجلال کی فیض رسانی کے لیے کام کرتے رہے۔ کثرتِ علم کے باوجود نسبت سکر اور والہانہ جذبات کا آپ پر غلبہ رہتا تھا اور تھوڑے سے نغمۂ وسرود سے بھی آپ بے قابو ہو جاتے تھے۔ جب آپ کی عمر شریف اَسی سال کے قریب ہوگئی تو آپ نے اسی شہر بخارا میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ نے ایک دانشمند اور پرہیزگار صاحبزادے مولانا میرؒ اپنے پیچھے چھوڑے۔

شیخ محمد ہروی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ ہرات کے قریۂ چغارہ کے رہنے والے تھے اور ایک واسطہ سے حضرت میر رنگریزؒ کے مرید تھے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ احمد ہرویؒ صاحبِ وقت وحال وحضور وفنا وآثار تھے اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی نسبت آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھی آپ کی کافی عمر ہوئی ہے۔ ۱۰۰۰ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔ فی الحال آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ محمدؒ اپنے والد بزرگوار کی نسبت سے بہرہ ور ہیں۔

☆☆☆

مقالۂ اولیٰ ...... مقصدِ دوئم

پہلے مقالہ کا دوسرا مقصد حضرت زبدۃ الاخیار خواجہ احرار قدس سرہٗ کے مُنتسِبین کے حالات کے بیان میں ہے اور یہ مقصد دوئم تین فصل پر مشتمل ہے۔

☆ فصلِ اوّل:

یہ فصل حضرت خواجہ احرار کی اولاد امجاد قدس اللہ تعالیٰ سرھم الاقدس کے حالات کے بیان میں ہے کہ جن کو حضرت خواجہ کی وراثت معنوی سے بھی حصہ ملا۔ اور جنہوں نے مختلف ممالک میں اس سلسلۂ عالیہ کو پھیلایا۔ اس فصل میں ان بزرگوں کے حالات کا بھی بیان ہے جو آپ کی اولاد امجاد سے مستفید ہوئے۔

واضح رہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے دو لائق فرزند تھے۔ ایک خواجہ محمد عبد اللہ جو خواجگا کے نام مشہور تھے اور دوسرے خواجہ محمد یحییٰ۔ مولانا فخر الدین علی متصدی نے ان دونوں صاحبزادگان کے حالات واطوار پر روشنی ڈالی ہے۔

صاحبِ رشحات کے زمانہ میں چوں کہ یہ دو صاحبزادگان منصۂ اکمال وارشاد پر جلوہ گر نہ ہوئے تھے اس لئے اس کتاب میں ان کے حالات وارشادات موجود نہیں ہیں ہم اس کتاب (نسمات القدس) میں ان کے کچھ حالات بیان کریں

(۱) خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

(۲) خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے سات صاحبزادے تھے۔ آسمان ولایت کے سات تارے جن کا ذکر عنقریب آئے گا اور خواجہ محمد یحییٰ کے تین فرزند تھے۔ خواجہ محمد زکریاؒ اور خواجہ عبدالباقی کو اپنے جدِّ بزرگوار کی صحبت وعنایت کا شرف حاصل رہا تھا۔ اور انہوں نے ہی ان دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا تھا۔ یہ دونوں عالی مرتبت بھائی اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ۹۰۶ء میں شہادت کے بلند مرتبہ کو پہنچے۔ ان کے بعد ایک بھائی خواجہ محمد امین تنہا رہ گئے۔ ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ **اَنَارَ اللّٰہُ تَعَالٰی بُرْھَانَہٗ** نے دوبارہ جب سمرقند فتح کیا تو حضرت خواجہ محمد یحییٰ کی تعزیت کی اور فاتحہ کا کھانا کیا اور حضرت خواجہ محمد امین کو اپنے ہمراہ کابل وہندوستان لے آیا **رَحِمَھُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ** حضرت خواجہ محمد یحییٰؒ کے صاحبزادوں کے حالات چوں کہ کم تھے اس لیے پہلے بیان کر دیئے گئے۔

اب حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے صاحبزادوں کے حالات بیان ہوں گے۔ خدا کی مدد اور اس کی توفیق سے۔

(الف): خواجہ عبدالہادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

یہ حضرت محمد عبداللہؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اور راہِ سلوک کے شناسا (اپنے جدِّ بزرگوار کی زندگی ہی میں آپ کو بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی توفیق مل گئی تھی۔ وہاں سے آپ شام اور روم تشریف لے گئے اور روم اور ملحقہ علاقوں میں آپ نے لوگوں کو اس طرح سلوک کی تعلیم دی کہ سب عالی ہمّت اور بلند اخلاق کے مالک

بن گئے۔ وہاں کے والی نے اس ولایت کا دسواں حصہ واگذار کرنا منظور کرلیا۔ لوگ کہتے ہیں وہ رعایت آج تک قائم ہے اس طرح وہاں کے محتاجوں اور ضرورت مندوں پر آپ کا عظیم کرم واحسان ظاہر ہوا اس حصّہ کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھی۔ آپ جب وطن واپس آئے تو آپ کے جدِّ امجد نے اسے بہت پسند فرمایا اور اپنے اہل کاروں کو اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس فرزند نے ہمارے فقر کی ناموس کی نگہداشت کی۔ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہٗ السامی نے خواجہ عبدالہادی کے اس جانے اور آنے کی بہت تعریف کی اور اسے بہت پسند فرمایا۔

آنجناب کو دل کے ذکر کی تلقین آپ کے جدِ بزرگوار نے کی تھی اور آپ کے بھائی خواجہ شہاب الدین محمد پر یہ عنایت شہر سبز کے باغ میں ہوئی جو ایک متبرک مقام ہے۔

اس باغ میں ایک شہتوت کا درخت ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے ایک دن اس پر ٹیک لگائی اور اس کا سہارا لیا تھا اور اسی لیے حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے اس باغ کو خرید لیا تھا اور کبھی کبھی اس کی سیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے:

شبے نیکو تر از روز جوانی

اس مبارک درخت کے نیچے دونوں بزرگ اپنے طالبین کو بلاتے انہیں ذکر کی تلقین فرمایا کرتے اور اس پر عنایت فرماتے تھے۔ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم۔

(ب): خواجہ شہاب الدین المعروف بخواجہ خواوند محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

یہ حضرت خواجہ عبداللہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کے جدِّ بزرگوار نے اپنے والد کے نام پر ان کا نام رکھا اور اپنے جدِّ بزرگوار کے لقب سے انہیں ملقب کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے تلقینِ ذکر کا واقعہ خواجہ عبدالہادیؒ کے حالات کے تحت گزر چکا ہے۔ یہ اپنے جدِّ بزرگوار سے بطریق رابطہ بھی مشرف تھے، فرماتے ہیں میں جدِ بزرگوار کے انتقال کے

بیس سال کا تھا۔ ان کی حیات میں ایک بار میں بہت زیادہ کمزور ہو گیا اور ماوراء النہر کے طبیب اس کے علاج سے عاجز تھے چناں چہ میں خراسان چلا گیا۔ مخدوم الانام حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ علیہ الرحمۃ مجھے اپنے گھر لے آئے میں ایک مدّت تک ان کی خدمت میں رہا اور ان کے بعض رسائل ان سے پڑھے۔ صاحب تاریخ رشید نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا سے بھی معنوی تربیت حاصل کی ہے۔ بعد میں وہ فارس اور عراق بھی گئے اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی مُتَداوّل و مروّجہ کتابیں قاضی حسین احمد میبذیؒ اور امیر صدرالدین محمود شیرازی اور مولانا جلال الدین دَوانیؒ سے پڑھیں۔ طب کی کتابیں آپ نے مولانا عماد الدین محمود سے پڑھیں جو اس فن کے اساتذہ میں سے تھے اگر چہ خود مولانا عماد الدین محمود شرح تجرید کے اسباق میں جو مولانا جلال الدین محمد دوانیؒ سے لیے گئے تھے خواجہ شہاب الدین کے ہم سبق بھی رہے تھے علم طب حاصل کرنے کے بعد آپ کئی سال عملاً طبابت کی خدمت بھی انجام دیتے رہے یہاں تک کہ اس میں کامل مہارت پیدا کر لی۔ حضرت خواجہ شہاب الدین کی فن طب پر کتاب تحفۂ خانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اس فن میں کس درجہ مہارت حاصل کر لی تھی آپ پھر عراق سے روم تشریف لے گئے پھر مصر گئے۔ اور وہاں سے حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً (اللہ پاک ان دونوں متبرک مقامات کے شرف و تکریم میں زیادتی عطا فرمائے) آپ فریضۂ حج کی ادائیگی اور زیارت روضۂ سیّدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بحری راستہ سے ہندوستان تشریف لائے اور پھر اپنے وطن مالوف روانہ ہوئے۔ ان مذکورہ سیاحتوں کے دوران آپ کی بہت سے علماء وفضلاء کے ساتھ صحبت رہی۔ پھر حالتِ خواب میں آپ کو اپنے جدِّ بزرگوار کا اشارہ ہوا اور آپ نے ماوراء النہر سے بلاد کاشغر کا اپنا تلقین وارشاد کا مستقر تبدیل کیا۔

یہاں اطراف و جوانب سے بے شمار مخلوق آپ کے چشمہ فیض و برکات سے مستفید وشاداب ہوئی۔ پھر آپ نے ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی۔ ہندوستان کے بادشاہ ہمایوں کو شیخ محمد غوث گوالیاری کے بھائی شیخ بہلول سے بڑی عقیدت تھی۔ ان دونوں کا ذکر کتاب صفحات الانوار میں انشاء اللہ آئے گا۔ بادشاہ کی اس عقیدت کی وجہ یہ تھی کہ شیخ بہلول تعویذات و عملیات اور دعوات و تسخیرات میں بڑا کمال رکھتے تھے اور ہمایوں بادشاہ کو ان چیزوں سے بڑا اشغف تھا۔

حضرت خواجہ شہاب الدین کو یہ حالات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ واپس لوٹے آپ جب لاہور پہنچے تو ایک دن مجلس میں فرمایا کہ ان دنوں کچھ ایسا مشاہدہ ہوا کہ ایک بڑا سیلاب آرہا ہے اور ہمارے بعد دہلی اور آگرہ کے اس پار جو کچھ بچا تھا سب بہا کر لے گیا اور ہم بڑی کوشش کے بعد اس سے بچ سکے۔ بادشاہ کے مقربین میں سے ایک بزرگ جو حضرت خواجہ شہاب الدین کے بھی محبین اور عقیدت مندوں میں سے تھے اس کی تعبیر سن کر رو دیتے اور حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ اس بارے میں بادشاہ کو مطلع کردیں اور کچھ لکھ دیں آپ نے قلم اُٹھایا اور یہ شعر لکھ دیا:

ہمائے گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

(ہُما سے کہو کہ شرف و بزرگی کا سایہ ہرگز اس جگہ نہ ڈالے جہاں طوطی سے زیادہ کوّے ہوں)

اور آپ ماوراء النہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کے درمیان ہوا جو کچھ کہ ہوا (یعنی شیر شاہ نے اس سے سلطنت چھین لی۔ حضرت خواجہ شہاب الدینؒ کے تصوّف و سلوک میں چند مفید رسالے ہیں آپ کے بعض

ئل سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

نسمہ:

تحریر فرماتے ہیں کہ درویش اگر خدا اور رسولؐ کی رضا کے لیے خالصتہً للہ اپنے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنتِ رسول ﷺ لے کر مسلمانوں کے اہم اُمور کی خاطر بادشاہوں کے دربار میں جائے اور مسلمانوں کی وکالت کرے تو اسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم دولت سمجھنا چاہیے ایسے کام مین درویش کی کوئی بے عزتی لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ اس کی عزت کی بات یہ ہے کہ شریعت مصطفویہ آگے بڑھے اور اسے رونق نصیب ہو اور اس کی بے عزتی یہ ہے کہ شرع شریف کو خوار اور بے عزت دیکھے۔ اور اپنی عزت پر نگاہ رکھے۔

ایک بزرگ بادشاہ وقت کے پاس مسلمانوں کی کوئی فریاد لے کر گئے۔ بادشاہ نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ بزرگ دوبارہ بادشاہ کے پاس گئے تو ان کے صاحبزادگان ومتقدین نے کہا کہ آپ کے اس طرح جانے اور بادشاہ کے قبول نہ کرنے سے آپ کی بے عزّتی ہوتی ہے اس کے لیے کوئی دوسری تدبیر اختیار کریں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اسے نادانو! مسلمان کی آبرو تو اس میں ہے کہ اس کے دین کا کام آگے بڑھے ہم تو اس آبرو کے لیے کوشاں ہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا شریعت کے مطابق بندہ کو جو امر بھی درپیش ہو اسے چاہیے یہ دیکھے کہ اس کام کے ضمن میں مستحق لوگوں کو فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔

نسمہ:

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا:

''اگر کسے گمان برد کہ درمیان بند ہائے حق سبحانہٗ از و بدترے ہست دی متکبر است''۔

(اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس سے کوئی کمتر بھی ہے تو وہ مغرور و متکبر ہے)

سالک کو ان بزرگ کے کلام سے بالیقین یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سلوک میں کس قدر نیاز و انکساری اور شکستگی و فروتنی درکار ہے۔ اسے مقصود تک رسائی کے لیے پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ سالک کا حق تعالیٰ کے ساتھ ملکۂ حضور و محبت اس درجہ ہونا چاہیے کہ اگر اس کے پاس دنیا کا بہت ساز و سامان ہو تو وہ اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو اور یہ اسباب کے ساتھ عدم تعلق اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہونا اس طرح ہو کہ اگر مثلاً اس کا گھر زر و جواہر اور قیمتی ملبوسات سے بھرا ہوا بھی ہو اور چور وہ سب کچھ چرا کر لے جائیں تو اسے کوئی رنج و غم نہ ہو بلکہ وہ شکر بجالائے اور اسے غیبی اشارہ سمجھے کہ ان کا مقصد اور خواہش یہ ہے کہ سالک پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب تک سالک اتنا پاکباز نہ ہو راہِ سلوک میں وہ کامیاب نہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا کہ کون سی راحت و آرام اور کون سا سرور و حضور بھلا اس کے برابر ہے کہ انسان ایسے محبوب کی یاد میں زندگی گزارے جس نے اسے پیدا کیا اور دنیا اور آخرت

کی ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے خوب فرمایا:

جز آنکہ بست داد لب خود مکشا
جز آنکہ تکت داد تکا پوئے مکن

(ماوراء اس کے کہ وہ عنایت فرمادیں تو لب کشائی نہ کر اور ماسواء اس لقمہ کے کہ وہ رحمت فرمادیں تو زیادہ بھاگ دوڑ و تجسس نہ کر)

نسمہ:

فرمایا جس کسی نے بھی جمعیت خاطر وانتشارِ فکر کے متعلق کچھ کہا ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت ہمیشہ اپنے پروردگار کو یاد کرنے کا نام ہے اور انتشارِ فکر اس کی یاد کے بغیر زندگی گزارنا۔

نسمہ:

ان خدمات و نیاز مندیوں کے سلسلے میں جو حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حیوانات سے ظہور میں آئی ہیں یہاں تک کہ ایک خارش زدہ کتے نے ایک بار دونوں ہاتھ پھیلا کر نالۂ حزین کے ساتھ حضرت کو پکارا حضرت خواجہ شہاب الدین خواوند محمودؒ نے یہ بیان کرتے یہ شعر پڑھا:

اگر پائے سگے می بوسم ای ناصح مزن طعنہ
کہ من چنداں بہ کوئے آشنائے دیدہ اُم اُورا

(اگر میں کتے کے پاؤں چومتا ہوں تو اے ناصح تو مجھے طعنہ نہ دے کہ میں نے اس کتے کو بارہا دوست کے کوچہ میں دیکھا ہے)

آپ نے اس کے بعد فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ قادر ہے۔

کیا عجب کہ وہ اپنی بارگاہ کے نیازمندوں کے لیے تمام حیوانات و نباتات کو مناجات میں لگا دے اس لیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جب اپنے کسی بندہ پر خصوصی عنایت فرمانا چاہتا ہے تو اس کے لیے ایسے ہی اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور در پردہ اس پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

ان چند مبارک کلمات کی حضرت خواجہ نے شرح فرمائی ہے جو حضرت مخدوم جامی قدس سرہٗ السامی کو آپ کی وفات کے بعد آپ کے سرہانے سے ملی ہے چناں چہ حضرت مولانا عبدالغفور لاری قدس سرہٗ نے ''تکملہ'' میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس شرح کی ابتداء میں حضرت خواجہؒ کے متبرک قلم سے کچھ ایسے کلمات ظہور میں آئے ہیں جن سے آپ کی انتہائی انکساری، خاکساری اور دید قصور کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں:

عرض ہے کہ اس گنہگار مجرم کو درویشی کا کوئی دعویٰ نہیں اور اگر کوئی درویش ہو تو بھی اسے درویشی کا دعویٰ کرنا درویشی کے منافی ہے اس لیے کہ سالکِ طریق کو ایسا دعویٰ نازیبا ہے۔ درویشی کی چند شرطیں ہیں اور سالک کو وہ بہرحال بجا لانی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ درویش چوں کہ راہِ آخرت کا سالک ہے اس لیے یقیناً اسے ذکر میں مشغول رہنا ہے۔ ذکر خواہ دل سے ہو یا زبان سے۔ تو درویش کا دل زبان اور حلق پاک ہونا چاہیے۔ اب رہی میری بات تو ظاہر ہے کہ کیا میں کہتا ہوں اور کیا میں کھاتا ہوں۔ تو اس طرح میری زبان اور میرا حلق پاک نہیں۔

اور میری زبان کا حال یہ ہے کہ ذکرِ خداوندی کے علاوہ بہت سی بے معنی باتیں کہتی ہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں۔ تو مختصراً یہ کہ جو درویشی کی ان شرطوں کی نگہداشت نہ کر پائے درویشی کا نام لینا اس پر حرام ہے تو غرض یہ کہ میں درویش نہیں ہوں۔ البتہ اتنا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے اپنے فرزند حضرت سلطان

و نصیحت ووصیّت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یکے لحظہ از و دوری نشاید
کہ از نزدیک بودن مہر زاید

(اس محبوب سے ایک لحظہ کی بھی دوری نہ چاہیے کہ اس سے نزدیک ہونے سے آفتاب کی مانند درخشاں وتاباں شخصیت جنم لیتی ہے)

ہم تو محض درویشوں کی باتیں نقل کرنے والے ہیں۔ خود نہ درویش ہیں نہ دانشمند اور مختصر بات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اہلِ اللہ کی باتوں پر عمل کرے گا اس پر دنیا اور آخرت کے فائدے مرتب ہوں گے۔

فَانْظُرْ اِلٰی مَاقَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلیٰ مَنْ قَالَ۔

آپ کا کلام شریف یہاں ختم ہوا۔ (جو کچھ کہا اسے دیکھو، کس نے کہا یہ نہ دیکھو)

صاحبِ تاریخ رشیدی نے آپ کی کرامات کے سلسلے میں دو واقعات بیان فرمائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک درویش ہمیشہ آپ کی خدمت میں آیا کرتا۔ ایک بار جب کھانا آیا تو دوسروں کے ساتھ وہ درویش بھی شامل ہوگیا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح ہوا۔ تیسرے روز اچانک حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس درویش کا حصہ الگ کرکے رکھو اور شام سے نگاہ رکھو تاکہ معلوم ہو کہ اس کے کتنے روزے ہم نے ضائع کیے چناں چہ ایسا کرنے پر پتہ چلا کہ وہ درویش روزانہ روزے سے ہوتا تھا مگر ادبِ صحبت کے باعث اپنا روزہ ظاہر نہ کرتا تھا۔

صاحبِ تاریخ رشیدی نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ جب قندھار مردم مرزا کامران کے ہاتھوں سے نکل گیا اور قزلباش کا اس پر قبضہ ہوگیا تو بعض مخلصین نے بڑے غم بھرے انداز میں حضرت خواجہؒ سے عرض کی کہ قندھار کی بازیابی کے لیے حضرت توجہ فرمائیں۔ چناں چہ حضرت خواجہ نے توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے جدِّ بزرگوار کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ تجھے کس بات کا غم ہے میں نے عرض کیا قندھار کے معاملہ کا۔ حضرت نے فرمایا غم نہ کر سہولت سے معاملہ درست ہو جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اسی دن قندھار پر دوبارہ مردم مرزا کامران کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت خواجہؒ کی ورفات ۹۵۰ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے جدامجد کے مزار مبارک کے دالان میں آرام فرمارہے ہیں۔ رحمہ اللہ سبحانہ'۔

(ج) حضرت خواجہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ کے تیسرے فرزند تھے۔ آپ کا لقب محی الدین تھا۔ ظاہری و باطنی کمالات سے بہرہ ور تھے۔ آپ کا باطنی سبق آپ کے لیے آپ کے جدِّ بزرگوار نے لکھ دیا تھا اور اس عنایت و شفقت کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن آپ کے جدّ امجد باغ ماترید کی سیر میں مشغول تھے کہ اس اثناء میں خواجہ عبدالحق پر جن کی عمر اس وقت سات سال کے لگ بھگ تھی آپ کی نظر پڑی حضرت نے آپ سے پوچھا کہ باغ کی سیر کو ہمارے ساتھ آؤ گے۔ خواجہ عبدالحق نے عرض کیا میں نے ابھی سبق نہیں پڑھا ہے۔ حضرت نے فرمایا آج ہم تمہیں سبق پڑھائیں گے اور اپنے ساتھ باغ میں لے گئے اور یہ چند مبارک کلمات سبق کے طور پر آپ کو لکھ دیے۔

نسمہ:

اے فرزند نورِ چشم! اپنی ساری ہمت اس کام کے لیے اُٹھا رکھو کہ تمہارے دل میں سوائے حق سبحانہ' وتعالیٰ کی ذات کے اور کوئی چیز گھر نہ کرے اگر حق سبحانہ' وتعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز خود سے تیرے دل کو مشغول کرے تو لا الہٰ الا اللہ کہہ کر اس چیز کو دل سے دور کر۔

اور اس طرح دل سے دور کر کہ اس چیز کو اپنا دشمن جان اور حق سبحانہ' وتعالیٰ سے

ئی عاجزی وانکساری سے دعا کر کہ وہ تجھے اپنے سوا کسی بھی چیز میں گرفتار نہ کرتے۔ خود کو پاک وصاف رکھ خلوت وتنہائی میں نماز پڑھا کر اور سر بسجود ہو کر خدا سے دعا کر کہ وہ اپنے خاص بندوں (مقربین) کے دل کی طرف تیری راہنمائی کرے اور سعادت و نیک بختی صرف اسی میں جان کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے خاص بندے تجھے اپنے دل میں جگہ دے دیں اور حق سبحانہٗ سے تجھے طلب کریں کہ اس کی صحبت تیرے دل میں جگہ کرے:

تر ایک پند بس در ہر دو عالم
کہ برناید زجانت جز خدادم
اگر تو پاس داری پاس انفاس
بہ سلطانے رسانندت ازیں پاس
تو مباش اصلاً کمال این ست و بس
رد درد گم شود وصال این ست و بس

(تجھے ہر دو عالم میں صرف ایک ہی نصیحت کافی ہے کہ تیرے دل سے بجز خدا دوسری آواز نہ آئے۔ اگر تو اپنے سانس کی نگہداشت کرتا رہے تو یہی چیز تجھے اس بادشاہ (خالق حقیقی) تک رسائی دے دے گی۔ تو خود بالکل نہ ہو بس یہی کمال ہے اور جا اس میں گم ہو جا بس یہی وصال ہے) آپ کا کلام شریف ولطیف ختم ہوا۔

کہتے ہیں کہ جو کوئی بھی حضرت خواجہ عبدالحقؒ کے شرف ارادت سے مشرف ہوتا آپ اسے اپنے جدِّ بزرگوار کے خط سے یہی سبق لکھ کر دے دیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ ہندوستان بھی تشریف لے گئے تھے۔ یہاں کے حکمران ہمایوں بادشاہ آپ کے ساتھ انتہائی نیازمندی وانکساری کے ساتھ پیش آئے لیکن کسی سبب کی بناء پر بعد میں حضرت خواجہ کے دل میں ہمایوں کی طرف سے ایک گونہ رنجش پیدا ہو گئی تھی بادشاہ

درویشوں کے ساتھ بالعموم اور حضرت خواجہؒ کے عالی خاندان کے ساتھ بالخصوص محبت و اخلاص کا تعلق رکھتا تھا۔ اس نے عذر خواہی کے طور پر چند کلمات آپ کو لکھ کر بھیج دیئے۔ اگر وہ کہیں کہ ہماری راہ تیری راہ سے جدا ہے تو پھر تو کیوں یہ خط لکھتا ہے اور کیوں نیاز مندی و انکساری کا اظہار کرتا ہے کہ یہ ہمیں قبول نہیں۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ نے حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ سے قدسیہ انسیہ میں فرمایا ہے:

به پیوند بآں کسے کہ از تو قطع کند و ببرد
اس سے جوڑ جو تجھ سے قطع تعلق کرے اور کٹے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کمینہ تو آپ کا خادم ہے۔ مجھے آپ کی خدمت اور غلامی سے غرض ہے خواہ آپ قبول کریں یا قبول نہ کریں۔ چناں چہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے بوستان میں اسی بارے میں یہ حکایت نقل فرمائی ہے:

شنیدم کہ پیرے شبے زندہ است
سحر دستِ حاجت بہ حق بر فراشت
یکے ہاتف انداخت در گوش پیر
کہ بے حاصلی رَو سر خویش گیر

(میں نے سنا ہے کہ ایک درویش ایک رات صبح تک جاگتا رہا اور بوقتِ صبح دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ ایک ہاتف نے اس درویش کے کان میں کہا کہ یہ سب بے نتیجہ ہے۔ جا اپنا رَستہ لے)

بریں در دعائے تو مقبول نیست
بہ خواری برد یا بہ زاری بایست

شبے دیگر از ذکر و طاعت نہ خفت
مریدے زحالش خبر یافت گفت

(اس در پر تیری دعا مقبول نہیں یا ذلّت کے ساتھ جا یا عاجزی کے ساتھ ٹھہرا رہ دوسری شب وہ درویش تمام رات عبادت کرتا رہا اور نہ سویا اس کے ایک مرید کو اس کے حال کا پتہ چلا تو اس نے درویش سے کہا):

چو دیدی کزین روئے بربست در
بہ بے حاصلی سعی چندیں مبر
بزارید ز اشک یاقوت فام
بہ حسرت ببارید و گفت اے غلام

(جب تو نے دیکھ لیا کہ اس طرف سے دروازہ بند ہے تو بے فائدہ اس کی چنداں سعی وکوشش نہ کر اس نے حسرت و افسوس کے ساتھ یاقوتی رنگ کے آنسو برسائے اور کہا اے لڑکے!)

بہ نومیدی آنگہ بگر دیدمے
کزیں بہ درے دیگرے دیدمے
مپندار کزدی عناں برشکست
کہ من باز دارم زفتراک دست

(میں مایوس و نا اُمید ہو کر تو اس وقت پھرتا جب اس سے بہتر کوئی دوسرا در دیکھتا تو یہ نہ سمجھ کہ اگر اس نے توجہ پھیری تو میں بھی شکار بند سے ہاتھ اُٹھالوں گا)

شنیدم کہ راہم دریں کوئے نیست
ولیکن بہ ملک دگر روئے نیست

دریں بود سردر زمین فدا
کہ گفتند درگوش جانش ندا
قبول ست .گرچہ ہنر نیستش
کہ جز ماپناہے وگر نیستش

(میں نے سنا کہ اس کوچہ میں میرے لیے راہ نہیں لیکن کسی دوسری طرف بھی میرے لیے کوئی راستہ نہیں وہ درویش اسی خیال میں زمین پر سرِ نیاز رکھے ہوئے تھا کہ اس کی روح کے کان میں یہ ندا آئی کہ اگر چہ تو ہنر مند نہیں ہمیں قبول ہے اس لیے کہ ہمارے علاوہ تیری کوئی پناہ نہیں'')

حضرت خواجہؒ تب سمندری راستہ سے حرمین محترمین کی طرف متوجہ ہوئے (اللہ تعالیٰ اس کے شرف و تکریم میں اضافہ فرمائے) اور اس مبارک مقام کے مکینوں کے ساتھ نیازمندی و ایثار کا سلوک فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں بعض لوگوں کی طرف سے مجھے ایذائیں پہنچیں۔ میرے دل میں چناں چہ خیال گزرا کہ کیا اچھا ہوتا اگر اس مقدس مقام کے لوگ اور زیادہ شائستہ ہوتے اور برابر یہ خیال کانٹے کی طرح میرے دل میں چبھنے لگا۔ ایک رات میں تنہائی میں مصروفِ طواف تھا اور اغیار سے مجھے فرصت نصیب ہوگئی تھی کہ اچانک میرے کاندھے نے محسوس کیا اور میرے کانوں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے'' اے عبدالحق! یہ لوگ ہماری درگاہ کے خانہ زاد ہیں ان پر اعتراض نہ کر۔ صرف انکساری و تکریم کا اظہار کر''۔ چناں چہ اس کے بعد میں ہمہ تن انکساری و ادب ہوگیا۔

حضرت خواجہ کا بیشتر وقت ضعف و ناتوانی اور دکھ میں گزرا کہ **مُحِبُّ اللّٰہِ فِی الدُّنیَا سَقِیْمُ** (اللہ سے محبت کرنے والا دنیا میں دکھی ہے) مگر بدن کے اس ضعف اور طرح طرح کے دکھوں کے باوجود کیا سفر اور کیا حضر۔ حضرت خواجہ عبادات و مجاہدات میں

نہائی چست وتوانا تھے اور فرائض تو کیا کبھی مستحب پر عمل کرنے کو بھی نہ چھوڑتے تھے:

لَکَ فِیْ الْقَلْبِ مَکَانُ مَصُوْنُ

کُلُّ عَتَبٍ عَلَیَّ فَیَهُوْنَ

(تیرا مقام قلب میں بالکل محفوظ ہے۔ مجھ پر ہر عتاب ورنج کا جھیلنا آسان ہے)

کہتے ہیں جب حضرت خواجہ کو انتقال کے بعد نہلانے کے لیے تخت پر لے گئے تو اس وقت حضرت مولانا مصطفیٰ رومیؒ حاضر تھے۔

اس وقت مولانا نے حضرت خواجہؒ کے متعلق فرمایا کہ اس سے زیادہ حضرت خواجہؒ کی کیا کرامت ہوگی کہ اس کمزوریٔ بدن کے باوجود مرتے دم تک انہوں نے کبھی ذکر و عبادات میں سستی نہ کی۔ طرح طرح سے اپنے آپ کو مصروف ذکر وعبادت رکھا۔

حضرت خواجہ کی وفات ۹۵۶ھ میں ہوئی اور اپنے جدّ بزرگوار اور والد بزرگوار قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کے قریب دفن ہوئے۔

یہ مولانا مصطفیٰ رومیؒ (جن کا اوپر ذکر ہوا) بہت بڑے عالمِ دین اور عظیم محدّث تھے تدریس اور تصحیح کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ ماوراء النہر میں نویں صدی ہجری میں ان کی ذاتِ گرامی سے حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اس علاقہ کے اکثر علماء نے اپنی اسانید حدیث کو ان سے درست کیا ۹۶۲ھ میں ان کا وصال ہوا۔

مولانا مصطفیٰ رومیؒ نے سیّد جمال الدینؒ سے سندِ حدیث لی جن کا سلطان حسین کے آخری دور میں ہرات میں ثانی نہ تھا۔ آپ کی بعض تصانیف یہ تھیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ شرح اربعین ترمذی۔ شرح حصن حصین۔ شرح قصیدہ بُردہ اور روضۃ الاحباب وغیرہ فارسی میں مشکوٰۃ شریف کی شرح بھی آپ نے بڑی وقت نظری سے لکھنی شروع کردی تھی لیکن آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ پوری نہ ہوسکی۔ ۹۲۶ھ میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی

کہتے ہیں کہ آپ نے سو بار سے بھی زیادہ صحیحین (بخاری مسلم) اور مشکوٰۃ کا درس دیا تھا۔ میر کشاہ نامی آپ کے ایک فرزند تھے جو علم حدیث میں آپ کی طرح تھے اور علم اخبار اور اسماء الرجال میں آپ سے بہتر ان کی بھی بڑی مفید تصانیف تھیں۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ۔

مولانا محمود قواس رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کی باریکیاں بیان فرمائی ہیں:

سَوَادُ نُوجِہِ فِی الدَّارَیْنِ درویش
سواد اعظم آمد بے کم و بیش

(درویش کے چہرے کی سیاہی سے مراد درویش کی نیستی اور مقام فنا ہے) فرماتے ہیں کہ پہلے مصرعہ میں چہرے کی سیاہی سے مراد درویش کی نیستی اور مقامِ فنا ہے اور سواد اعظم سے مراد حق تعالیٰ کا نور ذات ہے یعنی جب درویش نے اپنی ذات کو درمیان سے اُٹھالیا۔ وہ نور ذات سے پیوست ہو گیا۔ امیر جمال الدین سے آپ نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ چہرے کی سیاہی سے مراد چہرے کا سیاہ تل ہے تو شعر کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح چہرے کا حسن سیاہ تل سے ہے اسی طرح ایک درویش کی زینت نیستی وفنا سے ہے۔ تو شعر میں سَوَادَالْوُجِہِ فِی الدَّارَیْنِ اس سے کنایہ ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ میر جمال الدین سیّد پاک تھے اور جس نے بھی آپ کو دیکھا یقین کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد تھے۔ جامع ملفوظات کا بیان ہے کہ مولانا نے پاکی کے ساتھ جو میر سیّد جمال الدین کی تعریف کی ہے اس سے اعتقاد کی پاکی مراد ہے۔

میر جمال الدین اپنے چچا سیّد اصیل الدین کے شاگرد تھے یہ چچا بھی خدمت میں یگانۂ روزگار تھے۔ اپنے ایک رسالہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہرات شہر میں ایک سو بیس مرتبہ سے زیادہ میں نے شروع سے آخر تک بخاری شریف کا درس دیا ہے اور مشکوٰۃ شریف

ں سے بھی زیادہ مرتبہ اوران دونوں کتابوں کے ختم پر جو دعا بھی مانگی فوری طور پر قبول ہوئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ۹۰۰ھ میں ہرات میں وفات ہوئی۔ کتاب درج الدور فی سیر خیر البشر ﷺ آپ ہی کی تالیف ہے۔ وہ بالواسطہ شیخ القراء والفاظ محمد بن محمد الجرزی کے شاگرد تھے جو عظیم محدثین میں سے ہوتے ہیں اور کتاب نہایہ اور حصن حصین کے مؤلف تھے ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۳۳ھ میں شیراز میں انتقال فرمایا۔ ان کی حضرت قطب الاولیاء خواجہ محمد پارساؒ سے ملاقات کا واقعہ رشحات میں مذکور ہے۔ رحمہم اللہ سبحانہ۔

(د) خواجہ عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرات خواجہ محمد عبداللہ کے چوتھے فرزند تھے اور صورت وسیرت میں اپنے والد بزرگوار کے مشابہ۔ بھائیوں کی حد درجہ خدمت فرماتے۔ صلۂ رحمی کے حقوق کا خیال رکھتے۔ درویشوں کے مشکل اُمور میں ان کے کام آتے اوران پر مہربانیاں فرماتے رہتے۔ اس طرح کی نیکیوں میں وہ وحید روزگار اور ممتاز تھے۔ اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی نسبت و حضور سے بہرہ ور تھے۔

حضرت خواجہ عبدالحقؒ ان کے متعلق فرماتے کہ ہمارے بھائی عبدالعلیم بزرگوں کے زمرہ میں ایک کوہ راسخ (مضبوط پہاڑ) کی طرح ہیں اور آپ کے کاموں میں تردد وتنزل کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

خواتین کے تسلّط کے بعد جب یہ محترم خاندان طرح طرح کے ظلم اور مصائب کا شکار ہوا تو خواجہ عبدالعلیمؒ کاشغر کی طرف متوجہ ہوئے اور دو سال بعد یہیں آپ نے آخرت کا سفر اختیار فرمایا۔ رحمہ اللہ سبحانہ۔

(ر) خواجہ عبدی الشہید رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ کے پانچویں فرزند تھے۔اپنے دادے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی حیات ہی میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت خواجہؒ کو آپ کی ولادت کی اطلاع ملی تو آپ محلّہ ورسین جہاں یہ پیدا ہوئے تھے تشریف لائے آپ کو گود میں اُٹھایا اور دائیں کان میں اذان دی اور بائیں میں اقامت کہی۔شہد کے ساتھ آپ کی تحنیک کی اور عبدالشہید نام رکھا۔حضرت خواجہ نے آپ کے چہرے پر نظر ڈال کر فرمایا اس بچے کے گوش چشم سے فروغ فیض الٰہی اور وفور حضور و آگاہی کے آثار ہویدا ہیں کہ اس بچے سے بڑا فیض ہوگا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ خواجہ عبدالشہیدؒ جب ایک ولی کامل ہو گئے تو تواضع و انکساری کے باعث فرمایا کرتے ایک عمر بیت گئی اور وہ بات جس کی طرف حضرت دادا بزرگوارؒ نے اشارہ فرمایا تھا میں اپنے اندر نہیں پاتا اگرچہ اُس کا اُمیدوار ہوں۔

حضرت خواجہ عبدالشہیدؒ نے اپنے دادا بزرگوارؒ کی تقلید و پیروی میں انتہائی کوشش فرمائی اور اپنے مبارک اوقات کو تین حصوں میں منقسم فرمایا وقت کا ایک حصہ وہ جس میں آپ دینی کتابوں اور اولیاء کرامؒ کے رسائل کا مطالعہ فرمایا کرتے وقت کا دوسرا حصہ وہ جس میں آپ ذکر، تلاوتِ قرآن اور نماز و عبادت میں مصروف رہتے اور وقت کا تیسرا حصہ وہ جو آپ سکوت و مراقبہ میں گزارتے:

ہر روز تو چوں دل تو معمور

(جیسا آپ کا دل یا خدا سے معمور ایسا ہی آپ کا ہر دن مصروف)

۹۶۶ھ میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور تقریباً پندرہ سال یہاں مقیم رہے۔ یہاں کا سلطان آپ کی بے حد عزت کرتا۔ یہاں کے بہت علماء صلحاء امراء اور فقراء آپ سے بیعت ہوئے۔

ایک فاضل تحریر فرماتے ہیں کہ تقریباً بارہ ہزار نفوس آپ کے آستانہ پر تشریف لائے ہیں اور یہ اس واقعہ کی تعبیر تھی جو آپ نے دیکھا تھا کہ آپ کے دادا بزرگوار نے آپ کو کوئی چیز عنایت فرمائی کہ اس کاغذ میں بے شمار ریزے تھے۔ انتہیٰ

۹۸۲ھ میں آپ ماوراء النہر کی طرف لوٹے اور اس واپسی میں انتہائی عجلت فرمائی آپ کے اس سفر کے خدام و رفقاء نے جب اس جلدی کا سبب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا ان ایام میں ہر لحہ شوق دیدار کی ایک ایسی کیفیت پیش آئی کہ میں بے حال ہو گیا اور اس سفر کے اختتام پر اپنا سفرِ آخرت مشاہدہ کیا۔ ان ایام میں اپنے دادا بزرگوار کو میں نے خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں اب زیادہ دیر نہ کرو۔ اور خود کو ہماری طرف رواں دواں جانو۔ چناں چہ حضرت خواجہ عبدالشہید جب سمرقند کی سرحد پر پہنچے تو آپ نے سر منڈوایا اور فرمایا کہ سمرقند میں شاید سر کو حلق کرنے کی (منڈوانے کی) مہلت نہ ملے شہر پہنچنے کے تین روز بعد آپ بیمار پڑے اور بیس دن بعد سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ بیماری کے ایام میں آپ نے ضروری وصیّتیں ارشاد فرمائیں۔ آپ کے صاحبزادگان اور خدام نے ایک کے سوا سب وصیتیں قبول فرمائیں۔ وہ ایک وصیّت یہ تھی کہ آپ نے فرمایا مجھے میرے جدِّ بزگوار کی پائینتی کی جانب رہگذر پر دفن کرنا تا کہ دادا بزرگوار کے مزار مُبارک کی زیارت کو آنے والے رکھتے ہوئے آئیں اور ان کی قدم بوسی سے مشرف ہوں۔ صاجزادگان اور نیاز مندوں نے عرض کیا کہ آپ کے جدِّ امجد کے صفّہ میں صرف ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ اس متبرک جگہ کا آپ سے زیادہ کوئی مستحق نہیں۔ اگر حضرت کو زیر صفّہ مدفون کر دیا پھر دوسرے کے لیے گنجائش نہ رہے گی کہ زیر صفّہ خوابگاہ بنا سکے۔ اس بارے میں جب ان حضرات کا اصرار بڑھا تو آپ نے قبول فرمالیا۔

ایک دوسری وصیّت میں آپ نے یہ فرمایا کہ میرے مزار کی طرح پر قرآنی آیات یا

احادیثِ نبویؐ میں سے کوئی چیز کندہ نہ کرائی جائے کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ مٹ جائے اگر لوح پر کچھ لکھنا ہی ہے تو شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کا یہ شعر لکھ دیا جائے:

چیست ازیں خُوبتَر درہمہ آفاق کار

دوست رود نزد دوست یار بہ نزدیک یار

(اس پوری کائنات میں بھلا اس سے زیادہ خوبصورت اور بہتر چیز کیا ہوگی کہ ایک دوست دوسرے دوست کے قریب آجائے اور ایک یار دوسرے یار کے نزدیک")

اور حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا یہ شعر بھی:

ملفسانیم آمدہ در کوئے تو

شیئاً للّٰہِ از جمال روئے تو

(ہم مفلس اور غریب تیرے کوچہ میں آئے ہیں۔ اللہ کے واسطے تیرے جمال رو سے ہمیں بھی کچھ ملے)

اور حضرت شیخ سعدیؒ کا یہ شعر بھی:

اگر خاک شد سعدی اوراچہ باک

کہ در زندگی نیز بودست خاک

(اگر سعدی خاک ہوگیا تو کیا حرج کہ زندگی میں بھی تو وہ مٹی ہی تھا)

انتقال سے پیشتر رات کو جب حافظ سورۃ یٰسین کی تلاوت کے لیے جمع ہوئے تو حضرت خواجہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا جب وقت آئے گا اس کا اشارہ ہوجائے گا جب کچھ وقت گزرا تو آپ نے فرمایا وقت ہوگیا ہے۔ حاضرین سمجھے کہ حضرت شاید عشاء کے وقت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ کیا وقت عشاء ہوگیا ہے؟ چناں چہ حاضرین نے کہا ابھی سفیدی باقی ہے آپ نے فرمایا نہیں (آخری) وقت پہنچ گیا ہے (یعنی میرے اس دنیا

رخصت ہونے کا وقت آ پہنچا) پھر لوگوں کو پتہ چلا کہ اس "وقت ہو گیا ہے" سے آپ کی مراد کیا تھی۔ چناں چہ حاضرین نے ذکر ذات کے ساتھ آواز بلند کی اور حضرت نے آخرت کے لیے رختِ سفر باندھا۔ آپ کی وفات کا یہ واقعہ ۲۶ رمضان المبارک ۹۸۳ھ میں پیش آیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

میر عبدالحی:

یہ حضرت خواجہؒ کے منظور نظر مرید تھے۔ آپ کی وفات کی دن موجود تھے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی اولاد واحفاد و صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کے متعلق آپ نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیا جانے لگا تو یہ عاجز خود یعنی میر عبدالحیؒ اور خواجہ ہاشمیؒ اور مولانا عصمت اللہ بخاریؒ موجود تھے۔ غسل کے وقت جب آپ کو دوسرے پہلو کی طرف کرنا چاہا تاکہ اس جانب سے غسل دیا جاسکے تو کافی قوت اور زور لگانے کے باوجود آپ کا پہلو نہ بدلا جاسکا۔ اس پر خواجہ ہاشمیؒ نے فرمایا کہ شاید اس جانب آپ کا کوئی عضو برہنہ ہے تو آپ حضرات اپنی آنکھیں بند کر کے وہ پہلو بدلیں۔ چناں غسل دینے والوں نے ایسا کیا تو حضرت خواجہ عبدالشہید کا وہ پہلو نرم ہو گیا۔ مولانا خواجگی وہبیدی کے فرزند خواجہ کلاں علیہما الرحمۃ جو اس وقت موجود تھے وجد میں آ گئے اور یہ شعر پڑھا:

آں پری رخسار آمد جائے در دل کرد و رفت

مرغِ جانم را بہ تیغ غمزہ بسمل کرد و رفت

(وہ حسین رخسار والا محبوب آیا۔ دل میں جگہ بنائی اور چلا گیا۔ میری مرغِ جان (روح) کو اپنی ناز و ادا اور غمزہ کی تیغ سے بسمل کیا اور چلا گیا)

حضرت خواجہؒ نے سلوک اور اذکار میں بعض رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ ہم تبرکاً ایک

رسالہ سے آپ کے تین ارشادات یہاں نقل کرتے ہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا اے درویش جب کچھ کہنے کا خیال تیرے دل میں آئے تو قرآنِ کریم کی یہ آیت اپنے دل میں مستحضر کرلے تا کہ کوئی لغوبات تیرے منہ سے نہ نکلے۔

مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق ۱۸)

(وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے)

نسمہ:

آپ نے فرمایا اے طالب درویش! ہر چند کہ یہ ممکن ہے کہ بغیر راستہ بتانے والے اور بغیر راہبر کے

قدِّس سرُّہٗ و دوڑ لگائے لیکن اس طرح یہ دشوار ہے کہ تو منزلِ مقصود تک بھی پہنچ جائے۔ نا اُمید نہ ہو اور طلب نہ چھوڑ بیٹھ اور یہ خیال ہمیشہ دل میں جما رکھ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا:

اگرچہ دولت وصلش بہ چوں منے نرسد
دریں خیال بمیرم کہ خوش تمنائے است

(اس کے وصل کی دولت اگرچہ مجھ جیسے کو نہ ملے گی مگر میں اسی خیال میں مرتا ہوں کہ یہ ایک اچھی آرزو ہے)

اے طالب! تیرا کام دوامِ عبادت وعبودیت ہے۔ رہا دوامِ آگاہی تو یہ محض ان کا فضل اور ان کی عنایت ہے۔

نسمہ:

فرقہ پرستوں کی صحبت سے اجتناب کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

روئے در دیوار کن تنہا نشیں

از وجودِ خویش ہم خلوت گزیں

(اپنا منہ دیوار کی جانب کر اور تنہا بیٹھ۔ تو اپنے وجود سے بھی خلوت گزیں ہو)

پیغمبر ﷺ نے ابتداء میں غارِ حرا میں خلوت اختیار فرمائی۔ وہاں آپ کو خلعت نبوت ملی۔ تو تیرا تن (جسم) مخلوقِ خدا کے ساتھ مشغول رہے اور تیرا دل حق تعالیٰ (خالق) کے ساتھ۔ آپ اپنے رفقاء سے اکثر فرمایا کرتے۔

اہلِ بہشت بر چیزے حسرت نخورند مگر براں

ساعت کہ در دنیا ایشاں را بے ذکر حق سُبحانہ گذاشت

(اہلِ جنت کسی چیز کا افسوس نہ کریں گے مگر ان اوقات کا جو انہوں نے دنیا میں بغیر خدا کے ذکر کے گزارے)

(س) خواجہ ابوالفیض رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے چھٹے فرزند تھے اپنے آباؤ اجداد کی نسبت اور ان کے اطوار سے باخبر اور سخاوت، حسنِ اخلاق اور جوانمردی کی صفات سے بہرہ ور۔

یہ بات مخفی نہ رہے کہ خواجہ عبدالہادیؒ خواجہ خواوند محمودؒ اور خواجہ عبدالحقؒ ایک ماں سے تھے اور خواجہ عبدالحلیمؒ، خواجہ عبدالشہدؒ اور خواجہ ابوالفیضؒ ایک ماں سے حضرت خواجہ عبدالہادیؒ کی والدہ سید تقی محمد کرمانیؒ کی صلب سے تھیں جن کا نسب پندرہ واسطوں سے حضرت امام محمد باقرؓ رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت خواجہ عبدالعلیمؒ کی والدہ خواجہ نظام الدین کی صلب

سے تھیں جو بھائی ہیں خواجہ عصام الدین کے جن کا نسب نامہ اس طرح ہے خواجہ نظام الدین خواجہ عبدالملک بن خواجہ عماد الدین بن خواجہ جلال الدین محمد بن مولانا زین الدین عبدالرحیم بن شیخ الحنفیہ مولانا برہان الدین فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ''الهدایة'' کے مؤلف رحمہم اللہ سبحانہٗ۔ اور صاحب ہدایہ کا نسبت پندرہ واسطوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مل جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ کی ولادت ماہِ رجب ۵۱۱ھ میں ہوئی۔ ۵۴۴ھ میں بیت الحرام کے طواف اور روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی توفیق ہوئی۔ پھر ۵۶۳ھ میں وہ سمرقند واپس ہوئے اور ہدایہ املاء کرانی شروع کی۔ اس املاء کی ابتداء ۵۷۳ھ میں ہوئی اور اس کا اختتام ۵۸۳ھ میں۔ صاحب ہدایہ کا انتقال ۵۹۳ھ میں ہوا۔ رحمہُ اللہ سبحانہٗ۔

(ص) خواجہ محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے ساتویں فرزند تھے اور اپنے بزرگوں کی حضور و نسبت کی میراث سے بانصیب۔ بیگ خان کے بادشاہ سے اختلافات کے بعد کاشغر کے سلطان رشید خان نے حضرت خواجہ کے پہنچنے سے پیشتر آپ کے جدّ بزرگوار حضرت خواجہ احرار قدس اللہ سرہٗ الاقدس کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں۔ کہ ہمارا ایک فرزند اس دیار میں آ رہا ہے۔ اس کی اعانت و نگہداشت کا خیال رکھنا۔ چناں چہ سلطان مذکور نے ان کے لیے انتہائی انکساری و نیازمندی کا اظہار کیا۔ اس سلسلۂ عالیہ کے بعض بہی خواہوں نے بھی اس سے ان کے بارے میں سفارش کی تھی۔ ۱۴ رصفر ۹۳۹ھ کو آپ نے اس دارِفانی سے کوچ فرمایا۔ صاحبِ تاریخ رشیدی نے آپ کے انتقال کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حضرت خواجہ خوادند محمودؒ کاشغر تشریف لائے تو ان کے اور خواجہ محمد یوسف کے درمیان رشک کے باعث کچھ شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ ایک دن میں خواجہ خواوند محمودؒ کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ خواجہ یوسفؒ بھی وہاں بیٹھے ہیں اور خواجہ خواوند محمود غصہ کی حالت میں کہہ رہے ہیں محمد

تو میرے ساتھ یہ کرتا ہے اور وہ کرتا ہے۔ اگر تو والد کا مرید ہے تو میں حضرت دادا بزرگوار قدس سرہٗ کا مرید ہوں اور تو مجھ سے عمر میں اتنا چھوٹا ہے گویا میرے بڑے بچوں کی عمر کا۔ یہ اچھی طرح سن رکھ کہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں سے میری تائید ہوتی ہے۔ تجھے یہ کہاں زیب دیتا ہے کہ میرا مقابلہ کرے خواجہ یوسف نے عرض کیا کہ مجھے بھی حضور ﷺ سے اُمیدیں ہیں۔

خواجہ خواوند محمودؒ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان آنحضرت ﷺ فیصلہ فرمادیں۔ خواجہ یوسف نے فرمایا ہاں میں راضی ہوں۔ خواجہ خواوند محمودؒ نے فرمایا میں بھی راضی ہوں۔ دونوں خاموش ہو گئے اور اسی پر یہ مجلس ختم ہوگئی۔ اسی دن خواجہ خواوند محمودؒ بدخشاں کی طرف چلے گئے انہی دو تین دنوں میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اطلاع دی کہ خواجہ یوسف بیمار ہو گئے اور مجھے بلایا ہے چناں چہ میں جب خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتی کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ مجھ سے فرمانے لگے مجھے معلوم ہے کہ مدت سے خواجہ خواوند محمود کو مشغولی تمام حاصل ہے اور وہ میری طرف متوجہ ہیں اور مجھے اس سے پیشتر حضرت رسالت پناہ ﷺ کی بڑی عنایات حاصل تھیں۔ اب نہ معلوم کیوں اتنی تاخیر ہوگئی کہ یہ عنایات ظاہر نہیں ہوئیں۔ مجھے یقین ہے میں اس بیماری سے جانبر نہ ہوسکوں گا۔ خواجہ خواوندؒ کو بجائے والد بزرگوار کے تھے۔ یہ سارا غصّہ اور جلال بھلا برادرانہ مشفقت کے بجائے کہاں مناسب تھا اس کے بعد آپ نے متعلقین سے حسنِ سلوک کے بارے میں ارشادات فرمائے اور اس دارِفانی سے رحلت فرمائی اس بندۂ عاجز طاہر بہشتی کو آپ کی تاریخِ وفات ملی۔ یہ خبر جب خان مذکور کو پہنچی تو مجھے عجلت کے ساتھ خواجۂ خواوند محمودؒ کے پاس بھیجا اور انہیں بلوایا۔ حضرت خواجہؒ آئے۔ لوگ تعزیت کے لیے ان کے پاس پہنچے آپ نے کھانا وغیرہ کیا اور ختمات کرائے۔ گویا یہ سارا معاملہ اس مصرعہ کا مصداق ہوگیا:

خود کشتہ قاسم را خود تعزیہ میداری

کہ (خود قاسم کو مارا اور خود تعزیت کی) صاحب تاریخ رشیدی کا کلام ختم ہوا۔

واضح ہو کہ صاحب تاریخ رشیدی سے مراد جن کا متعدد جگہ ذکر آیا ہے میرزا حیدر گورگان ہیں۔ انہیں اس سلسلۂ عالیہ کے حضرات سے انتہائی نیازمندی اور اخلاص کا تعلق تھا۔ وہ کئی بار حضرت مولانا محمد قاضی اور حضرت خواجہ خواوند محمودؒ قدس سرہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کے حالات انہوں نے اپنی تاریخ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ وہ دونوں بزرگ بھی ان سے انتہائی درجہ کی شفقت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا قاضیؒ نے آداب مملکت داری سے متعلق ان کے نام ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو بہت عمدہ ہے وہ جن دنوں کشمیر کے حاکم تھے انہوں نے وہاں کے اہل زندقہ اور ملحدین کفار کا قلع قمع کرنے اور انہیں قتل کرنے میں جو وہاں بہت کثیر تعداد میں تھے بے حد کوشش فرمائی۔ اللہ پاک انہیں ہم سب کی جانب سے بہترین جزا دے۔ اپنی تاریخ میں انہوں نے اس سلسلہ عالیہ کے بعض اکابر کے مختصر حالات بیان فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے ذکر میں انہوں نے ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی ہے جو نفحات و رشحات میں بھی موجود نہیں ہے۔ لکھتے ہیں کہ مولانا عطاء الکاشغریؒ نے جو اس دور کے عظیم علماء میں سے تھے فرمایا کہ سمرقند میں علوم دین حاصل کرنے کے دوران ہم وطنی کے رشتہ سے اکثر مولانا سعد الدین کاشغریؒ سے میری ملاقات رہتی۔ ایک روز طالب علموں نے کہا کہ:

شہر کے فلاں محلّہ میں ایک شیخ آئے ہیں جن کا نام شیخ سراج ہے اور وہ کھانے میں مہمانوں کو نان اور دوشاب (انگور کا رس) پیش کرتے ہیں۔ میں اور مولانا سعد الدین کاشغریؒ طے کر کے اس لذیذ نان و دوشاب کے لیے سراج کے پاس گئے شیخ نے وہی لذیذ کھانا ہمیں پیش کیا۔ میں تو اس کے کھانے میں مشغول ہو گیا اور مولانا سعد الدین اور وہ شیخ

، حکایت میں۔ اس دوشاب کی لذت میں مجھے بالکل پتہ نہ چلا کہ ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں۔

کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ شیخ کی گفتگو میں گرمی آئی ہوئی ہے اور مولانا پر گریہ طاری ہے۔ جہاں وہ اپنا آنسوؤں سے تر ہاتھ رکھتے ہیں وہاں سے دھواں سا اُٹھتا ہے یہ دیکھ کر میرے دل میں ایک رعب اور خوف سا پیدا ہوا۔ میں وہاں بیٹھ نہ سکا۔ اور باہر چلا گیا اس دن کے بعد حضرت مولانا سعد الدین کاشغریؒ پھر باہر نہ نظر آئے ان کا حجرۂ عرصہ تک مقفل پڑا رہا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد خراسان میں ان کی شہرت ظاہر ہوئی۔ انتہی

راقم الحروف عفی عنہ کا خیال ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ ان شیخ سے مراد شیخ سراج ہرمسی ہوں۔ جو حضرت خواجہ بزرگؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ مولانا سعد الدین شروع میں ان کی صحبت میں رہے تھے جیسا کہ صاحب رشحات نے حضرت شیخ کے احوال میں اس کی تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میرزا حیدر مذکورؒ امیر خدایداء رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں جو بلاد کاشغر کے امراء میں سے تھے جو بلاد کاشغر کے امراء میں سے تھے اور درویشوں کے خیر خواہ۔ جس زمانہ میں قرغیز وقلماق کے کفار نے اس حدود کے مسلمانوں کے شہروں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا اور ان میں سے کچھ مسلمانوں کو پکڑ کر قید کر دیا۔

اس وقت امیر خدایداد نے بھاری رقمیں خرچ کر کے انہیں کافروں سے خریدا اور ان مسلمانوں کو ان کے اپنے اپنے شہر بھجوایا اور یہ جود وسخا اس امارت وحکومت کے باوجود تھی جن کی بھاری ذمہ داری ان پر تھی۔ ان نیکیوں ہی کی برکات تھیں کہ آخر عمر میں انہیں حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس کے باوجود کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور عمر نوّے سال کو پہنچ چکی تھی اور اپنی اہلیہ صاحبہ کے ہمراہ عجب محبت ودیوانگی

کے عالم میں عازم حجاز ہوئے۔ جب سمرقند پہنچے تو مرزا الغ بیگ نے عزت واحترام کے ساتھ انہیں مہمان بنایا۔ اس مجلس میں مرزا نے ان سے کہا کہ مجھے چنگیزی آداب اور رسم وآئین سکھائیں۔ حضرت امیر خدایداد نے فرمایا ہم ان ملعونوں کے آداب اور رسم و آئین کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو آداب وطریقہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا ہے۔ اگر مرزا بہتر سمجھیں تو ان آداب محمدیؐ کی میرزا کو تعلیم دے دیں۔ میرزا الغ بیگ نادم وشرمندہ ہوگئے اور سکوتِ اختیار کیا۔ حضرت امیر نے وہاں سے جانب قبلہ رُخ کیا اور روانہ ہوئے۔ جب بغداد سے آگے نکلے تو عجیب فرطِ محبت و جنون کا عالم تھا مدینہ شریف کا راستہ بھول گئے۔ مدنی آقا ﷺ پر درود وسلام ہو کہ ان کا یہ شہر مومنین کے لیے باعث سکینہ ہے۔ بالآخر کچھ دن اور عجیب محبت کے عالم میں مدینہ شریف پہنچے۔ طواف وزیارت ادا کرنے کے بعد اسی رات انتقال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ بعض اکابر مدینہ نے اس رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اب فرما رہے ہیں۔ میرا ایک مہمان دور دراز سے یہاں پہنچا اور اس نے پہنچتے ہی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اس کے جنازہ میں حاضر ہو اور اس کے لیے توقیر وعزت کا اظہار کرو۔

صبح لوگوں میں ڈھونڈ پڑی اور پوری تعظیم واحترام کے ساتھ انہیں بقیع کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ دوسری رات ان کی اہلیہ صاحبہ نے بھی انتقال فرمایا رحمہم اللہ سبحانہٗ:

چوں ہمی خواہند تا مُرغ فرا دام افگنند
دانہ بنمودہ مست از شاخ وازبام افگنند

(جب وہ بلندی میں اُڑنے والے پرندہ کو جال میں لانا چاہتے ہیں اسے دانہ دکھاتے ہیں اور وہ شاخ پر ہو یا بالا نہ خانہ پر اسے نیچے گرا لیتے ہیں)

یہ اللہ پاک کا فضل ہے جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے ان فرزندگانِ رحمہم اللہ کی بعض اولاد اور ان کے بعض متعلقین ایسے تھے جنہیں ان کی اس نسبت معنوی سے بڑا حصہ ملا تھا۔ ہم اب ان میں سے بعض کے حالات بیان کرتے ہیں۔

(الف): خواجہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ محمد عبداللہ (فرزند خواجہ احرار قدس سرہ) کے پہلے صاحبزادے حضرت خواجہ عبدالہادیؒ کے دوسرے بیٹے تھے۔ (قاسم بن عبدالہادی بن محمد عبداللہ بن خواجہ احرارؒ) ایام شباب میں آپ کو حرمین شریفین (زادھما اللہ تشریفاً وتکریماً) کی زیارت کی توفیق ہوئی۔ تاحیات آپ اسی مقدّس سرزمین پر اقامت پذیر رہے اور عبادت و ریاضت میں وقت گزارا۔ بلاد یمن و روم میں متعدد اکابرؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور بیشتر مقبروں کی زیارت کی۔ مولانا اسماعیل شروانی قدس سرہٗ جو حضرت خواجہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز کے کبار اصحاب میں سے تھے اور اس مقدس سرزمین میں مقیم تھے ان سے ان بزرگوں کے طور طریقے سیکھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ قاسمؒ نے لوگوں سے اپنے حسب ونسب کو مخفی رکھا۔ جب حضرت مولانا اسمٰعیل شروانیؒ سے ملاقات کی تو ان سے بھی بڑے اصرار سے یہ چیز پوشیدہ رکھی یہاں تک کہ ایک دن مولانا نے کھوج نکالا اور اصرار سے اور زور دے کر ان سے اس بارے میں پوچھا تو مجبوراً حضرت خواجہ کو بتانا پڑا۔

حضرت مولانا کی وفات کے بعد خواجہ قاسمؒ کے چچا محی الدین خواجہ عبدالحقؒ مکہ شریف پہنچے تو حضرت خواجہ نے ان کی خدمت ومعیت اختیار کی اور ان کی بھی بہت سی عنایات سے نوازے گئے۔ حضرت خواجہ عبدالحق نے خواجہ قاسمؒ کے اوصاف کو سراہا ہے۔ یہ صورت بلکہ سیرت میں اپنے جدّ بزرگوار قدس سرہٗ کی نظیر تھے اور ہم شکل تھے۔ انہوں نے

بھی حرمین شریفین میں ہی وصال فرمایا اس مقدس سرزمین میں آپ کے بعد آپ کی اولاد آبادرہی رحمہم اللہ۔

(ب): خواجہ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ عبدالکافیؒ کے صاحبزادے اور حضرت خواجہ عبدالہادیؒ کے پوتے تھے۔ فضائل سے آپ کو کامل حصہ ملا تھا اور تقویٰ و پرہیز گاری سے حصہ وافر۔ اس سلسلۂ عالیہ کے ذکر و مراقبہ کی تعلیم آپ کو خواوند محمودؒ سے ملی تھی جو آپ کے والد خواجہ عبدالکافی کے چچا تھے۔ مختصر یہ کہ بڑے فرشتہ خصلت اور پاکیزہ کردار کے بزرگ تھے۔

(ج): خواجہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ عبدالکافیؒ کے دوسرے فرزند تھے اور اپنے بزرگوں کی ظاہری و باطنی خوبیوں کے مالک بیس سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت اور طواف کے شرف سے مشرف ہوئے اور باقی زندگی انھی مقدس مقامات پر ظاہری و باطنی سلوک میں گزار دی۔ شام تشریف لے گئے تھے کہ وہیں شام زندگی نے آدبوچا اور آپ نے وصال فرمایا۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ

(د): خواجہ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ خواوند محمودؒ کے فرزند اوّل تھے۔ بڑے حلیم الطبع و کم آزار اور اپنے بزرگوں کی نسبت کی چاشنی اور اتباعِ طریقت کے آشنا تھے۔

(ر): خواجہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ:

یہ خواجہ شہاب الدین محمودؒ کے دوسرے فرزند تھے۔ بلند جذبات و حالات کے مالک آپ کی روشن پیشانی سے شرافت و ولایت کے آثار نمایاں تھے۔ اہلِ اللہ کے ارشادات

بیان کرنے میں زبان کی عجیب تاثیر رکھتے تھے۔

(س): خواجہ معین الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی خواجہ خواوند محمودؒ کے سعادت مند فرزند تھے۔ اپنے والد بزرگوار سے طریقت کی تعلیم حاصل کی تھی بڑی موزوں طبیعت کے مالک تھے اور زبان کے فصیح و بلیغ۔ بڑے بڑے مشائخ اور متقی علماء کرام کی صحبت میں رہے تھے۔ عشقِ الٰہی سے سرشار تھے۔ رحمہُ اللہ سبحانہٗ

(ش): خواجہ عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ عبدالشہیدؒ کے فرزند گرامی تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے مزار منبع الانوار پر ان کے لائق جانشین اور خلف رشید ورحمہُ اللہ سبحانہٗ ۔

(ص): خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ ابوالفیضؒ کے فرزند تھے۔ آغازِ جوانی ہی میں انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی تھی اپنے عم بزرگوار حضرت خواجہ عبدالحق کے منظورِ نظر ہوگئے تھے ان کے انتقال کے بعد ہندوستان تشریف لائے یہاں سلطان ہند نے کئی ہزار درہم و دینار دے کر انہیں کاروانِ حجاز کا امیر بنا کر حرمین بھیجا۔ اس سفر میں انہوں نے بندگانِ خدائے عزوجل کی خدمات کی بجا آوری کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ برتی اور ممکنہ حد تک ان کی خدمت کی۔ اس مبارک سفر کی واپسی کے بعد آپ نے فقر و توکّل اور گوشہ نشینی و عزلت گزینی کی زندگی پسند فرمائی ظاہری فضائل و برکات سے بھی آپ کو پورا حصّہ ملا تھا۔

فن طب سے بھی خوب واقفیت حاصل کر لی تھی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ خود اس کا انتظام کیا اور بیماروں کے علاج معالجہ میں لگ گئے۔ آپ نے ۹۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آگرہ میں آخری آرام گاہ ہے رحمہ اللہ سبحانہٗ ۔

(ض): خواجہ ہاشم رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت خواجہ محمد یحییٰ کے بھائی تھے عظیم دینی عالم اور درویش تھے اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں اپنے چچا خواجہ عبدالشہید کی صحبت و خدمت اختیار کر لی تھی اور اس صحبت و خدمت کی برکت سے ظاہری و باطنی کمالات سے بہرہ ور ہوئے اور طالبانِ طریقت کی تعلیم و تربیت کی اجازت حاصل کی۔ حضرت خواجہ عبدالرشہید کی وصیتوں میں ایک یہ وصیّت تھی کہ طالبانِ طریقت حضرت خواجہ ہاشمؒ کے ساتھ وہی برتاؤ کریں جو ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔ طالبانِ علوم شریعت و معرفت متعدد سال مزار فائض الانوار میں آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے مستفید ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۰۱۲ھ میں آپ نے اس دارفانی سے آخرت کا سفر اختیار فرمایا اور مزار کے چبوترے کے نیچے مدفون ہوئے رحمہ اللہ سبحانہٗ۔

(ط): خواجہ محمد یحییٰ المعروف بخواجہ کلانؒ:

آپ خواجہ محمد یحییٰ شہید کے پوتے تھے اس لیے کہ آپ خواجہ عبدالباقیؒ شہید کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ حضرت میر عبدالاوّل کی صاحبزادی تھیں اور حضرت خواجہ احرارؒ کی نواسی۔ آپ کی ولادت چوں کہ ایسے ایّام میں ہوئی تھی۔ کہ آپ کے دادا بزرگوار خواجہ محمد یحییٰ کو شہید کیا گیا تو آپ کا نام آپ کے دادا کے نام پر محمد یحییٰ رکھا گیا۔ آپ بڑے پرہیزگار صاحبِ تقویٰ و فضائل اور فرشتہ صفت بزرگ تھے۔

(ع): خواجہ عبدالصبور رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی خواجہ محمد یحییٰ کو شہیدؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار خواجہ عبدالعظیم بن مرزا خواوند بن خواجہ محمد امین بن خواجہ محمد یحییٰ شہید تھے۔

خواجہ عبدالصبورؒ جب چالیس سال کے ہوئے اللہ پاک کی عنایت سے آپ کو جذبۂ قوی حاصل ہوا۔ آپ اسی طرح لاہور شہر میں تیس سال مجذوب و مغلوب رہے۔ بالآخر ۹۹۹ھ میں جوارِ رحمت میں جگہ پائی۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سبحانہٗ

(ف): میر مخدوم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی والدۂ محترمہ حضرت خواجہ محمد عبداللہؒ کی پشت سے تھیں اور آپ کے والد بزرگوار میر عبدالملک بن میر تقی الدین محمد کرمانی کا پہلے ذکر ہوا ان کے نواسے تھے۔ ظاہری فضائل سے کامل حصہ پایا تھا۔ بلند ہمت اور موزوں طبیعت کے مالک تھے۔ اپنے صاحبِ کمال ماموں خواجہ عبدالحقؒ سے طریقت و انابت کی تعلیم اور طریقۂ خواجگان کا حصول کیا تھا اور جمعیت خاطر و صفائے سِرّ حاصل کیا تھا رحمہ اللہ سبحانہٗ۔

(ق): میر عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ:

آپ میر مخدوم کے بھائی تھے اور انتہائی سادہ لوح مومن صفت تھے۔ سب پر مہربان، سب سے شفقت کرنے والے تھے آپ نے بھی اپنے ماموں خواجہ عبدالحقؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی تھی۔

(ک): میر عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بھی انہی میر مخدوم کے بھائی تھے جن کا ابھی ذکر ہوا اپنے ماموں خواجہ خاوند محمودؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور صاحبِ نسبت و حضور ہوئے۔ حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد اپنے دوسرے ماموں خواجہ عبدالحق کی خدمت میں مصروف ہوئے ان کے بعد آپ نے ایک اور ماموں خواجہ عبدالشہیدؒ کے ساتھ وقت گزارا۔ ان بزرگوں کی عنایات اور شفقتوں سے آپ نے بلند مقامات حاصل کیے۔ رحمہُ اللّٰہ سبحانہٗ

(ل): میر عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ میر مخدوم کے بڑے صاحبزادے تھے بزرگانہ طور طریق تھے۔ میر عبدالحیٔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات کے وقت میں موجود تھا۔ انتقال سے پہلے آپ نے فرمایا مجھے تیس سال ہو گئے ہیں۔ روزانہ میں اپنی فوت نمازیں قضا کرتا ہوں آپ نے دہلی میں ۹۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بعد وفات آپ کی میّت کو مرزا فایض الانوار سمرقند لے گئے۔

(م): میر عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ:

جن میر عبدالسلام کا اوپر ذکر ہوا آپ ان کے فرزند تھے آپ کی والدہ محترمہ خواجہ ابوالفیض مغفور کی صاحبزادی تھیں آپ نے والد بزرگوار سے باطنی تعلیم حاصل کی اور اسی التزام کی برکتوں کے باعث بلند مرتبہ کو پہنچے آپ کے ماموں خواجہ محمد یحییٰ نے جن کا اوپر ذکر ہوا اپنی وفات کے وقت آپ کو بلایا اور ایک عصا اور عمامۂ مبارک آپ کو دیتے ہوئے فرمایا ہمیں جس طرح یہ چیزیں بزرگوں سے ملیں ہم اب یہ میر عبداللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ میر عبدالحیٔ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ بتیس سال سے اس عاجز کو میر عبداللہ کی خدمت ونسبت کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں نے کوئی چھوٹا گناہ بھی آپ سے سرزد ہوتے نہ دیکھا نہ کسی متنفس کو آپ سے کبھی کوئی رنج ودکھ پہنچا اور نہ کسی نے آپ کو کبھی رنجیدہ کیا۔

راقم الحروف نے بھی بہت سے بزرگوں سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ کی باطنی اولاد میں سال ہزار کے بعد آپ جیسی شخصیت ہم نے نہیں دیکھی ہے۔ ساری ساری رات جاگنا اور ذکرِ الٰہی ومراقبہ میں مصروف رہنا۔ خاموشی اختیار کرنا اور اپنی عبادتوں کو چھپانا جو بزرگوں کا خاص طریقہ ہے۔ ان باتوں میں آپ کو وہ راسخ کی طرح

تھے۔آپ نے ۱۰۲۶ھ میں ہندوستان کے شہر اجین میں انتقال فرمایا آپ کی میّت کو آگرہ لے جایا گیا اور اپنے مرشد اور ماموں خواجہ محمد یحیٰ کے پہلو میں دفن کیا گیا آپ کبھی کبھی عارفانہ کلام بھی ارشاد فرمایا کرتے۔آپ کی یہ رباعی اسی عارفانہ کلام کا حصہ ہے رَحِمہُ اللہ سبحانہٗ

آں بادۂ تلخ کہ زمیخانۂ تست
شہد ست باں کسے کہ دیوانۂ تست
از درد سر خمار ہستی رُستن
موقوف یکے نگاہ مستانہ تُست

(تیرے میخانہ کی یہ شراب تلخ ہے مگر جو تیرا دیوانہ ہے اس کے لیے شہید کی طرح میٹھی ہستی کے نشہ کے دردسر سے چھٹکارا دلانا تیری ایک مستانہ نگاہ پر موقوف ہے)

(ن): شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بزرگ وصاحب احوال تھے۔عاجزی وانکساری کی وصف کا حضرت خواجہ عبدالحق سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔خواجہ عبدالشہیدؒ سے بھی آپ کو برکات حاصل ہوئی تھیں۔

(و): مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی خواجہ عبدالشہیدؒ کے منظورِ نظر مرید اور صاحبِ نسبت وحضور تھے۔رَحِمہُ اللہِ سبحانہٗ

(ء): مولانا اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی خواجہ عبدالشہیدؒ کے اصحاب میں سے تھے بڑے متقی۔صاحبِ فضیلت حسنِ

صورت وسیرت والے۔ دہلی میں قیام پذیر رہے۔ اس شہر میں دینی علوم کے طلبہ نے آپ سے خوب فیض حاصل کیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کو نسبت اور خصوصاً مراقبہ کا ایسا التزام تھا کہ جب اپنے گھر سے تدریس کے لیے مدرسہ تشریف لے جاتے جو تقریباً تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے تو نظریں اونچی نہ کرتے۔ آپ نے دہلی ہی میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفوج ہوئے۔

(ی): حافظ دولت رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بڑے متقی اور صاحب حضور و آرام تھے قرآن پاک کے حافظ تھے۔ جوانی میں خواجہ عبدالشہید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کو حضرت خواجہ صاحب کی بڑی عنایات حاصل ہوئیں لاہور شہر میں آپ کی سکونت تھی اور اس شہر کے باشندے آپ سے بڑی حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۰۳۲ھ میں اسی شہر میں آپ کا وصال ہوا۔

(ے): حافظ ترسون رحمۃ اللہ علیہ:

آپ ایک پاکیزہ باطن درویش تھے۔ آپ نے خواجہ عبدالشہید کی بہت خدمت کی۔ خواجہ صاحب کے دوسرے بھائیوں سے بھی آپ کو شرفِ صحبت رہا۔ اس عاجز نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ کی پیشانی ہی سے ہویدا تھا کہ ان بزرگوں سے آپ کو کتنا کچھ ملا ہے۔

جناب خواجہ محمد غنی اس عاجز کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ بڑے مرد فاضل متین وسنجیدہ اور بزرگوں سے فیض یافتہ۔ آپ خواجہ عبدالشہیدؒ کی خدمت میں پہنچے کسی حاکم نے آپ کو قید خانہ میں ڈال دیا اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دیں ایک دن میں آپ کو قید خانہ دیکھنے گیا تو آپ نے فرمایا گذشتہ رات میں اکابر نقشبندیہ کے حضور نالۂ و

یا کر رہا تھا کہ میں سنہری زنجیر (سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ) کا ادنیٰ خادم۔ میرے پاؤں میں یہ آہنی زنجیر نہ چاہیے۔ اس کے بعد مجھ پر نیند طاری ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حافظ ترسون تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا اُٹھ اور دروازہ کھول اور مجھے قید خانہ سے باہر نکال دیا آج اس بات کو دوسرا روز ہے۔ مجھے توقع ہے کہ میری بیڑیاں کھول دیں گے اور مجھے قید خانہ سے رہائی مل جائے گی۔

میرے ان عزیز کو اکابر خواجگان سے بڑا اخلاص تھا اور اپنی بیشتر پریشانیوں اور مشکلات میں انہوں نے متعدد مرتبہ ان بزرگوں کی مددرسی کی کرامات کا مشاہدہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے مجھے حیرت ہے کہ ان خواجگان بزرگوار سے پیشتر اہلِ حاجت کی مشکلات کون آسان کرتا تھا۔ اللہ پاک ان بزرگوں کے طفیل ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔

☆☆☆

مقالۂ اولیٰ کے مقصدِ دوئم
کی دُوسری فصل

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے بعض احباب بزرگوار کے حالات کے بیان میں ہے جن کا ذکر کتابِ ''رشحات'' میں نہیں شامل ہوسکا ہے۔ کتاب ''رشحات'' کے ناظرین پر یہ مخفی نہیں کہ مولانا فخر الدین علیؒ نے حضرت خواجہ احرارؒ کے خلفاء واصحاب میں سے صرف ان بیس بزرگوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ جو ان کے دور میں مشہور تھے۔ وہ بیس بزرگ یہ ہیں۔(۱)مولانا سیّد حسن (۲)مولانا قاسمؒ (۳)میر عبدالاوّل (۴)مولانا جعفر (۵) مولانا برہان الدین ختلانی (۶) مولانا لطف اللہ ختلانی (۷) مولانا شیخ جن کا سلطنت شاہی بیگ خان کے آخری دور میں سمرقند میں انتقال ہوااور احاطۂ ملایاان میں خواجہ کفشیر کے پہلو میں دفن ہوئے (۸) مولانا سلطان (۹) مولانا ابوسعیداوبہی جن کا رشحات مکمل ہونے کے پانچ سال بعد یعنی ۹۱۴ھ میں ہرات میں انتقال ہوا۔ اور اسی سال مولانا سعد الدین کاشغری کے فرزند خواجہ کلاں کا بھی انتقال ہوا (۱۰) مولانا محمد قاضی مجملی۔ ان کے باقی احوال مع ان کے تاریخِ وفات اس کتاب میں انشاءاللہ بیان ہوں گے (۱۱) مولانا خواجہ علی تاشقندی (۱۲) شیخ حبیب بخاری (۱۳) مولانا نورالدین تاشقندی (۱۴) مولانا زادہ اتراری (۱۵) مولانا ناصرالدین اتراری (۱۶) خواجہ ترکستانی (۱۷) مولانا اسمٰعیل فرکتی

۱)مولانا اسمٰعیل قمری (۱۹) مولانا اسمٰعیل شمسی (۲۰) مولانا اسمٰعیل ثالث رحمہم اللہ سبحانہٗ۔

اب ہم حضرت خواجہ کے ان دیگر اصحاب کے حالات بیان کریں گے جن کا رشحات میں بیان نہیں ہوا ہے اور ہم نے ''دوایر'' اور بعض متاخرین کے دیگر رسائل میں پایا ہے (اللہ پاک کی مدد اور اس کی توفیق سے) اور وہ ان بیس بزرگوں کی جماعت ہے۔ مولانا فخر الدین علی، شیخ عبداللہ اوبہی، مولانا سیّد علی غمازی، حافظ جلال الدین، مولانا محمد زائد دخشی، خواجہ تاج الدین کاشغری، امیر عبداللہ یمنی، شیخ عیان کا زرونی، مولانا اسمٰعیل شروانی، مولانا خراسانی، سیّد بابا خواجہ مولانا محمد امین بلغاری، مولانا عبدالوہاب سمرقندی عم زادہ، حضرت خواجہ مولانا عبداللہ سرپلی، خواجہ مصطفیٰ، مولانا نجم الدین، مولانا موسیٰ، میر قباد ہروی، مولانا درویش سرپلی، ان بیس بزرگوں میں سے شروع کے بارہ بزرگوں کا تذکرہ ہم ابتداء مختصر طور پر اور کچھ کا بقدر اس تفصیل کے جو ہم کو مل سکی بیان کریں گے اور اخیر کے آٹھ بزرگوں کا سوائے ان کے ناموں کے ہمیں کھوج نہیں لگ سکا ہے:

ندانم کز آغاز و انجام شاں
گرابر زباں بس بود نام شاں

(مجھے ان بزرگوں کے آغاز وانجام کے بارے میں معلوم نہیں۔ مری زبان پر بس ان کا نام ہے اللہ ان سب پر رحم فرمائے)

(۱) مولانا فخر الدین علی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کتاب ''رشحات'' سے اگرچہ آپ کے کمالات وحالات اور آپ کی کرامات ظاہر ہیں اور یہ کتاب اگرچہ آپ کی عالی فطرت اور اعلیٰ استعداد پر برہان قوی ہے مگر اس شعر کے بموجب:

ما سبزہ بہ خاکہا تماشا کردیم
تا سبزۂ خاک ما تماشا گہ کسیت

(ہم مختلف زمین کی مٹی سے سبزہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔کون جانے کہ جب ہم مٹی میں مل کرمٹی ہو جائیں گے، ہماری مٹی پر اُ گا ہوا سبزہ کس کی تماشا گاہ ہوگا)

چوں کہ مولانا فخر الدین علیؒ نے اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر سلف کے حالات تحریر فرمائے ہیں اس سلسلۂ عالیہ سے محبت کرنے والوں کو چاہیے ان بزرگوں کے ارشادات کا مطالعہ کریں اور اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس کے احسان کے بدلہ آپ کے حق میں دعا کریں۔

آپ کے حالات بیان کرنا بھی چوں کہ آپ کی تعریف وتوصیف کو مستلزم ہے تو اگر یہ عاجز آپ کے ذکر احوال کے سلسلہ میں کچھ تحریر کرے تو اسے یہی چاہیے آپ (یعنی مولینا فخر الدین علی) مولانا حسین الواعظ کے صاحبزادے تھے۔حضرت مخدوم جامی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ بزرگوں کے سلسلے میں مولانا حسین الواعظ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔آپ کی ولادت جیسا کہ خود آپ کی ایک تحریر سے ظاہر ہے۔شب جمعہ یکم جمادی الاوّل ۸۶۷ھ ہے۔اس شب کی صبح کو اس خاندان کے پیر بزرگوار خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ حجاز مقدس جانے کے ارادہ سے ماوراء النہر سے سبزوار تشریف لائے اور کئی دن آپ کے والد بزرگوار کے گھر قیام پذیر رہے۔آپ کے والد بزرگوار آپ کو لے کر حضرت خواجہ کے پاس تشریف لائے حضرت خواجہ نے آپ کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں اقامت کہی۔آپ کو اپنی آغوش میں لیا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا:

ایں کودک از ماست

(یہ لڑکا ہمارا ہے)

انھیں ایام میں بہت کمزور ہو گئے آپ کے والد بزرگوار آپ کو پھر ان روشن ضمیر درویش کے پاس لائے۔ حضرت خواجہ نے سر سے پیر تک آپ کے پورے جسم پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا:

باکے نیست۔ مارا باو کارہاست دل جمع دارند
(کوئی فکر کی بات نہیں ہم اس سے بہت کام لیتے ہیں اطمینان رکھو)

ان بزرگ کا باقی حصہ رشحات میں مولانا نظام الدین خاموش رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے آخر میں تحریر ہے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ نے آپ کے متعلق جو یہ ارشاد فرمایا: کہ ''مارا باوی کارہاست'' (ہمیں ان سے بہت کام لینے ہیں) تو ان کاموں میں سے ایک عظیم کام کتاب ''رشحات عین الحیات'' کی تالیف ہے جس میں مولانا فخر الدین علیؒ نے اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کے حالات اور ان کے ارشادات کو انتہائی محنت و جانفشانی اور بے حد لطیف انداز میں جمع فرمایا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کی طرف سے انہیں بہترین جزا دے۔

بائیس سال کی عمر میں مولانا فخر الدین علیؒ کو راہِ طریقت کے حصول کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چناں چہ آپ خراسان سے ماوراء النہر حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے آستانہ پر تشریف لائے آپ حصولِ طریقت کے اس واقعہ کو ابتداء سے تفصیلاً لکھتے ہیں چناں چہ مولانا قاسمؒ کے حالات کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت خواجہ کے آستانہ پر جانے لگا تو میں نے حضرت مخدوم مولینا جامیؒ سے اجازت چاہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم ابھی بہت چھوٹے ہو اور حضرت خواجہ کافی بڑے۔ وہ طالبانِ طریقت کے احوال پر کم ہی متوجہ ہو پاتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جاؤ اور جلد ہی گھبرا جاؤ۔ ہاں اگر تمہیں

جانا ہی ہے تو یوں کرو کہ پہلے مولانا قاسم کے پاس جاؤ اور وہاں کچھ عرصہ رہو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی بڑی عنایت ہو اگر دو حرف سفارش کے ان کے نام تحریر فرمادیں کہ مجھے ان کی توجہ حاصل ہو جائے۔

چناں چہ حضرت مخدوم مولانا جامیؒ نے مولانا قاسم کے نام یہ رقعہ تحریر فرمادیا۔ نیاز مندانہ وانکسارانہ سلام کے بعد عرض ہے کہ مولانا فخر الدین علی درویشوں سے خصوصی عقیدت کی بناء پر خادمانِ آشیانہ ولایت آشیانہ کی زمین بوسی کے لیے آپ کے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ بلاشبہ ان پر آپ کی عنایات ہوں گی اور وہ اپنا حصہ حاصل کر سکیں گے۔ والسلام والاکرام۔ الفقیر عبدالرحمٰن جامی۔

چناں چہ مولانا فخر الدین علیؒ آپ کا وہ رقعہ شریفہ لے کر حضرت خواجہؒ کے آستانہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ جب وہاں پہنچے اور حضرت مخدوم کا وہ رقعہ مولانا قاسمؒ کو دیا۔ مولانا نے اس رقعہ کو پہلے چوما اور پھر ادباً کھڑے ہو گئے اور اس رقعہ کو سر پر رکھ لیا۔

مولانا فخر الدین علی جب تک اس آستانہ پر مقیم رہے مولانا قاسم کی ظاہری و باطنی ہر طرح کی عنایات ان پر رہیں۔

مولانا فخر الدین علیؒ کا خراسان سے ماوراء النہر کا سفر متعدد مرتبہ ہوا ہے۔ ہر مرتبہ حضرت خواجہ کی خدمت میں عرصہ تک رہے ہیں اور آپ کی عنایات و شفقتیں آپ کو حاصل رہی ہیں۔ دوسری مرتبہ آپ جب حضرت خواجہ کے پاس تشریف لائے تو ایک دن ایک خصوصی صحبت میں حضرت خواجہ نے آپ کو مخاطب فرمایا اور بڑی عنایات کا اظہار فرمایا۔ چناں چہ مولانا نے خود ایک سو بیس ویں رشمہ کے ۷۴ ویں رشحہ کے ضمن میں اشارۃً اس کا اظہار فرمایا ہے اور خود کو فقیر کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

مولانا فخر الدین علیؒ کے حق میں حضرت خواجہ عبداللہ احرارؒ کے ارشادات اور

بشارتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا:

''بسیار چیز ہا کہ نمی باید از تو رفتہ و بسیار چیز ہا کہ می باید بجائے آن نشتہ لیکن تو ازاں خبر نداری''۔

''بہت سی ناپسندیدہ باتیں تم سے دور ہوگئی ہیں اور بہت سی پسندیدہ چیزیں اُن کے بجائے آ گئی ہیں، لیکن تم ان سے ناواقف ہو''۔

حضرت خواجہؒ نے پھر اس کی ایک مثال دی:

''چوں خربوزہ کہ از گل برآمدہ وقصد مرتبہ پختگی کردہ در ہر آن از وے یک خامی میرود و پختگی بجائے آں بنشیند ورے ازاں خبر ندارد و ہیچ حسے ادراک نمی تواند کرد''۔

(جیسے خربوزہ کہ جب پھول سے ظاہر ہوتا ہے اور پکنے والا ہوتا ہے تو ہر لمحہ اس کی ایک خامی دور ہوتی ہے اور پختگی اس کی جگہ لیتی رہتی ہے اور اسے اس کی نہ خبر ہوتی ہے نہ ادراک)

''اگر دہقان گوید بسے خامی از تو رفتہ است و بسے پختگی بجائے آں نشتہ دی باور نخواہد کرد لیکن چوں بمرتبۂ پختگی رسد در خود نظر کند خود را از سرتا پا پختہ میداند کہ دہقان راست گفتہ''۔

(اگر کسان اس سے کہے کہ بہت سی خامی دور ہو کر اب اس کی جگہ بہت سی پختگی نے لے لی ہے وہ کسان کی بات پر یقین نہ کرے گا لیکن جب پختگی کے مرتبہ میں پہنچ کر خود اپنے اندر نظر کرے گا اپنے آپ کو سر سے پیر تک پختہ پائے گا اور سمجھ لے گا کسان نے سچ کہا تھا) ان باتوں کے دوران حضرت خواجہ قدس سرہٗ پر عظیم گریہ غالب ہو گیا آپ رونے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ٹپکنے لگے۔ مولانا فخر الدین فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت مخاطب کی نسبت ورقت تھی جو بطریقِ انعکاس حضرت خواجہ سے ظاہر ہوئی واللہ اعلم۔ یہاں

آپ کا ارشاد ختم ہوا۔

امیر علی شیر اپنے تذکرہ میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ مولانا فخر الدین علیؒ طریقت میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے اجازت یافتہ تھے، نیز حضرت مخدوم جامیؒ اور حضرت مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے دیگر نامور خلفاء کی صحبتیں اور شفقتیں بھی آپ کو حاصل رہی تھیں اور ان بزرگوں سے تصوّف وسلوک کے حقائق عالیہ بھی آپ نے سنے تھے جیسا کہ آپ کی کتاب ''رشحات'' سے ظاہر ہے۔ ''رشحات'' کے علاوہ بھی مولانا فخر الدین علیؒ کی منظوم ومنشور تصنیفات ہیں۔ انھی میں سے محمود وایاز نامی آپ کی ایک مثنوی بھی ہے۔ یہ شعر بھی آپ کی غزلیات کا ہے:

بالب لعل و خط غالیہ گون آمدۂ
عجب آراستہ از خانہ بروں آمدۂ

(سرخ ہونٹوں اور عجیب مشک وعنبر والی خوشبوؤں کے ساتھ اے محبوب تو نکلا عجب بن ٹھن کر گھر سے باہر آیا ہے)

مندرجہ ذیل رباعی بھی آپ کی ہے:

آئینہ نور ست رُخ یار امشب
فارغ شدہ ام وی زاغیار امشب
اے مہ نشیں از پس دیوار امشب
اے صبح دم خویش نگہدار امشب

(آج کی رات محبوب کا چہرہ نور کا آئینہ ہے۔ آج کی رات میں کچھ وقت کے لیے اغیار سے فارغ ہوا ہوں۔ اے مہ نشین محبوب آج کی رات دیوار کے پیچھے سے ہی کچھ تجلّی ہو۔ اے صبح تو آج کی رات اپنی سانسوں کی نگہداشت کر)

مولانا فخر الدین علیؒ ایک عرصہ تک قزلباش کے دور میں برسرِ منبر خواجگانِ نقشبند کی مدح سرائی کرتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کو منع کر سکتا۔ لیکن آخری دور میں اس گروہ کی ناشائستہ و گستاخانہ باتوں سے بے زار ہو کر مجبوراً دریائی بند چلے گئے اور وہیں ۹۲۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی میّت کو ہرات لایا گیا اور عظیم محدّث ابوالولید کے پہلو میں اور اپنے والد کے نزدیک سپردِ خاک کیے گئے۔ رحمہما اللہ سبحانہٗ

(الف): مولٰینا میر کا سلوانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا فخر الدین علیؒ کے بھانجے تھے۔ بعض فضلاء نے لکھا ہے کہ طریقت میں آپ کو اپنے ماموں صاحب سے نسبت تھی۔ کم عمری ہی میں آپ نے اپنے ماموں سے ان بزرگوں کا ذکر کا طریقہ سیکھ لیا تھا۔ قزلباش کے غلبہ کے بعد آپ ہرات سے بخارا کی طرف نکل گئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ اس قابلِ فخر شہر میں آپ شیخ جلال الواعظ الہروی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ان کی صحبتیں اُٹھائیں اور ان سے مستفید ہوئیہ کردار کا حسن اور طبیعت کی انکساری آپ میں کمال درجہ کی تھی اور بے تکلّفی و بے تعینی بہت زیادہ۔ چناں چہ اکثر تنہا گھاس کے جھونپڑے میں بیٹھ جایا کرتے۔ دکانوں پر گزارا کرتے۔ علوم دینی کی تشریح اور معرفت کے حقائق و اسرار بیان کرنے میں آپ کی نظیر نہ تھی۔ کئی سال تک بے شمار فضلا کتب حدیث اور رسائل تصوّف کے درس کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ یگانۂ روزگار تھے اور عمر کافی زیادہ پائی تھی۔ ۹۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

بزرگوں نے آپ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میرے باکمال ماموں مولٰینا فخر الدین علیؒ باغ کی سیر کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے بھی آپ سے

ساتھ جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا تم میں حوصلہ تماشا بھلا کہاں۔ غرض میں آپ کے ساتھ باغ گیا۔ جب ہم اس باغ میں پہنچے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ درخت قیام سے رکوع کی حالت میں چلے گئے یہ سب کو دیکھ کر میں دہشت وخوف کے باعث بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ میرے ماموں صاحب کو جب میرے اس حال کا علم ہوا تو آپ نے میری پشت پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور مجھے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ مجھے افاقہ ہوا لیکن اس کی قوت دید نہ رہی:

گر بگذری بہ گلشن با عاشقاں دیدے
ہر شاخسار دارے ہر برگ اور شہیدے

(اگر تو اللہ والوں کے ساتھ باغ جائے تو دیکھے گا کہ ہر درخت ان کے لیے دار اور ہر پتہ ان کا شہید ہے)

ایک عظیم صاحب وقت وحضور درویش نے اس عاجز سے ایک دن عرض کیا کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کیا عرض کروں کہ مجھے کیا راحت حاصل ہوئی او رمیں نے کیسے کیسے انوار کا مشاہدہ کیا۔ چند دنوں بعد حضور ﷺ حضراتِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مجھے نظر آئے اور میں نے خلفاءِ راشدین میں سے ہر ایک کے جمال واطوار کا مشاہدہ کیا۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ ایسی صورت وسیرت کے ساتھ مجھ پر جلوہ گر ہوئے جیسا کہ میں نے مولانا میر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا۔

آپ کے فرمودات وارشادات میں سے ایک یہ ارشاد بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طلب کا نتیجہ یا وصول ہے یا قبول یعنی وصول جو مقصد ہے اگر حاصل نہ ہوتو حق تعالیٰ کا قبول تو بہر حال حاصل ہے۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا وصول محض ظاہری اعمال سے ظاہر نہیں ہوتا مگر بالکل ہی نادر طور پر اور بہت کم۔ لہٰذا راہِ طریقت کے طالبین کے لیے ضروری ہے کہ باطنی عمل کی مشغولیت کو اپنے اوپر لازم کرلیں اور باطنی اعمال میں ایک عمل ذکر ہے اور ذکر سے مراد کلمۃ لا اِلہٰ الا اللہ کا ورد ہے خواجگان بزرگوار نے اکثر یہی ذکر دل سے کرنے کو فرمایا ہے اس سلسلہ کے بعض اکابر نے لفظ اللہ کا ذکر بھی کرنا تجویز فرمایا ہے کہ پوری حضوری سے یہ کلمہ دل سے ادا کرے اور اس کے ادا کرتے وقت اس صنوبری مصغہ گوشت کی طرف متوجہ ہو جو انسان کے بائیں پہلو کے قریب ہے۔ یہ بزرگ اس حضور و توجہ کو وُقوفِ قلبی کہتے ہیں اور اس وقوف کو ذکر میں لازم و ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض اکابر کا کہنا ہے کہ کلمۃ اللہ کے نقش کو لوح دل پر ملاحظہ کرے اور اس کے مدلول کو فکر میں ہمیشہ حاضر رکھے۔ جب ایک ذاکر اس پر ہمیشگی اختیار کرے گا تو اس پر اس کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوں گے۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات خواجگان رحمہم اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کو خدمت کی تکلیف نہیں دیا کرتے بلکہ خود خدمت کرتے ہیں۔ اس خدمت کرنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخدوم کے دل میں خادم کے لیے ایک گونہ میلان اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ دل کے اس میلان کو یہ بزرگ ایک تعلق اور رابطہ سمجھتے ہیں۔

ماموں بزرگوار مولانا فخر الدین علیؒ جب وضو کرنا چاہتے، میں دوڑتا کہ آپ کا پانی کا لوٹا بھر دوں۔ آپ مجھے ایسا نہ کرنے دیتے تھے اور فرماتے اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کا

طریقہ خدمت کرنا ہے نہ کہ مخدوم بننا۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس متبرک خانوادہ کے اکابر خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم نے وہ طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ سالک طریقت اس پر چل کر جلد مقام جذبہ وفنا فی اللہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس مقام جذبہ وفنا کے حصول کے بعد کتنے ہی ایسے ناپسندیدہ افعال و اعمال اس سے چھوٹ جاتے ہیں جو کئی سالوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے بھی نہیں چھوٹتے اور کتنی ہی پسندیدہ و قابلِ تعریف خصلتیں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں جو بڑے بڑے مجاہدوں سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔

نسمہ:

ارشاد فرمایا درویش وہ نہیں جو بوسیدہ اور پھٹا پرانا لباس پہنے۔ درویش وہ ہے جو دل کو پاکیزہ رکھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اولیاء کبار سے کبھی کبھی ایسے فعل یا عمل کا ظہور ہوتا ہے جو ظاہراً لہو اور لغو معلوم ہوتا ہے اور دیکھنے میں ان کا عیب یا ان کی ولایت کی کمزوری معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سبب ان مندرجہ ذیل تین قسموں میں سے کسی ایک نوع کا ہوتا ہے ایک یہ کہ ان بزرگوں کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے مشاہدہ اور طاعت کی زیادتی کے علاوہ کسی چیز سے شغل نہیں ہوتا۔ ان پر کبھی کبھی ایسی حالت وارد ہوتی ہے کہ بشریت اس کی طاقتیں نہیں رکھتی تو یہ ضرورتاً کبھی ایسے اَمر کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اس حال سے مغلوب نہ ہو جائیں اور عبودیت سے کہ ظاہر شرع ہے دور نہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں پر جو غیرت رکھتے ہیں اس کے باعث وہ یہ نہیں چاہتے کہ بندے اس کے علاوہ کسی کو محبوب بنائیں۔

اولیاء کو وہ بندے کے لبادہ میں چھپا دیتے ہیں تا کہ مخلوق ان سے متوحش رہے بعض کو وہ برص وجذام جیسی بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور بعض کو ایسی مباحات میں جیسے بسیار خوری، بہت زیادہ کھانا تا کہ وہ مخلوق کی صحبت اور اس کا آلائش سے محفوظ رہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض اولیاء اللہ اہلِ ملامت ہوتے ہیں کہ خود اپنے اختیار سے خلوصِ عمل کی خاطر ہمیشہ ایسا عمل کرتے ہیں کہ مخلوق کو ناپسند ہو اور وہ دور رہیں۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شہر یا ملک میں مشائخ طریقت زیادہ ہوتے ہیں وہ ملک آفتوں اور بلاؤں سے نسبتاً زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ جب حضرت خواجہ علاؤالدین غجد وانیؒ کی وفات ہوئی تو خواجہ ابونصر پارسا قدس سرہٗ منبر پر تشریف لائے اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا کہ حدیثِ نبویؐ علی قائلہا الصلوٰۃ والسلام ہے کہ جب تک کسی قوم میں استغفار کرنے والے رہیں گے وہ قوم ان کی برکت سے محفوظ رہے گی۔ حضرت خواجہ علاؤالدین غجد وانی استغفار کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی برکت سے ہم امن و امان میں تھے اب انہوں نے انتقال فرمایا ہے اور ہم خطرے میں ہیں۔ مولانا امیر نے یہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ استغفار کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کا ظاہر شریعت کے مطابق ہو۔ جن کے تمام اقوال و افعال حق تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہوں اور جن کا باطن حق سبحانہٗ کے علاوہ ہر چیز سے خالی ہو۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ طالب طریقت کو چاہیے کہ عمل کو محبوب رکھے اور نتیجہ کی فکر نہ کرے۔ اس لیے کہ عمل کے بہت سے نتیجے ممکن ہیں اسے چاہئے کہ نتیجۂ عمل ظاہر نہ ہونے

سے دل برداشتہ نہ ہو اور عمل نہ چھوڑے۔ اس لیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کسی پر عمل کا نتیجہ جلد ظاہر فرما دیتے ہیں اور کسی پر دیر سے عمل کرنے والے کے پیشِ نظر تو بس مشائخ طریقت کی پیروی بلکہ حضور ﷺ کی متابعت ہونی چاہیے۔

حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی سنّتوں میں سے کوئی سنت بھی کسی کو پہنچے تو اسے چاہیے کہ اسے ہمیشہ بجالائے یا کم از کم ہفتہ میں ایک بار ایک ماہ میں ایک بار، یا سال میں ایک بار ورنہ عمر میں کم از کم ایک بار تاکہ آنحضرت ﷺ کی سنت کی کسی درجہ میں بجا آوری ہو سکے۔

نسمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ عارف رومی قدس سرہٗ نے جو ایک جگہ پر کہا:

من ہا ہفتاد و دو ملت یکے ام

کہ میں ان بہتر ۷۲ فرقوں میں ایک ہوں وہ یہی مقام ہے کہ جہاں سالک کی نظر سے اس کی ہستی بالکل فنا ہو جاتی ہے اور اس کی نظر میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ مختلف مذاہب حق تعالیٰ کے مختلف صفات وشیون کا ظہور ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے شیون وصفات سالک کے شیون وصفات بن جاتے ہیں۔ چناں چہ عظیم عارف اور ہمارے مخدوم مولانا عبدالرحمٰن الجامی قدس سرہٗ السامی کا شعر ہے:

باہمہ خلق جہاں منفقم وزہمہ دیں

مذہب عشق وشُست از دل من نقش خلاف

(دنیا کی تمام مخلوق سے میں ہر دین میں متفق ہوں۔ تیرے عشق کے مذہب نے میرے دل سے ہر اختلاف کے نقش کو دھو دیا ہے)

نسمہ:

فرمایا کہ حضرت شیخ جلال الواعظؒ سے میں نے سنا فرماتے تھے۔ طالبِ طریقت اگر چاہے کہ اسے اللہ کے ساتھ حضور حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ تکلّف کے ساتھ وہ دل سے تصور غیر کو دور کرے اور خود کو اسی حالت میں رکھے کہ غیر اللہ کو فراموش کرے اس کے بعد کہ اسے یہ حضوری حاصل ہو جائے پھر متوجہ ہو اور یہ حالت پیدا کرے کہ اس حضوری سے اسے ضرور زحمت نہ ہو۔ ان کے بعد کوشش کرے کہ اس حضوری میں رسوخ اور پختگی پیدا ہو اس کے بعد چاہیے کہ اپنے اندر ایسی حالت پیدا کرے کہ اس حضوری کا بھی شعور نہ رہے۔

نسمہ:

ارشاد فرمایا کہ میں نے شیخ جلال الدین کو فرماتے ہوئے یہ بھی سنا کہ اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ بُرائی کے بدلہ میں بھی نیکی کرے جیسا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے حق میں فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍO

(آپ بلاشبہ بلند اخلاق پر ہیں) (القلم، آیت ۴)

اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ جنگِ اُحد میں اِدھر تو کفار نے آنحضرتؐ کے دندانِ مبارک کو شہید کر ڈالا اور اُدھر آنحضرتؐ ان کے حق میں دُعا فرما رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔

(اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ نہیں جانتے)

نیز فرمایا کہ شیخ جلالؒ سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ ان بزرگوں کی اصطلاح میں

دیوانہ اسے کہتے ہیں کہ جسے مقام جمع حاصل ہو جائے۔

نسمہ:

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلسلہ کی یہ نسبت ایک ایسے پرندہ کی طرح ہے جو عالم قدس سے اُڑ کر آدمی کے جال کے پاس آیا ہے اس آدمی کو چاہیے کہ اس وحشی پرندہ کو اپنے عمل کے جال میں پھنسائے۔ اگر اس کے عمل میں ہیشگی نہ ہوگی تو یہ پرندہ پھر اپنی اس عالم قدس کی دنیا میں چلا جائے گا۔

نسمہ:

ارشاد فرمایا کہ ہرات میں شیخ الاسلام احمد تفتازانیؒ اور دیگر اکابرین علماء نے یہ حکم دیا کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی تصنیفات کا کوئی شخص درس نہ دے۔ حضرت مخدوم مولانا جامیؒ نے جب یہ خبر سنی تو ایک شخص کو شیخ الاسلام کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ ایسا ایسا سننے میں آیا ہے کہ آپ نے حضرت شیخ ابن عربیؒ کے کلمات شریفہ اور تصنیفاتِ لطیفہ کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک مجلس منعقد کریں جس میں تمام علماء جمع ہوں اور میں شیخ ابن عربیؒ کے ارشادات بیان کرتا ہوں۔ اگر ان باتوں میں بال برابر بھی کوئی بات خلافِ شرع ہو تو مجھ پر جرمانہ عائد کریں۔ شیخ الاسلام نے جب آپ کی یہ بات سنی تو معذرت کی اور فرمایا ہمیں نہ معلوم تھا کہ شیخ ابن عربی کی باتیں عقل اور شریعت کے مطابق ہیں۔ غالباً ہمیں ان کی سمجھ کی قوّت نہیں ہے۔ حضرت مخدوم مولانا جامیؒ نے شیخ الاسلام کی اس معذرت کو قبول فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ شعر بھی ارشاد فرمایا:

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہلِ دل
اَلْمَرْءُ لایزال عَدُوٌّ لِمَا جَہِل

''شہر کے شیخ نے اہلِ دل صوفیہ کے اسرار پر طعن کیا ہے۔ انسان ہر اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے وہ نہیں جانتا''۔

(۲): شیخ عبداللہ اوبہی رحمۃ اللہ علیہ: آپ حضرت خواجہ عبداللہ احرار قدس سرہٗ کے اصحاب میں سے تھے۔ اس سلسلہ سے محبت کرنے والے ایک فاضل کے رسالہ میں اس عاجز نے دیکھا کہ حضرت خواجہ کے آستانِ بول کی رسائی سے قبل حضرت شیخ عبداللہ اوبہی حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے مزار منبع الانوار کے مجاوروں میں سے تھے اور حضرت خواجہ کی روحانیت نے آپ کی بعض مشکلات دور کرنے میں بڑی مدد فرمائی تھی اور بعض اوقات آپ کو یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرت خواجہ کی قبر شریف شق ہوئی۔ حضرت خواجہ باہر تشریف لائے اور آپ کو ان کی صحبت حاصل رہی اور آپ بے خود ہو گئے:

سایہ پیدا گرد دار مہر از سحاب آید بروں
شخص گم کردند چوں رُخ از نقاب آید بروں

(اگر سورج بادل سے نکل آئے تو سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ جب محبوب کے چہرہ سے نقاب اُٹھ جائے تو محبّ بیخود اور گم ہو جاتا ہے)

ایسے کامل پیر کی روحانی تربیت کے باوجود آپ حضرت خواجہ احرارؒ کے آستانہ کی طرف لپکے اور یہاں بھی بہت سی عنایات اور شفقتیں حاصل کیں پھر حجاز کی طرف سفر اختیار فرمایا۔ وہاں سے انطاکیہ تشریف لے گئے اور ۹۳۶ھ میں وہاں انتقال فرمایا۔

(الف): حضرت امیر احمد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حبشی سیّد تھے حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی صحبت حاصل کی تھی۔ حضرت شیخ عبداللہ اوبہیؒ کے ساتھ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور انہی کی خدمت میں تصوف کے مدارج سیر الی اللہ کی بھی تکمیل کی۔ حضرت شیخ عبداللہ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے کئی سال تک

لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی اور بالآخر قسطنطنیہ میں جو استنبول کے نام سے مشہور ہے۔ انتقال فرمایا آپ کی عمر ستر سال تھی سلطان محمد غازی کے پہلو میں آپ ابدی آرام فرما رہے ہیں۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔

(ب): حکیم چلپی و محمود چلپی رحمہما اللہ تعالیٰ سبحانہٗ:

یہ دونوں بزرگ حضرت امیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور اجازت یافتہ تھے اور حضرت امیر احمد کے بعد طالبانِ طریقت کی تلقین و تربیت فرمائی۔

(ج): شعبان آفندی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ صاحبِ نسبت حضرت حکیم چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔

(د): مولانا حافظ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا شیخ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ آپ ہمارے حضرت خواجہ کے کبار اصحاب میں سے تھے صاحبِ اشراف و کشف تھے۔ وہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگ جب حضرت خواجہ کلاں کی والدہ کو دفن کر کے لوٹنے لگے ہمارے حضرت خواجہ اُن مرحومہ کی قبر کے سرہانے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور میں دیکھ رہا تھا کہ دو فرشتے (منکر نکیر) آئے لیکن جب ان فرشتوں نے حضرت خواجہؒ کو اس حالت میں دیکھا تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور واپس چلے گئے۔

(۳): مولانا سیّد علی عماری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے خاص مرید اور منظورِ نظر خادم تھے۔ کئی سال تک حضرت کے صاحبزادگان کی تعلیم میں مصروف رہے۔ حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد قزوین تشریف لے گئے اور وہاں سکونت اختیار فرمائی۔ وہاں طالبانِ طریقت کی تربیت

مشغول ہوگئے اور بے شمار بندگانِ خدا کو فیض یاب فرمایا۔ یہاں آپ کے کمالات کا جب شہرہ ہوا تو آپ کے مخالف حسد کی آگ سے جلنے لگے۔ یہاں تک کہ انھی مخالفین میں سے ایک نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ یہ اندوہناک واقعہ ۹۲۵ھ میں پیش آیا بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا کو اس شہادت کے واقعہ کا پہلے سے علم ہوگیا تھا۔ آپ کو عماری اس لیے کہا جاتا تھا کہ کردستان میں عمار ایک قریہ ہے جس سے آپ کا تعلق تھا۔

(الف): قاضی علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا سیّد علیؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے ان سیف الدین سادات سے آپ کا تعلق تھا جو قدیم زمانہ سے انتہائی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قزوین میں آپ تاحیات قاضی رہے۔ اور وہیں شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے قریب دفن ہوئے۔

(ب): شیخ ابوسعید قزوینی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا سیّد علی عماریؒ کے خاص مرید اور حضرت شیخ ابویزید فتحالی کے نواسے تھے جن کا سلسلہ تین واسطوں سے اپنے زمانہ کے عظیم شیخ حضرت رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس اللہ اسرارھم تک پہنچتا ہے۔ آپ چند سال قزوین میں مسند ارشاد پر فائز رہے اور بہت سے لوگوں کو فیض یاب فرمایا۔ یہاں تک کہ ۹۳۱ھ میں وصال فرمایا اور وہیں حضرت شیخ احمد غزالی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ رحمہم اللہ

(ج): مولانا شاہ علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی مولانا سیّد علی عماریؒ کے بلند مرتبہ مرید تھے ایک دن حضرت مولانا نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان شاہ علی جیسا انسان پیدا نہیں ہوا۔

یہ دو پہاڑ قزوین کے دونوں جانب تھے اور ان کے درمیان دس فرسنگ کی مسافت تھی ۹۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ دار کہن میں حضرت ابراہیم ستبنہ کی قبر کے نزدیک آپ کا مزارِ مبارک ہے۔ یہ حضرت ابراہیم جن کا ذکر نفحات میں بھی ہے.....سلطان العارفین حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہٗ کے اصحاب میں سے تھے۔

(د): قاضی میرک خالدی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی مولانا سیّد علی عماریؒ کے اصحابِ کبار میں سے تھے۔ آپ صحابی رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ چوں کہ آپ کا قبیلہ نامور خاندان عالیہ خالدیہ تھا جو ہمیشہ صاحب جاہ و جلال رہا تھا ظالم قزلباش نے آپ کے خاندان والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تو حضرت مولانا نے وہاں سے راہِ فرار اختیار کی اور مولانا صنع اللہ کورکتانی (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے) کی خدمت میں تبریز تشریف لائے اور اس سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے یہاں سے آپ قزوین تشریف لے گئے اور مولانا سیّد علی عماری سے تربیت حاصل کی۔

مولانا کے وصال کے بعد کئی سال تک آپ نے طالبانِ طریقت کی تلقین و تربیت فرمائی۔ یہاں تک کہ ۹۶۹ھ میں آخرت کا سفر اختیار فرمایا رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔ قزوین کے پرانے قبرستان میں حضرت حسین بن علی بن موسیٰ الرضا رضی اللہ عنہم کے قریب آپ کا مزار مبارک ہے۔

(ر): مولانا عبداللہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا سیّد علی عماری کے منظورِ نظر مرید تھے۔ طریقت کی ابتداء میں آپ کے شیخ زاہد گیلانی تھے۔ پھر جب مولانا سیّد علی قزوین تشریف لائے تو آپ ان کی

مت میں پہنچے اوران کا سلسلہ اختیار فرمایا اور یہاں سے بہت کچھ حاصل کیا ۹۲۵ھ میں سفرِ حجاز کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن حج میں نہ پہنچ سکے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اس آیت کریمہ میں جس بشارت کا ذکر ہے اس سے نوازے گئے رَحِمَہُ اللّٰہُ سبحانہٗ۔ قرآن مجید میں بشارت ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط (النساء:۱۰۰)

(اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پھر پائے اس کو موت پس تحقیق پڑا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ) (نساء آیت،۱۰۰)

(۳): مولانا حکیم یقینی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا سیّدعلی کے مریدوں میں سے تھے۔ ہمیشہ دل کی آگہی اور سکر دبیخودی کے آثار آپ کو حاصل تھے قزوین میں انتقال فرمایا اور خیر نسّاج کی قبر کے نزدیک مدفون ہوئے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبحَانَہٗ۔

(۴) مولانا محمد زاہد وخشی رحمۃ اللہ علیہ:

چوں کہ ہمارے حضرت (مجدّد الف ثانیؒ) کا سلسلہ ارادت حضرت خواجہ احرار کے تمام اصحاب میں انھی حضرت مولانا محمد زاہد سے ملتا ہے اور مقالہٴ ثانیہ انھی کے بیان میں ہے تو ان کا ذکر اوران کے حالات انشاء اللہ وہاں آئیں گے۔

(۵): خواجہ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت خواجہ احرارؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ خواجہ رشید الدین کی اولاد میں تھے جو عظیم حنفی مجتہد امام حافظ الدین بخاری کی اولاد میں سے ہیں۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبحٰنَہٗ۔

خواجہ رشید الدین کے والد خواجہ شجاع چنگیزی حملہ کے پُر آشوب دور میں مغلستان چلے گئے تھے۔ خواجہ رشید الدین کی وہیں ولادت ہوئی اور وہاں کے مغل آپ ہی کی کوششوں کی برکت سے مشرب بہ اسلام ہوئے۔ حضرت خواجہ احرار کے دور میں خواجہ تاج الدین تحصیل علم کی غرض سے ماوراء النہر تشریف لائے تھے اور مولانا علی عمران طُوسیؒ کے شاگرد ہوئے تھے چوں کہ مولانا طوسی حضرت خواجہ احرار کے دوستوں میں سے تھے تو اسی تعلق سے خواجہ تاج الدین کو بھی حضرت خواجہ احرارؒ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا حضرت خواجہ نے آپ کو بہت پسند فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے کہ شروع میں جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو لقمہ کی احتیاط نہ برتا کرتا۔ اچانک ایک دن آپ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ مشتبہ لقمہ سے بچنا لازم اور ضروری ہے میں نے حاضرینِ مجلس پر ایک نظر ڈالی تو اپنے سوا کسی کو ایسا نہ پایا جس پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہو۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تنبیہ مجھ ہی کو ہے اس کے بعد سے میں نے عہد کر لیا کہ اِدھر اُدھر کے مشتبہ کھانے سے گریز کروں گا۔

حضرت خواجہ تاج الدین نے متعدد سال حضرت خواجہ کے آستانہ پر گزارے۔ حضرت خواجہ کی بڑی شفقتیں آپ پر رہیں۔ کاشغر کے علاقہ طرفان جانے کی حضرت خواجہ نے آپ کو اجازت دی۔ یہاں کے حاکم نے آپ کی یہاں آمد کو پسند کیا اور آپ کو اور آپ کے صاحبزادگان کو سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہاں ایک مخلوق آپ سے مستفید ہوئی۔ یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ

(۶) امیر عبداللہ یمنی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حدود یمن میں حاکم تھے اچانک آپ کو جذبہ ہوا اور آپ حکومت چھوڑ کر مجاہد میں مشغول ہو گئے بڑی کوشش اور جستجو کے بعد اللہ پاک نے آپ کو توفیق دی اور آپ

ِت خواجہ احرار کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ کی بیعت اور اتباع کی برکت سے آپ کو بلند مرتبے حاصل ہوئے۔ ستر سال کی عمر کو پہنچ کر آپ کا انتقال ہوا۔ میر محمد باقر آپ کے فرزند تھے۔

(۷) شیخ عیان گازرونی رحمۃ اللہ علیہ:

صاحب دوائر نے آپ کو بھی حضرت خواجہ احرارؒ کے بلند مرتبہ اصحاب میں شمار کیا ہے مولانا فخر الدینؒ نے رشحات میں حضرت خواجہ احرارؒ کی ایک کرامت کے بیان کے ذیل میں فرمایا کہ شیخ بیان کے صاحبزادے شیخ عیان گازرون کے خطباء کے طبقہ سے تھے۔ طالبِ علم متقی عراق سے خراسان آئے اور ہرات میں کچھ قیام کیا۔ پھر سمرقند تشریف لے گئے اور تقریباً ایک سال اور چند ماہ حضرت خواجہ کی آستان بوسی کے شرف سے مشرف رہے۔ الیٰ آخرۃ

(۸) مولانا اسمٰعیل شروانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت خواجہ احرارؒ کے اصحاب میں سے تھے اور مکہ معظّمہ کے مجاور تھے کہ (اللہ پاک اس کے شرف وعزّت کو بڑھائے) بعض بزرگوں کی تحریر سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مولانا اسمٰعیل شروانی ان مولانا اسمٰعیل ثالث سے مختلف تھے کہ جن کے متعلق صاحب رشحات نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کے بعد وہ حجاز چلے گئے تھے اور مکّہ معظّمہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور اسی مقدس میں مقام پر انتقال فرمایا۔ انتہیٰ

کیوں کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسمٰعیلؒ نے صاحب رشحات کے عہد میں انتقال فرمایا اور مولانا اسمٰعیل شروانی ۹۵۰ھ تک اس مقدس جگہ تھے۔ خواجہ عبدالہادی کے فرزند خواجہ قاسمؒ آپ کی خدمت میں پہنچے تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ میرزکریاؒ جو

بہت بڑے محدث اور درویش تھے اور ۹۹۰ھ میں جن کی وفات ہوئی وہ ان مولانا اسمٰعیل کے شاگردوں میں سے تھے جیسا کہ مولانا علی القاری الہروی الحنفی نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جو آپ کی انتہائی معتبر اور عظیم تصنیف ہے اس کے دیباچہ میں اپنے اساتذہ کے بیان میں لکھا ہے:

منهم زبدة الفضلاء و عمدة العلماء مولانا سيّد الزكريا تلميذ العالم الربانى مولانا اسماعيل الشروانى من اصحاب قطب العارفين وغوث السالكين خواجه عبيد الله السمرقندى احد اتباع خواجه بهاء الدين النقشبند روّح الله وحهما وارزقنا فتوحهما۔

(ان میں سے زبدۃ الفضلاء عمدۃ العلماء مولانا سیّد زکریا تھے جو عالم ربّانی مولانا اسمٰعیل شروانی کے شاگرد تھے اور یہ مولانا اسمٰعیل شروانی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے متبعین میں کے قطب وغوث خواجہ عبید اللہ سمرقندیؒ کے اصحاب میں سے تھے اللہ پاک ان دونوں بزرگوں کی ارواح کو تازگی عطا فرمائے اور ان کی فتوحات سے ہم کو بھی حصہ عطا فرمائے)

میر عبدالحیؒ نے اپنے رسالہ میں میر زکریا کو ان مولانا اسمٰعیل کا مرید لکھا ہے۔ مختصر یہ کہ اس جگہ مولانا اسمٰعیل سے کثیر مخلوق نے فیض حاصل کیا۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیخ علی بن حسام الدین ہندی المعروف بہ متقی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے عالم و درویش تھے انہوں نے تمام دیگر سلسلوں کے مقابلہ میں التزام عزیمت واتباع سنّت کی بناء پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو جو پسند فرمایا تھا انہوں نے مولانا اسمٰعیل ہی سے ان اکابر کا طریقہ اخذ کیا تھا۔

نیز بعض فضلاء کی تالیفات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شیخ سلیم فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا اسمٰعیل سے اس جگہ مستفید ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ المال

شیخ حر بن رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلۂ عالیہ کے عظیم بزرگوں میں سے تھے غجدوان میں سکونت اختیار کی تھی۔ حد درجہ منکسر المزاج تھے اور انتہائی فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے خود کپڑے سیتے اور خود انہیں فروخت کیا کرتے اور اسی طرح اپنا اہلِ خانہ کا پیٹ پالتے آپ شیخ بہلول کے مرید تھے اور شیخ بہلولؒ حضرت خواجہ احرارؒ کے اصحاب میں سے ایک کے مرید تھے۔ رحمہم اللہ

(۹) سیّد بابا خواجہ و سیّد محمد خواجہ رحمہما اللہ تعالیٰ:

یہ دونوں بزرگ رشتہ میں بھائی ہیں اور حضرت سیّد اتا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد۔ دونوں خوارزم سے نکلے اور حضرت خواجہ احرارؒ کے آستانہ پر پہنچے۔ آپ کی صحبت کی برکت اور شفقت سے حصّہ پایا اور وطن لوٹے۔ سیّد بابا نے عجب دیوانگی و شیدائی کے عالم میں صحراؤں میں زندگی گزاری اور سیّد محمد خواجہ نے شہر مرد اور ابیور میں اس نورِ ہدایت کے ساتھ اپنی زندگی کو منور و روشن کیا۔

خواجہ جمال الدین المعروف بہ خواجہ دیوانہ رحمۃ اللہ علیہ سیّد اتا کی اولاد سے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سیّد پاشا تھا۔ سیّد بابا خواجہ کے ساتھ ان سیّد پاشا کا تعلق پیر و مرشد کا تھا۔

چناں چہ یہ سیّد پاشا اپنے صاحبزادے کے لیے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ خواجگان سلسلۂ شریفہ نقشبندیہ سے آپ کو حصہ ملا ہے ان صاحبزادے کو بھی اس کا کچھ حصہ مل جائے تو بہتر ہو۔ چناں چہ حضرت نے توجہ فرمائی۔ سیّد بابا خواجہ کے بعد ان کے بھائی سیّد محمد خواجہ کی نظرِ عنایت بھی ان پر رہی۔ یہ بخارا میں حضرت خواجہ محمد اسلام المعروف بہ خواجہ جوبیار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی حاضر ہوئے اور ان کی عنایات و توجہ کا مرکز ہے۔ نیز اَندخُو کے اطراف میں بابا چوپان کے آستانہ پر بھی حاضری دی اور مستفید ہوئے۔ یہ بابا

چوپان انتہائی عمر رسیدہ اولیاء میں سے ہوئے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ کبرویہ اور اپنے آباؤ اجداد کے سلسلۂ جہریہ وعشقیہ سے بھی آپ کو حصہ ملا آپ ہندوستان بھی تشریف لائے اور شہر سورت میں دریائے شور کے ساحل پر بندرگاہ جو حاجیوں کی گزرگاہ ہے آپ نے سکونت اختیار فرمائی اور ایک مدّت تک وہاں رہے۔ سو سال کی عمر کے بعد آپ صاحب اہلِ و عیال ہوئے۔ آپ کے وہ فرزند جو آپ کے مزار مبارک کے مجاور ہیں یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر جب ایک سوتیس سال ہوئی تو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور یہ واقعہ رحلت ۵/صفر ۱۰۱۶ھ کو پیش آیا۔

آپ بڑے صاحب جذبہ و کرامات تھے آپ کی بعض کرامات کو آپ کے صاحبزادگان اور مریدوں نے جمع کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے شیر خوارگی کے ایام میں شاہ بیگ خان کے قتل کے باعث بڑا فتنہ برپا تھا۔ حضرت خواجہ اس وقت چند ماہ کے بچے تھے اور جنگل میں پڑے ہوئے تھے۔ تو جنگل میں ہرنی آپ کو دودھ پلایا کرتی آپ کی ایک کرامت یہ بیان کرتے ہیں کہ عظیم خوارزمی حکمران شاہ قلی سلطان جو بہت بڑے صاحبِ علم اور درویش تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں بخارا میں حضرت قاسم شیخ کرمینی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ تیرا ہندوستان جانے کا ارادہ ہے کہ وہاں تیری کسی درویش سے ملاقات ہوگی جس کی خدمت کرنا تیرا ارادہ ہے۔ آ ان کی خدمت میں چل اور پہلے اپنی ارادت درست کرلے اس ارادہ کو میں نے حضرت عزیزان کے ایک خلیفہ جو ابوغ میں تھے ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا تم ہندوستان میں طویل قیام کرنا۔ تمہاری ارادت او رحصہ وہیں موقوف ہے میں جب ہندوستان آیا تو برہان پور میں خواجہ دیوانہ کی خدمت سے مشرف ہوا۔ اس سے قبل کہ میں بیعت ہونے کا ارادہ ظاہر کروں آپ نے فرمایا حضرت سلطان کرمینہ نے تمہاری ارادت

پر موقوف رکھی ہے یہ بات نہ بھولنا۔ میری آنکھوں میں آنسو تھے اس حالت میں آپ کی قبر شریف میں ایک سوراخ روشندان کی طرح ظاہر ہوا۔ آپ کے صاحبزادگان اور عقیدت مندوں نے چاہا کہ آپ کی ہڈیوں کو وہاں سے منتقل کر دیں لیکن وہاں انہیں کچھ نہ ملا۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبحَانَہٗ

آپ کے فرزند ارجمند خواجہ ابوالحسن اب آپ کے جانشین ہیں۔ حسن خلق اور فضائل سے باخبر اور تقویٰ ونسبت اولیاء سے بہرہ ور۔ ایک مرتبہ بغیر کسی سواری اور زادِراہ کی فکر کے۔ انتہائی بے تکلفانہ انداز میں کشتی میں بیٹھے اور حرمین محترمین (زاداللہ شرفہما) کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد کئی سال تک زندہ رہے۔

حضرت خواجہ دیوانہؒ کے ممتاز خلفاء میں ایک خلیفہ فانی ہیں جو آج کل دارالاسلام بلخ میں طالبانِ طریقت کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہیں اور ہر شب جمعہ اور پیر کی رات عربوں کے طریقہ پر مولود پڑھتے ہیں اور درمیان میں عربی اشعار بھی نقل کرتے ہیں۔

(ا): مولانا خراسانی رحمۃ اللہ:

آپ بھی حضرت خواجہ احرارؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت حسن اتا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے کہ جن کا نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سالک یقینی حضرت قاسم شیخ کرمینی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا قریبی رشتہ تھا اور ان سے آپ نے بہت فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ مذکور کے جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ مولانا حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ کی تربیت وصحبت کی برکت سے تکمیل کو پہنچے تھے۔ نیز تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے ایک بار اپنے چچا ترکستان شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ولایت مآب ہدایت اکتساب مولانا خراسان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ جب

دریائے گوہک سے گزرے اور یا وہ مقام پر پہنچے تو حمید الدین صوفی جو مقبولین میں سے تھے اور کافی معمر تھے راستہ میں پیچھے رہ گئے آپ نے ایک شخص کے پاس جو برسرِ راہ تھا زیر دیوار کچھ دیر توقف فرمایا اور وہاں ٹھہرے جب مولانا کی خدمت میں پہنچے اور ان کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی تو مولانا مراقب ہو گئے۔

ہمارے شیخ بھی آپ کے ساتھ مراقب ہوئے۔ اس مراقبہ میں ہمارے شیخ نے دیکھا کہ وہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں موجود ہیں آپ نے پوری پوری کوشش صرف فرمائی اور آنحضرت ﷺ کے جمال جہاں آراء کا خوب خوب مشاہدہ کیا جب بھی حلیہ مبارک کا احضار کرتے وہ دولت بروجہ کمال سامنے آ جاتی۔ اس وقت ایک درویش نے آپ کے زانو پر ہاتھ مارے اور کہا کہ دیکھ تجھے نیند نہ آئے ہمارے شیخ کو اس سے سخت اذیت پہنچی۔ اسی دوران حضرت مولانا نے بھی مراقبہ سے سر اُٹھایا اور ہمارے شیخ سے فرمایا تمہارا اتنا ہی حصہ تھا۔ اس کے بعد مولانا نے پوچھا کہ گذشتہ رات تم کہاں تھے......انہوں نے فرمایا اپنے چچا ترکستان شیخ کے پاس۔ حضرت مولانا نے پوچھا تم کس راستہ سے آئے۔ انہوں نے فرمایا وہ گراں کے راستہ سے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ فلاں دیوار کے نیچے تم کیوں رُکے تھے۔ انہوں نے وجہ بتائی۔ اس وقت مولانا نے فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ یا وہ گراں کے راستہ میرے پاس آ رہے ہیں اور ان لوگوں پر سبز علم کا سایہ ہے کہ جو علم ہمارے آباؤ اجداد کا ہے اور ان لوگوں نے کچھ دیر اس دیوار کے نیچے توقف کیا ہے اور وہاں ٹھہرے ہیں۔ میں نے جتنا دیکھا تم ہی لوگوں کو وہاں پایا کہ تم ہمارے طبقہ کے لوگ ہو۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ غلط نہ تھا۔

قاسم شیخ کریمنی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ نے زیادہ تر مشائخ جہریہ بسویہ سے استفادہ کیا ہے۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ

حضرت قاسم شیخ اسی سلسلۂ جہریہ بسویہ کے رائج کرنے والے ہیں۔اس طرح ان کا ذکر ہماری دوسری کتاب صفحات الانوار میں آتا جو ہم نے دوسرے سلسلوں کے بزرگوں کے حالات میں لکھی ہے لیکن چوں کہ حضرت قاسم شیخ نے مولانا خراسان سے بھی استفادہ کیا ہے اور آپ مخدوم اعظم مولانا خواجگی الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔نیز ایک مخلص نے اصرار کیا کہ یہ کتاب بھی ان کے ذکر سے خالی نہ رہے ان وجوہ کی بناء پر اس کتاب میں بھی ان کا مختصر ذکر کر دیتے ہیں اور اگر خدا کا کرم شامل رہا تو ہماری کتاب صفحات الانوار میں ان کا تفصیلی ذکر آئے گا (انشاءاللہ)

آپ کا لقب جو آپ کے اخلاص کیش و احباب کی زبان پر عام تھا وہ حضرت عزیزان ہے آپ کی صورتاً نسبت حضرت حسن اتاؒ سے ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہے۔۹۱۳ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔اٹھارہ سال کی عمر تھی کہ ''قطب زمان خواجہ مولانا نوری نوراللہ مرقدہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔نو دس سال آپ کی خدمت بابرکت میں رہے۔بہت باطنی فیض حاصل کیا اور بڑے مجاہدے کیے۔حضرت مولانا نوری کے انتقال کے بعد مولانا ولی و شیخ عبدالحق جہری و خدایداد و شیخ رحمہم اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان بزرگوں سے بھی فیض حاصل کیا۔

نیز جیسا کہ ذکر ہوا آپ مولانا خراسان کی خدمت۔کرشرف سے بھی مشرف ہوئے اور مولانا معظم خواجگی وہیدی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے لوگوں کا بیان ہے کہ آپ میں اور مولانا خواجگی مذکور کے عظیم خلیفہ خواجہ محمد اسلام المعروف بہ خواجہ جو بیار میں بڑا کامل ارتباط واتحاد تھا اور دونوں بزرگوں کا طریقہ تھا کہ بعض طالبانِ طریقت کو اگر ضرورت سمجھتے ایک دوسرے کے پاس بھیج دیا کرتے حضرت عزیزان کے ایک مخلص بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ جن ایّام میں یہ مولانا ولی کے پاس تھے انہوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ ایک عظیم درویش اپنا

نیلگوں رومال انہیں سر پر پہنا رہے ہیں آپ نے جب مولانا ولی قدس سرہٗ سے اس کا ذکر کیا مولانا نے فرمایا کہ ایک ترک درویش نے ایک طالبِ طریقت کے جب بہت سے عجیب واردات کا حال سنا تو فرمایا۔ سین کورکنیک ایتارسن اگر گورکانیمزاتیاک اویات بولور۔

حضرت عزیزان کو آپ کی یہ بات سن کر اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مولانا ولی نے اس وقت مراقبہ میں دیکھا کہ قریہ میانکال میں ایک درویش ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک عظیم بادشاہ نے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جس کا شمار مشکل ہے فلاں مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے اور مجھے آپ کو بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ مولانا ولیؒ نے فرمایا ہم فقیر درویش لوگ ہیں عظیم بادشاہوں کے دیکھنے سے ہمیں کیا کام۔ اس درویش نے کہا اگر آپ نہ جائیں گے تو وہ بادشاہ آپ کو دیکھنے آجائے گا۔ مجبوراً مولانا چل پڑے۔ دیکھا کہ ایک وسیع میدان میں ایک بہت بڑے لشکر نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور بے شمار خیمے نصب ہیں۔ آپ جب اس بادشاہ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس تخت پر حضرت عزیزان قاسم شیخ جلوہ افروز ہیں وہی نیلگوں رومال ان کے سر پر ہے اور پوستین علی جسم پر۔ اگلے روز مولانا ولی معذرت کے لیے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ گذشتہ رات میں نے یہ واقعہ سن کر آپ سے جو کچھ کہا تھا اس سے مقصود آپ کی کوئی تحقیر یا تعریض نہ تھی۔ مجھے آپ کی بزرگی کا خوب علم ہے شاید آپ کو میری بات کچھ ناگوار ہوئی تھی کہ اتنی پاک ارواح کے لشکر کے ساتھ آپ خود یہاں تشریف لائے اب میں پوری طرح باخبر ہوں۔ طالبانِ طریقت کی صحبت آپ کو مبارک ہو۔

الغرض ان کثیر البرکت صحبتوں۔ ان شب بیداریوں، خلوصِ نیت اور حسن مناسبت کے باعث حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو یگانۂ روزگار بنا دیا تھا۔ ترک وتاجیک کے طالبانِ طریقت دور ونزدیک سے آتے اور آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ کرمینہ بلکہ بخارا اور اس

مضافات سے بھی لوگ کثیر تعداد میں آپ کے پاس آتے توبہ کرتے اللہ کی طرف رجوع ہوتے اور ذکر و مراقبہ میں مصروف ہوتے تھے۔ ایک عظیم مخلوق آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے انتہا کی پستی سے اَوجِ کمال کو پہنچی۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کے بعض بلند مرتبہ خلفاء نے ان کرامات کو جمع کیا ہے۔

آپ کی ایک کرامت یہ بیان ہے کہ ایک دن آپ گدھے پر سوار تنہا شہر سے صحراء کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اس علاقہ میں چار مشہور ڈاکو ڈکیتی کی واردات کیا کرتے تھے کچھ صحراء نشین بکریوں کے ریوڑ والے اپنے جانور فروخت کر کے اپنے ٹھانوں کی طرف لوٹ رہے تھے کہ ان ڈاکوؤں کو ان صحراء نشینوں سے آپ کے اِدھر آ نکلنے کا علم ہوا چناں چہ ان ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو آپ کے پاس آیا اور ڈانٹ کر کہا جو کچھ مال و دولت سونا چاندی تمہارے پاس ہے فوراً نکالو۔ حضرت نے اپنا ہاتھ اس ڈاکو کی کمر میں ڈالا اور اس کو زمین پر گرادیا۔ تین دوسرے ڈاکو اپنے اس ساتھی کی مدد کے لیے آگے بڑھے اور آپ پر پل پڑے آپ نے ان تینوں کو بھی جکڑ از مین پر گرایا اور ان کے پہلے ساتھی کے نیچے دبا دیا ان ڈاکوؤں میں سے ایک کی پگڑی آپ نے کھولی اور تینوں کو مضبوطی سے یکجا باندھ دیا۔ ان ڈاکوؤں نے آپ کی جب اتنی قوّت اور طاقت دیکھی تو وہ سخت حیران ہو گئے اور عبرت کی تصویر بن کر آپ سے فریاد کرنے لگے کہ بزرگوار معلوم ہو گیا کہ آپ اللہ کے ولی ہیں۔ اس لیے کہ ہم میں سے ہر ایک اتنا طاقتور ہے کہ چند لوگ مل کر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے آپ ہمیں کھولیں تا کہ ہم اپنے سر آپ کے قدموں میں ڈال دیں توبہ کریں اور آپ کے مرید ہوں۔ آپ نے انہیں کھولا۔ ان سب نے توبہ کی اور آپ کے مرید ہوئے۔

ان کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت کہ متقدمین مشائخ سے بھی ایسی کرامت سننے میں نہیں آئی آپ کی وہ کرامت ہے جب ایک بار اہلِ توران کی ایک بلاء و آفت نے

مع درویشوں کی ایک جماعت کے اس سرزمین کو تباہ و برباد کر دیا اور اس کے ساز و سامان کو تہس نہس کر دیا۔ اور اس عظیم کرامت نے وقت کے تمام مشائخ کے مقابلہ میں آپ کے امتیاز کے جھنڈے کو بلند کر دیا اور یہ ایک انتہائی نادر واقعہ ایک عجیب و ہیبت ناک معاملہ ایک انتہائی پُرسوز و نامہ اور ایک حیرت افزاء سرگذشت ہے۔

مختصراً یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ بخارا کے حکمران عبداللہ خان اور سمرقند کے حاکم ابوالخیر سلطان کے درمیان جھگڑوں اور جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس سے دونوں جانب شہروں کی تباہی اور باہم مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ہاتھوں آزار کا سلسلہ چل پڑا۔ یہ دونوں حکمران حضرت عزیزان کے معتقد تھے چناں چہ قرآنی آیت **اَلصُّلْحُ خَیْرٌ** (صلح بہتر ہے) پر عمل کرتے ہوئے اور دونوں جانب کے امراء کے التماس پر آپ نے باہم صلح کی کوشش فرمائی۔ چناں چہ بخارا اور سمرقند کے درمیان ایک مقام پر آپ نے دونوں حکمرانوں کی مجلس کا انتظام فرمایا اور دوستی قائم فرما دی۔ کلام اللہ کو بیچ میں رکھ کر دونوں حکمرانوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ ایک دوسرے سے بے وفائی نہ کریں گے نہ ایک دوسرے کا بُرا چاہیں گے۔

حضرت عزیزانؒ نے اس اتحاد اور بھائی چارہ کے رشتہ کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ ایک دسترخوان پر دونوں کے کھانے کھلانے کا انتظام فرمایا دونوں کو اپنے اپنے علاقوں کے لیے رخصت فرمایا اور خود کرمینہ واپس آ گئے۔ یہ عہد اور صلح نامہ ۹۸۳ھ میں ہوا۔ دو سال تک حالات صلح نامہ کے مطابق رہے۔ دو سال سے کچھ زائد مدت کے بعد بخارا کے حکمران عبداللہ خان کی نیت خراب ہوئی۔ کچھ شیطانی وسوسہ اور کچھ فانی دولت کے لالچ کے تحت اس نے نقض عہد کیا (عہد توڑ دیا) اور سمرقند کے حکمران ابوالخیر سلطان کو دعوت کے بہانہ اپنے پاس بلایا۔ سلطان ابوالخیر کے بعض بہی خواہوں نے اسے

اجانے سے منع کیا کہ اس دعوت میں بدعہدی اور بدنیتی کا اندیشہ ہے۔لیکن سلطان کا اخلاص درست اور نیت صاف تھی۔ اس نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت عزیزانؒ کی خدمت میں ہم دونوں نے کلام اللہ کو بیچ میں رکھ کر کوئی قسم کھائی ہو اور معاملہ اس کے برخلاف ہوجائے چناں چہ اپنے بہی خواہوں کو وہ یہ جواب دے کر بخارا چلا گیا۔

جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا اور عین دعوت والے دن عبداللہ خان کے بھائی عبداللہ سلطان نے سلطان ابوالخیر کو قتل کردیا۔قتل کا یہ واقعہ ۹۸۶ھ کے نصف رمضان میں ہوا۔ حضرت عزیزان کو جب اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع ملی انہیں سخت رنج ہوا۔اس رمضان کے اعتکاف میں روزانہ کئی بار جلال کے عالم میں زانو پر ہاتھ مارتے اور کہتے ہائے یہ کیا ہوا۔عبداللہ نے یہ کیا کیا کہ بدعہدی اور خیانت کا مرتکب ہوا۔نہ عہد کا پاس کیا نہ قسم کا خود کو جھوٹا بدعہد اور دھوکے باز ثابت کیا اور مجھے شرمندہ کیا۔اگر میں نہ بولوں تو سینہ میں ایک درد اُٹھتا ہے اور اگر بولوں تو ڈرتا ہوں کہ میرے وجود سے ایک آگ نکلے گی جو ایک عالم کو جلا ڈالے گی۔

ماہِ رمضان المبارک گزرنے کے بعد آپ کا جو مخلص بھی جانے کے لیے آپ سے اجازت چاہتا آپ اس سے فرماتے کہ ہمیں ایک اہم سفر پر جانا ہے۔کہیں نہ جاؤ آپ کے جو معتقدین اس وقت وہاں موجود نہ تھے آپ نے ان کو بھی یہی پیغام بھجوادیا کہ آجائیں ایک اہم سفر درپیش ہے آپ کے معتقدین واصحاب اس نئی صورتِ حال سے سخت حیرت میں تھے اور آپ کے زانو پر ہاتھ مارنے اور یہ کلمات ادا فرمانے سے سخت خائف یہاں تک کہ نصف ذی قعدہ کو آپ نے درویشوں کو طلب کیا اور تصریح فرمادی کہ اس بدعہدی اور عبداللہ کے قسم توڑنے کی نحوست میں ماوراء النہر کے ساکنوں پر ایک عظیم بلاء آنے والی ہے ہم بھی اس عہد اور معاہدۂ صلح میں درمیان میں تھے۔تو درویش اس بلاء کے بوجھ کے

بار بردار اونٹ ہیں اور ہم اس بلاء کو اپنے اور اپنے ساتھیوں پر لیتے ہیں۔

تو اے دوستو سفر آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آپ کے سچّے مخلص اور عاشق مریدوں نے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (ہم نے سنا اور تسلیم کیا) کہا اور سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ اچانک ایک دن آئے۔ ان کے حق میں فاتحہ پڑھی جو درجہ اجابت کو پہنچی۔ بعض حضرات نے ساتھ چلنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے حکم نہیں ہے۔ تم اور کچھ دن زندہ رہو دین کا کام کرو اور بچوں اور عیال کی نگہداشت کرو۔

جب اس بلاء کے ظاہر ہونے کی علامت ظاہر ہوئی تو حضرت عزیزانؒ نے فرمایا کہ کشورِ بقا کے مسافروں کے کفن کے لیے بے رنگ و سفید کپڑا آیا ہے اور انہوں نے خانقاء کے اوپر والے حصہ میں اس کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ غیب بین نظر سے جس کے متعلق بھی دیکھتے کہ اس کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے اسے طلب کرتے اس ڈھیر سے اس کا کفن نکال کر اس کے کندھے پر ڈالتے۔ فاتحہ پڑھتے اور آنکھوں سے عبرت کے چند آنسو آپ کے چہرۂ مبارک پر ڈھل آتے اور آپ فرماتے دینی بھائیو اور یقینی دوستو خاطر جمع رکھو ہم بھی ان سے ملنے والے ہیں اور یہ مصرع پڑھتے:

ہر جا رویم از پئی دوراں بہم رویم

(ہم جہاں بھی جاتے ہیں آسمان گردش سے ساتھ ہی جاتے ہیں)

جس درویش کو کفن ملتا وہ اُسے اُٹھاتا تنہائی میں ایک گوشہ میں جاتا وہاں ذکر و مراقبہ میں مصروف ہوتا۔ اس کی روح پرواز کرتی اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملتا۔ اس کے درویش ساتھی جب اس کی نمازِ جنازہ اور کفن دفن سے فارغ ہوتے تو اس قافلہ سے دوسرا درویش اسی طرح رواں دواں نظر آتا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کوئی روز و شب ایسا نہ تھا جس میں کم از کم تیئس درویش اپنے خالقِ حقیقی سے نہ جاملے ہوں۔ اسی اثناء میں حضرت

بزان کے ایک منظورِ نظر مرید پاؤچی شیخ سبز جامہ زیب تن کیے آنکھوں میں سرمہ لگائے اور ایک خوبصورت عمامہ پہنے عجب مستی کے عالم میں پہنچے چوں کہ یہ سیہ فام تھے حضرت عزیزان انہیں شفقت سے قلم کہا کرتے تھے اس روز حضرت نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا آج ہمارا قلم کیسا سجا بنا آیا ہے یہ سن کر پاؤچی شیخ پر ایک عجیب مستی اور کیف کی حالت طاری ہوگئی فرمانے لگے میں کیوں نہ سجا بنا آؤں کہ آج میری عید قربان ہے۔ میں اپنے حضرت پر قربان ہوں گا۔ حضرت عزیزان نے ان کی اس بات پر ایک چیخ ماری اور جتنے درویش وہاں موجود تھے سب مضطرب ہو گئے اسی وقت سب مراقب ہوئے اور پاؤچی شیخ اسی مراقبہ میں قربان ہو گئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ سبحانہ

ابھی یہ ہنگامہ سرو نہ ہوا تھا کہ حضرت عزیزان کے ایک بلند مرتبہ مرید ملّہ صوفی مست اونٹ کی طرح جھومتے ہتھیلی پر منہ رکھے خانقاہ کے دروازہ سے باہر آئے اور فرمانے لگے آج عصر کے وقت تک میں نے کتنے ہی درویشوں کو سپردِ خاک کیا ہے۔ اب میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب میری باری آ گئی ہے:

سرم برتن گرانی میکند اورنج مخموری
همانا درسرآں نرگس مستانہ خواہم شد

(شراب کے نشہ سے میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ شاید میں محبوب کی آنکھوں میں سما گیا ہوں)

اُمید ہے آپ حضرات میری سلامتی ایمان کی فاتحہ پڑھیں گے اور نظر شفقت فرمائیں گے۔ حضرت عزیزان نے یہاں بھی ان کی یہ بات سن کر ایک چیخ ماری اور فرمایا بسم اللہ ہم بھی عنقریب تمہارے پاس پہنچتے ہیں۔ ملّہ صوفی نے مستانہ انداز میں حضرت کی پائے بوسی کی کفن کے اس ڈھیر سے اپنا کفن اُٹھایا اپنے کندھے پر ڈالا۔ خانقاہ سے آہستہ

نکلے اور اس درخت کے نیچے مراقب ہو کر بیٹھ گئے جو خانقاہ سے باہر اہل اللہ کے ان راہنما کی نشست گاہ کے مقابل تھا۔ اپنی ابروئے مبارک کو اپنے پیر بزرگوار کی محراب بنایا، اپنا منہ زمین پر رکھا اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رحمہ اللہ سبحانہ'

حضرت عزیزان کے ایک چچازاد بھائی قاضی اختیار بخارا کے حاکم عبداللہ خان کے مقربین میں سے تھے۔ ان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو وہ بخارا سے کرمینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عزیزان کے درویشوں سے ایک درویش انہیں ملے جن کے پاس قاضی اختیار کے لیے ایک مکتوب تھا جس میں تحریر تھا کہ تمہارے خان کی بدعہدی کی نحوست کے نتیجہ میں ماوراء النہر کے لیے جو مصیبت اور بلاء لکھ دی گئی تھی اس کو جھیلنے کے لیے ہم اپنے چند درویشوں کے ہمراہ آخرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تمہیں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ جس درویش کے پاس یہ گرامی نامہ تھا انہوں نے اسے ایک جگہ رکھا اور خود دور فاصلہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے میں اس لیے تمہارے قریب نہیں آتا کہ ڈرتا ہوں میری گرمی اور آگ سے تمہیں نقصان نہ پہنچے۔ قاضی اختیار کے بعض ساتھی یہ سن کر ڈر گئے اور واپس لوٹ گئے۔ قاضی اختیار نے اس سفر کی رفاقت کو پسند کیا اور سرعت کے ساتھ حضرت عزیزان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جب وہ خانقاہ کے دروازہ سے اندر آئے تو حضرت عزیزان نے فرمایا ہمیں بڑا دکھ ہے۔ حضرت ان کے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آئے اور پہلے جو مکتوب میں تحریر کیا تھا اس کا ذکر کیا۔ قاضی صاحب نے ساتھ رہنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا بات وہی ہے کہ آپ کو ہم بوڑھی والدہ کی خدمتِ سپرد کرتے ہیں آپ واپس چلے جائیں اور ۲۸رذی قعدہ دوشنبہ کے دن آپ نے قاضی صاحب کو رخصت کر دیا۔ ذی قعدہ کی آخری تاریخ تھی اور بدھ کا دن کہ حضرت عزیزان کے برادر نسبتی اور بلند مرتبہ خلیفہ الوغ کا انتقال

۔حضرت عزیزان نے فرمایا کہ آپ کو گوہک کے پانی سے گزارو اور اس جگہ سے جسے ہم نے اپنی قبر کے لیے رکھا انہیں وہاں دفن کرو اور پرسوں جمعہ کو ہمیں بھی پانی سے گزار کر دفن کرو۔ حضرت عزیزان کے مختلف عقیدت مندوں نے اس جملہ سے جان لیا کہ اب حضرت کی زندگی کا ایک سے زیادہ دن باقی نہیں رہا ہے۔ جب جمعہ کی شب شروع ہوئی تو حضرت نے یولوم شیخ، محمد سعید شیخ، مولانا عبدالمومن اور یولدز صوفی جو آپ سے محرمیت کا شرف رکھتے تھے ان سب کو لیا اور حرم سرا کی طرف متوجہ ہوئے جب حرم سرا پہنچے تو سب اہلِ حرم حاضر ہوئے اور پابوسی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ حضرت عزیزانؒ نے ان مذکورہ بزرگوں کے ساتھ صحبت میں بلند صوفیانہ حقائق واسرار بیان فرمائے اور چند وصیتیں کیں۔ آپ کی حرم محترم نے اس موقعہ پر اپنے قلبی رنج کا اظہار فرمایا کہ ہمارے گھر میں جوان بچی ہے اس پر ہم سب پر رحم کیجیے اور یہ سفر نہ اختیار کیجیے۔

حضرت نے فرمایا اس جوان بچی اور تم سب کو بھی یہ سفر اختیار کرنا ہے مگر ہاں ہماری وہ تین چار سالہ بچی اور تین چار درویش جن کے ذمہ کچھ کام ہیں صرف یہ لوگ زندہ رہیں گے۔

آپ اسی شب جمعہ کو تمام رات درویشوں کے ساتھ عبادت ومراقبہ میں مصرف رہے جب تک صبح نزدیک ہوئی آپ نے قطب الاقطاب خواجہ مولانا نوری قدس سرہ کی قباء اور ٹوپی پہنی اور وہ چٹائی جو اس دوران آپ کی مخصوص جائے نماز تھی اس پر لیٹ گئے جو درویش موجود تھے آپ نے انہیں سورۂ یٰسین پڑھنے کے لیے فرمایا جیسے ہی صبح شروع ہوئی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی:

ان نامہ سوز دل بہ پایاں آمد

(وہ نامہ سوز ودل آخر ڈوب گیا رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً)

اس دن برف باری کثرت اور انتہائی شدید قسم کی سردی کے باعث درویش حیران تھے کہ جنازہ کو کس طرح پانی سے گزاریں گے لیکن مجبوراً وصیّت کے مطابق وہ جب ساحل پر پہنچے تو دیکھا کہ دریا کا پانی یخ بستہ اور سخت برف کی شکل اختیار کر گیا ہے کہ اگر بھاری سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھی اس پر سے گزرنا چاہیں تو وہ دریا عبور کر سکیں چناں چہ وہ درویش اس تمام کام سے فارغ ہوئے اور آپ کو سپردِ خاک کیا۔

آپ کے انتقال کے بعد سوائے اس ایک چھوٹی بچی اور تین چار درویشوں کے جن کے متعلق آپ فرما چکے تھے کہ آپ کے متعلقین و منتسبین میں سے کوئی ایسا نہ رہا جس کا ایک ہفتہ کے اندر اندر انتقال نہ ہو گیا ہو۔ اللہ پاک سب پر اپنا رحم فرمائے آپ کے ایک عقیدت مند بزرگ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ آخرت کے مسافر ایک ہزار سے زائد تھے ۳۰۰ درویش کو خانقاہ کے تھے اور باقی وہ مخلص تھے جو افلاس کی بنا پر دور دراز سے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ کے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی ان بزرگوں کے انتقال کے بعد بعض چوروں نے یہ سمجھ کر کہ یہ سب تو مر چکے ہیں ان کے گھروں میں گھس کر ان کے مال و اسباب کی چوری کرنا چاہی اور اس ارادہ سے وہ ان کے گھروں میں گھس گئے لیکن وہ یا تو گھروں میں گھستے ہی مر گئے یا پھر باہر آ کر اندھے ہو گئے۔

☆☆☆

مقصد دوئم ...... فصل سوئم

اس فصل میں حضرت مولانا محمد قاضی
اوران کے تاحال خلفاء کے حالات ہیں

حضرت خواجہ احرار کے دیگر انیس خلفاء کے ساتھ اگر چہ مولانا محمد قاضی کا ذکر کتاب رشحات عین الحیوۃ میں موجود ہے لیکن چوں کہ ان بیس بلند مرتبہ اور مبارک ہستیوں میں حضرت مولانا محمد قاضی ہی کی ایسی شخصیت تھی جن کے بلند آثار اور جلی برکات ماوراء النہر میں باقی رہیں اور ان کے بڑے خلفاء ہوئے اور ان خلفاء واصحاب کے فیض سے آج تک ایسے بزرگ ہوتے رہے ہیں جو مخلوقِ خدا کی ہدایت کا کام انجام دیتے رہے نیز کتاب رشحات حضرت مولانا محمد قاضی کے باقی حالات، تاریخِ وفات، تشریح ارشادات اور کرامات کے ذکر سے خالی تھی لہٰذا مجھے زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ میں حضرت مولانا کے احوال واقوال مختصر طور پر اور بغیر بار بار لوٹائے تحریر کروں اور آپ کے بعد آپ کے منتسبین کے حالات بیان کروں۔

مولانا محمد قاضی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اور آپ کے والدِ بزرگوار مولانا برہان الدین قضا کے کام پر مامور نہ تھے بلکہ

قاضی عمادالدین مسکین سمرقندیؒ کے ساتھ آپ کو خصوصی تعلق تھا اس لیے مولانا محمد قاضی کے نام سے مشہور ہوئے صاحبِ تاریخ رشیدی حضرت مولانا کے مرید ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ احرارؒ کے خاص مطبخ کی خدمت آپ کے سپرد تھی اور آپ ایک مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے حضرت خواجہ کے ساتھ آپ کی عقیدت وارادت چوں کہ انتہائی قوی تھی لہٰذا مطبخ اور اس کی متعلقہ ضروریات کے مصارف آپ خود برداشت کرتے اور حضرت خواجہ جہاں جاتے آپ ان کے ہم رکاب ہوتے تھے۔

سلسلۃ العارفین میں حضرت مولانا خود تحریر فرماتے ہیں کہ ترکستان میں لوگ جب قحط کی آفت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے حضرت خواجہؒ نے مجھ سے فرمایا میں چاہتا ہوں بزرگوں کے مزار پر بھوکے ترکوں کو کھانا کھلاؤں یہ خدمت میں کروں یا تم کرو گے میں نے یہ خدمت کرنا پسند کی۔ چناں چہ میں روزانہ سات بکرے کٹواتا۔ سات سو روٹیاں پکواتا اور خود اپنے ہاتھ سے ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا۔ دیہات سے خربوزے آجاتے وہ بھی فقراء میں بانٹتا۔ اس کام میں میری مصروفیت اتنی بڑھی کہ رمضان میں لوگوں کو کھانا تقسیم کرتے کرتے اتنا زیادہ وقت ہو جاتا کہ حضرت خواجہ تہجد کے لیے اُٹھتے اور میں اسی کام میں مصروف ہوتا۔ ایک رات میرے دل میں یہ خیال آیا کہ تیرے اوقات تو اسی گوشت روٹی میں گزر جائیں گے۔ تیرے کام کا کیا ہوگا اسی دوران ایک شخص میرے پاس آیا کہ حضرت خواجہؒ نے تمہیں طلب کیا ہے۔ میں خوفزدہ ہو گیا کہ میرے دل کی ناگواری حضرت خواجہؒ پر ظاہر ہو گئی ہے۔ چناں چہ توبہ استغفار کرتا ہوا میں حضرت خواجہؒ کے پاس آیا جب میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ اکابر خواجگان قدس اللہ ارواحہم جب کسی سے اُمید رکھتے ہیں اسے کسی خدمت میں مشغول کر دیتے ہیں۔

نسمہ:

نیز آپ نے فر-مایا کہ ہر کسی کو عالم غیب سے اس کے مجاہدہ، وریاضت اور اس کے عمل کے مطابق فیض پہنچتا ہے۔ ایک خادم جو کسی جماعت کی خدمت میں مشغول ہے اس ریاضت و مجاہدہ کے مطابق بھی اسے فیض پہنچتا ہے جو اس نے کی نیز اس کے مطابق بھی کہ اس کی خدمت سے دوسروں کو نفع پہنچا جن بزرگوں کو نفع پہنچا ان کی طرف سے بھی اس نفع کی نسبت سے اسے فیض ہوگا اور حدیث میں جو آیا ہے:

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ [1]

(کہ قوم کا سرداران کا خادم ہے) اس سیادت و سرداری کا یہی مفہوم ہے۔ حضرت مولانا محمد قاضیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے اس ارشاد کے بعد میں نے خدمت کرنے سے کبھی بھاری پن محسوس نہیں کیا۔ اور میں جتنی خدمت کرتا اپنے آپ کو پُر تقصیر محسوس کرتا۔

حضرت مولانا کی اپنی تحریر اور صاحبِ تاریخ رشیدی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی مرضی کے خلاف مولانا نے ایک سفر اختیار کیا۔ اگر چہ مولانا اس غلطی پر جلد ہی متنبہ ہو گئے تھے اور لوٹ آئے تھے۔ حضرت خواجہؒ سے معذرت کی تھی اور حضرت نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے انہیں معاف بھی کر دیا تا۔ تاہم مولانا انتہائی ندامت اور حیا کے باعث حضرت خواجہ کے سامنے نہ ہوتے تھے اور جب بھی حضرت خواجہ کی مجلس ہوتی تو یہ اس کے اطراف میں پھرا کرتے اور مجلس سے باہر بیٹھ کر رویا کرتے حضرت خواجہؒ جب بھی تصوف کے اسرار و معارف بیان فرمایا کرتے چاہتے کہ مولانا بھی موجود ہوں۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کا یہ معارف حقائق کا بیان عروج پر تھا کہ حضرت خواجہ نے پوچھا مولانا محمد کہاں ہیں۔ عرض کیا گیا کہ باہر بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ سے اتنا بڑا قصور ہو گیا

---

[1] المقاصد الحسنہ (۵۷۹)

ہے۔ میں اس واقعہ کے بعد بھلا کہاں اس مبارک مجلس کے لائق رہا۔ مجھے تو بس یہی سعادت کافی ہے کہ حضرت کے پڑوس میں جگہ مل جائے اور دور سے ہی حضرت کا دیدار کر لیا کروں۔ وہ یہ کہتے ہیں اور زار وقطار رونے لگتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ان سے کہو ہم چاہتے ہیں وہ حسبِ سابق ہمارے سامنے رہا کریں۔ اگر ان سے کوئی چیز ہوئی ہم نے درگزر کر دیا اگر ہم سے کوئی غلطی ہوئی وہ معاف کر دیں۔

مولانا یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اسی موقعہ پر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ان بزرگوں کے مقامات عالیہ میں ایک مقام فتوت و جوانمردی ہے وہ یہ کہ گنہگاروں اور مجرموں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ کہ انہیں عذر خواہی نہ کرنا پڑے اور حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ مجلس سے اُٹھے اور حرم سرا کی طرف متوجہ ہوئے یہ عاجز آپ کے پیچھے تھا۔ آپ بزرگوں کی باتیں سناتے جاتے یہاں تک کہ مسئلہ توحید پر گفتگو شروع کی اور بلند معانی بیان فرمائے۔ قریب تھا کہ میری عقل میں کچھ سوالات اُبھرنے لگتے اسی اثناء میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان باتوں کے باوجود تم خود کو شریعت کے کتنا قریب پاتے ہو یعنی کیا تمہارے نزدیک ان بزرگوں کی باتوں سے توحید کے شرعی مفہوم کو تقویت ملتی ہے میں نے عرض کیا تقویت ملتی ہے اور کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ فرمایا تمہیں مبارک ہو۔ اب تمہیں چاہیے یہ باتیں سنو اور پھر آپ نے گفتگو شروع کر دی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ آپ توحید سے مغلوب ہیں۔ آپ اسی طرح گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ حرم سرا پہنچ گئے۔ اب ایسی جگہ آ گئی جہاں ہم پردہ کے خیال سے رُک گئے ہیں جب وہاں رکا تو آپ نے فرمایا آ جاؤ اور اس طرح پردہ نشینوں میں آ گئے۔ مجھے بڑی وحشت ہوئی اور حضرت نے نہ چھوڑا۔ اچانک آپ آئے۔ جب معلوم ہوا تو میں جلدی سے حرم سے باہر آ گیا اس کے بعد آپ نے دوسرے کو محرم راز بنایا جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاء۔ یہاں مولانا کا کلام ختم ہوا۔

حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد مولانا تاشقند تشریف لے گئے ایک مدت کے بعد جب وہاں حالات خراب ہوئے تو آپ بخارا آ گئے۔ بخارا کا حکمران آپ کا مرید ہو گیا۔ ناقل کا کہنا ہے کہ وہ جو مقولہ ہے اَلنَّاسُ عَلٰی مُلُوْکِھِم۔ کہ لوگ اپنے حکمرانوں کے طریق پر ہوتے ہیں تو مولانا کے ایک صاحب دل مرید نے کہا کہ بخارا کے حاکم کے مرید ہونے کے باعث درویشوں میں اتنا شغل بڑھا کہ وہ لذت پھر نہ ملی۔ ۹۱۶ھ میں قزلباش کے غلبہ کے باعث خوارزم کے اطراف اور بخارا کے قریب علاقوں میں حالات جب خراب ہوئے تو مولٰینا دوبارہ تاشقند واپس آ گئے اور یہیں ۹۲۱ھ میں ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ صاحبِ تاریخ رشیدی مرزا حیدر گورگان نے آپ کی تاریخ وفات کو حضرت خواجہ عبیداللہ کے فوراً بعد لکھا ہے رحمۃ اللہ تعالٰی الرحمۃً واسعۃً۔ نیز صاحب تاریخ مذکور نے آپ کی کچھ کرامات بھی بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اس نے لکھا کہ سلطان کی ہمشیرہ سے میری شادی کرنے کی خواہش تھی مگر سلطان کے اُمراء اور درباریوں میں سے کوئی رضامند نہ تھا یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ کامیابی کی کوئی صورت نہیں۔

جب میں حضرت مولانا کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالٰی نے اس کا تم سے نکاح کر دیا ہے کتنا بھی دوسرے لوگ اس شادی کو روکنا چاہیں انہیں فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کے یہ کلمات فرمانے کے چند ہی روز بعد کچھ ایسا سلسلہ بنا کہ آخرکار یہ نکاح ہو گیا۔ حضرت مولانا کے چند ارشادات یہاں تبرکاً نقل کیے جاتے ہیں۔

نسمہ:

فرمایا حیرت دو طرح کی ہے ایک فلسفیوں اور منطقیوں کی حیرت اور دوسرے باری تعالٰی کے جلال و جمال کے مشاہدہ کی۔ حیرتِ فلسفیوں اور اہلِ استدلال کی حیرت مذموم اور بری ہے کہ وہ مشکوک کے باہم ٹکراؤ اور حجتوں دلیلوں کے باہم تعارض سے پیدا ہوتی

ہے اور یہ طریقہ قابلِ بھروسہ نہیں ہے اور ان کے مشاہدہ جلال و جمال کی حیرت محمود و پسندیدہ ہے کہ وہ جلال، تجلیات اور جمال کی روشنی و چمک کی عطا و بخشش ہے سالک ان کی لامحدود وقوت و غلبہ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور ان کے ادراک و تلاش میں ایسا متحیر ہوتا ہے کہ اسے الفاظ نہیں ملتے کہ اس حیرت کو بیان کر سکے۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا کہ سالک جب طبیب کی تاریکی کی پستی اور خواہشِ نفس سے کلیتہً آزاد ہو جاتا ہے اس کے دیدۂ بصیرت سے پردہ ہٹ جاتا ہے۔ قرآنی آیت ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قصص ۲۸/۸۸)

(بجز اس کے سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں)

اس قرآنی آیت کا راز اس کی بینائی سے پردہ دور کر دیتا ہے اور وہ جیسا کہ فرمایا:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد (ق ۵۰/۱۶)

(اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ)

اس ارشاد کا جمالِ توحید کے جائے ظہور سے اس پر جلوہ گر ہوتا ہے اور جیسا کہ فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ ۲/۱۱۵)

اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب ھی۔ پس تم لوگ جس طرف منہ کرو (ادھر ہی) اللہ کا رُخ ہے۔

چہ غیر و کجا غیر و کر نقش غیر
سوی اللہ واللہ مافی الوجود

"غیر اللہ بھلا کیا چیز ہے۔ وہ کہاں ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کا نقش کون سا ہے وجود تو صرف اللہ کا ہے"۔

اور جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (ابراہیم ۱۴/۲۷)

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات 'یعنی کلمہ طیبہ کی برکت' سے دنیا و آخرت میں مضبوط رکھتا ہے)

اس مقام پر اس آیتِ مبارکہ کے نور کا پرتو سالکین طریقت کے قلوب کو اطمینان بخشتا ہے اور سوءِ ظن، حلول واتحاد، اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے بچا کر مقامِ عبودیت میں راسخ و مستحکم کرتا ہے۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا طالبِ طریقت کو چاہیے کہ پوری پوری کوشش صرف کرے۔ اپنی جان لگا دے اور ایک لحظہ بھی بیکار نہ گزارے اور صحیح ایمان اور کامل یقین کے ساتھ شریعت کے راستہ پر سچائی کا قدم رکھے تا کہ حضور ﷺ کے انوارِ باطن کا پرتو لحہ بہ لحہ اس کے قلب پر پڑتا رہے اتباعِ سنّت میں اس کا قدم جتنا راسخ ہوتا جائے گا اتنا ہی حقیقت زیادہ صاف و پاکیزہ ہوتی جائے گی۔ عالمِ ملکوت کے عجائب اس پر منکشف ہوتے جائیں گے اس اتباعِ سنّت کی برکت سے اس کے باطن کو عالمِ ملکوت سے انجذاب حاصل ہوگا اور اس کے نتیجہ میں الہٰی نور کی ایک شعاع پیدا ہوگی جو اس کی رہبری کرتی رہے گی۔ نہ اسے ذکرِ الٰہی سے بغیر آرام لینے دے گی اور غیر اللہ کے بارے میں متفکر ہونے دے گی۔ جیسے جیسے یہ نسبت قوی اور یہ تعلق مضبوط ہوگا۔ اور اللہ پاک کی عنایت سے مقدس ارواح اس پر ظاہر ہوں گی ایسا ہو جائے گا کہ مقید جہاں خیالِ نفس جزئی ہے مُطلق کے ساتھ متصل ہو جائے گا جہاں خیالِ نفس کلی ہے۔ اس طرح اتباعِ سنّت پر ثابت قدم رہنے کے باعث مکاشفات کے اعلیٰ

درجات تک ترقی کرے گا یہاں تک کہ اسے حق الیقین حاصل ہو جائے گا۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا جب سالکِ طریقت کے راہ کی تمام رکاوٹیں اور موانع دور ہو جائیں اور معارف و حقائق جمع ہو جائیں تو سالک میں تجلیات بلا نہایات کے فیض کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر لحظہ اس کے شوق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور تکالیف کی قلفت اس سے کلیتہً دور ہوتی جاتی ہے دوسرے الفاظ میں اس سے بیشتر وہ جو کچھ بہ تکلف قبول کرتا تھا اب وہ خود بخود ایک خاص ذوق پیدا ہو جانے کی بناء پر قبول کرتا ہے۔ طبعاً اس سے محبت کرنے والا بن جاتا ہے اور اس کا نفس اس کے رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا سنّتِ نبوی کے کمالِ اتباع کے ذریعہ جو بھی حضرات مشائخ کی ارواح کے ساتھ اتصال حاصل کرلے گا محبّ کی خاصیّت اس میں پیدا ہو جائے گی اور وہ محبوب و مراد کا مرتبہ پالے گا۔ تمام مشائخ کی ارواح علی الترتیب کسی نبی کی روح کے ساتھ پیوستہ ہوتی ہیں اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کا اتباع اور اللہ کی محبت سب میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔

حضرت مولانا نے سلسلۃ العارفین اربعین کے دیباچہ میں پیری مریدی کے آداب کے بیان میں دو باب تحریر فرمائے ہیں جن کا جاننا اور جن کی رعایت کرنا پیروں اور مریدوں کے لیے ضروری ہے۔ چوں کہ یہاں اس کا نقل کرنا باعثِ طوالت ہوتا اس لیے اسے ترک کر دیا ہے۔ ان دو ابواب کے خاتمہ پر حضرت مولانا نے سلف صالحین میں سے چند اولیاء کرام کی بعض مفید حکایات بھی نقل فرمائی ہیں۔ اللہ پاک طالبانِ طریقت کی جانب سے

نہیں بہترین جزاء عنایت فرمائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی زبانِ مبارک سے جو معارف وارشادات عالیہ نقل ہوئے ہیں ان میں ہے کہ ایک دن آپ نے حکایت بیان فرمائی کہ سلطان العارفین قدس سرہٗ کے والد بزرگوار کے دور میں ایک یہودی کے پاس ایک بزرگ کا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ ان بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایک یہودی کے پاس اُٹھنا بیٹھنا کیوں رکھتے ہیں۔ ان بزرگ نے جواب دیا میں اس یہودی میں بہت اچھے اخلاق دیکھتا ہوں۔ ان دونوں کا ملنا جلنا یہاں تک بڑھا کہ وہ بزرگ ایک مرتبہ اس یہودی کے گھر تشریف لے گئے اس یہودی نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ ان بزرگ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا ہم اجنبیوں اور بیگانوں کا کھانا نہیں کھاتے۔ اس یہودی نے کہا کہ یہ میری مروّت کے خلاف ہوگا کہ میرا کوئی دوست میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر ہی چلا جائے تو اب میں اس بیگانگی کو یگانگی وہم رنگی سے بدلتا ہوں۔ یہ کہا اور وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی کتاب میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے امام غزالی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ ایک صحرا و بیابان میں ہیں گدڑی جس میں پیوند لگے ہیں زیب تن ہے دامنِ کوہ سامنے پیروں میں نعلین ہیں۔ میں نے بغداد میں ان کا وہ شان وشوکت کا حال بھی دیکھا تھا جب وہ درس دیا کرتے اور ان کی مجلس میں بڑے بڑے امراء اور علماء کا جمِ غفیر ہوا کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا اے خیر الانام اور اللہ کی بہترین مخلوق کیا بغداد کی تدریس اس سے بہتر نہ تھی۔ حضرت نے میری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور فرمایا:

لَمَّا بَزَغَ بَدْرُ السَّعَادَةِ فِیْ فَلَکِ الْإِرَادَاتِ احْتَجَبَتْ شَمْسُ الْأُصُوْلِ فِیْ مَعَارِفِ الْوُصُوْلِ۔

(جب سعادت و نیک بختی کا چودھویں کا چاند ارادت کے فلک پر روشن ہوتا ہے تو

اُصول کا سورج معارف ووصول میں چھپ جاتا ہے)

اور سیاست مدن واُمورِ مملکت کے بارے میں حضرت مولانا محمدؒ کا مرزا حیدر کے نام ایک رسالہ ہے۔ انتہائی مختصر و مفید۔ اس رسالہ میں یہ چند اقوال ہیں۔

نسمہ:

اگر کسی مسلمان سے کوئی لغزش یا تقصیر صادر ہو جائے جس کا معاف کرنا ممکن ہو تو سلطان کے لیے معاف کر دینا اس کی شان کے زیادہ لائق و مستحن ہے الا مگر یہ کہ اس معاف کرنے میں دین کا کوئی نقصان لازم آتا ہو۔ ایسی صورت میں معارف نہ کرنا چاہیے۔

اسی رسالہ میں ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے حضرت شیخ شفیق بلخی رحمۃ اللہ کو بلوایا اور کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ آپ نے فرمایا اے امیر! حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایک سرائے ہے جسے دوزخ کہتے ہیں تجھے خدا نے اس دوزخ کا دربان مقرر کیا ہے اور تجھے تین چیزیں دی ہیں۔ ایک مال دوسرے شمشیر اور تیسرے کوڑا تا کہ تو محتاجوں کو مال دے کہ وہ اضطراری حالت میں حرام و مشتبہ چیزوں کے التزام سے بچ سکیں اور تا کہ شمشیر سے تو ظالموں کا قلع قمع کر سکے اور تا کہ تازیانہ اور کوڑے سے بدکاروں کو ادب سکھائے۔

اگر تو ایسا کرے گا تو خود بھی نجات پائے گا اور مخلوق کے لیے بھی نجات کا سامان کرے گا اور اگر اس کے برخلاف کرے گا تو سب سے پہلے تو دوزخ میں جائے گا اور دوسرے لوگ تیرے پیچھے پیچھے وہاں جائیں گے۔

خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا محمد قاضیؒ کے فرزند رشید اور خلف سعید تھے والد بزرگوار کے بعد آپ کے والد کے بیشتر مرید آپ ہی کے سایۂ تربیت میں رہے اور جمعیت و حضور سے بہرہ ور

ئے۔ مولانا امیر ہرویؒ اپنے رسالہ میں آپ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں کہ ایک عالم کے مخدوم زادہ، طالبین وصادقین کے مقتدیٰ ورہنما حضرت میرک قطب الدین احمد۔ نیز صاحب تاریخ رشیدی نے بھی آپ کی منقبت میں چند سطور لکھی ہیں۔

مولانا حمید الدین تاشقندی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا محمد قاضیؒ کے انتہائی باہمّت وسرکردہ اصحاب میں سے تھے۔ مقامات مولانا خواجگیؒ میں لکھا ہے کہ مولانا حمید الدین (اللہ ان کے ذکر کو بڑھائے) نے فرمایا کہ ایک بار ہمارے مولانا حضرت شیخ ابوبکر قفال قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اس شب میں مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے مولانا خواجگیؒ کو شراب کے ۹ مٹکے اور چند تیر مرحمت فرمائے۔ شراب کے تین مٹکے اور چند تیر مجھے بھی دیئے کسی دوسرے وقت حضرت مولانا خواجگی کی خوش طبعی کے طور پر میں نے عرض کیا کہ حضرت شیخ نے یہ شراب کے مٹکے جو آپ کو عنایت فرمائے اس میں اس عاجز کا حصہ کیسے۔ آپ نے فرمایا تین شراب کے مٹکے جو تمہیں دیئے ہیں اسی پر بس نہیں ہے۔

مولانا حمید الدینؒ کہتے ہیں مجھے مولانا خواجگیؒ کے اس کشف سے اپنی کیفیت اور اس واقعہ کی صداقت معلوم ہوگئی۔

اس فقیر راقم الحروف کو ایک دوست نے یہ واقعہ سنایا کہ سمرقند میں ایک درویش پر ایک کیفیت طاری ہوئی وہ قلعہ کی دیوار پر آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

ہر کہ بہ جہاں زاہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ وباقیست خدا خواہد بود

”دنیا میں جو بھی مقامِ فنا کے حصول سے اہلِ فنا میں سے ہوگا خدا جو پائندہ وباقی ہے

اس کی صفت بقاء کے پرتو سے وہ بقاء حاصل کرلے گا''۔

اس درویش نے قلعہ کی دیوار پر یہ شعر پڑھا اور نیچے گرا اور اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ علماء نے اس درویش کے اس طرح گرنے اور مرجانے کی حقیقت کے بارے میں بڑی بحث کی اور آخر یہ بات طے ہوئی کہ اس درویش سے حالتِ شکر میں اگر یہ حرکت سرزد ہوئی اور ایک خاص کیفیت اس کی مقتضی ہوئی تو وہ معذور ہے اور اسے اس پر اجر ملے گا ورنہ مشکل ہے۔ جس دوست نے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے بتایا کہ اس درویش کو مولانا محمد قاضی سے ایک خلیفہ سے نسبت تھی اور اللہ ہی حقیقتِ حال زیادہ جانتا ہے۔

شیخ حمید الدین ہروی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ حضرت مولانا محمد قاضیؒ کے صاحبزادے خواجہ قطب الدین احمدؒ کے اجازت یافتہ مریدوں میں سے تھے۔ آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی۔ آخری عمر میں بیت اللہ الحرام اور روضۂ سیّد الانام وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوئے وہاں سے جب واپس ہوئے تو ساحلی شہر سورت میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ احمد آباد میں ایک سیّد احمد جعفر تھے بڑے صاحبِ علم وصاحبِ حال۔ سادات بخاریہ ومشائخ سروردیہ وچشتیہ وقادریہ سے بہرہ ور بھی تھے۔ انہوں نے شیخ حمید الدین ہروی سے طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی ان سیّد احمد جعفر کے ایک رسالہ میں دیکھا وہ تحریر فرماتے ہیں کہ قطب العالم سیّد برہان الدین کا سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے بھی انتساب صحیح تھا اس سلسلہ کی تعلیم انہوں نے شیخ رکن الدین شیرازیؒ سے حاصل کی۔ انہوں نے سیّد شریف جرجانی سے اور سیّد صاحب نے خواجہ علاء الدین عطارؒ سے رحمہم اللہ۔ نیز سیّد احمد جعفرؒ نے رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی نسبت سے بھی بہرہ ور تھے اس طرح کہ آپ کو یہ نسبت حضرت شیخ سلطان الدین سے حاصل ہوئی اور

نہیں حضرت احمد مولانا سے اورانہیں بابا کمال جندی سے اور انہیں شیخ ابوالجناب نجم الدین کبریٰ سے (رحمہم اللہ سبحانہٗ)

آپ کا اسمِ گرامی احمد تھا، آپ کا تعلق کاسان سے تھا جو فرخانہ کے شہروں میں سے ہے۔ آپ کی ظاہری نسبت شیخ برہان الدین قلیچؒ سے تھی آپ مشہور اکابر عظام میں سے تھے بلکہ عظیم سادات کرام میں سے۔ نسبت معنوی آپ کو حضرت مولانا محمد قاضی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ حضرت مولانا کے ملنے سے پیشتر مولانا خواجگی وہ مفت وتنگدستی کی زندگی گزارتے تھے بڑے صاحبِ فضل وتقویٰ تھے۔

جب مولانا محمد قاضی کی گرمیٔ صحبت کی اس علاقہ میں دھوم ہوئی اور ترک وتاجیک دور ونزدیک سے پورے شوق ومحبت سے آپ کے آستانہ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے تو حضرت مخدوم مولانا خواجگی الکاسانی نے تھوڑی ہی صحبت میں رسوخِ طلب، خلوصِ نیت، ذاتی استعداد اور حضرت محمد قاضیؒ کی تربیت وشفقت کی نظر کی برکت سے ان اکابر سلسلہ کی نسبت وحضوری کا وافر حصہ حاصل کرلیا۔ اور اپنی قابلیت کی سرزمین میں اس نسبت کا وہ تخم بویا کہ جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔

آپ کے فضائل کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ جب حضرت مولانا محمد قاضیؒ کی خدمت میں مشغول تھے حضرت مولانا نے آپ کی فضیلت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا۔

شاہباز بلند پروازے آمدہ می خواہد مارا برمسند
مشیخت بنشاند وتربیت او بر ما واجب ولازم شدہ

(ایک بلند پرواز شاہین آیا اور چاہتا ہے کہ ہمیں درویشی کے تخت پر بٹھادے اس کی تربیت ہمارے ذمہ لازم وضروری ہے)

شیخ حمید الدین تاشقندیؒ جیسا کہ ان کے حالات میں گزرا حضرت مولانا محمد قاضیؒ

کے مخلصین میں سے تھے۔ ایک دن انہوں نے حضرت مولانا خواجگی کو فرماتے ہوئے سنا:

''ہر چہ در ہژدہ ہزار عالم است در وجود خود مشاہدہ میکنم''

(جو کچھ کہ اٹھارہ ہزار عالم میں ہے میں اس کا اپنے وجود میں مشاہدہ کرتا ہوں)

شیخ حمید الدین تاشقندیؒ نے استفسار و تعجب کے انداز میں یہ بات حضرت مولانا محمد قاضیؒ کے سامنے عرض کی کہ ایک شخص اٹھارہ ہزار عالم کا اپنے وجود میں مشاہدہ کرتا ہے آپ نے پوچھا یہ بات کس نے کہی۔ شیخ حمید نے فرمایا مولانا خواجگی نے حضرت مولانا محمد قاضی سے فرمایا اچھا یہ بات ان کی ہے اور ہاں ان کی یہی حالت ہے۔ ایک مدّت سے وہ اس مقام پر فائز ہیں۔ لیکن پیری مریدی کے آداب کی بناء پر وہ ہمارے سامنے ان کا اظہار نہیں کرتے۔

اور حضرت مولانا خواجگیؒ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاضیؒ کی موجودگی میں مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ نے ایک سیب حضرت مولانا محمد قاضی کی طرف کیا اور مجھے دے دیا۔ اس سیب کی مہک سارے عالم میں پھیلی گئی اس کشف کو میں نے حضرت مخدوم مولانا قاضی کے سامنے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تجھ سے ایسی نسبت کا ظہور ہوگا جس سے سارا عالم متاثر ہوگا۔

قاضی شاہ ایک بڑے متقی عالم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کاسان تشریف لائے۔ بیان معارف کے دوران آپ نے ارشاد فرمایا۔

از یں زمین بوی مردے می آید کہ نام او احمد خواہد بود

کہ اس زمین سے ایک ایسے مرد صالح کی خوشبو آتی ہے جس کا نام احمد ہوگا۔

نیز بابا حاجی ایک روشن ضمیر درویش ہوئے ہیں جنھیں حضرت خواجہ احرارؒ کی خدمت میں کا شرف حاصل رہا ہے۔ خواجہ احرار قدس سرہٗ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کی خدمت میں

رہے ہیں۔ جو بات قاضی شاہ کی اوپر بیان ہوئی ایسی ہی بات انہوں نے حضرت خواجہ احرارؒ سے حضرت مولانا خواجگی کے متعلق نقل کی ہے۔

حضرت مولانا خواجگی اپنے پیر بزرگوار کے انتقال کے بعد طالبین طریقت کے افادہ کی طرف متوجہ ہوئے بہت تھوڑی مدّت میں ہی بڑی تعداد میں فقراء و علماء اس دور کی برآوردہ شخصیتیں ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئیں۔ جن دنوں آپ جنّت نشان شہر سمرقند میں تشریف فرما تھے۔ اس شہر کے اطراف میں دریا کے کنارے ایک ایسا پُرفضا مقام تھا جہاں بید کے درخت ایک لطیف منظر پیش کرتے تھے وہ جگہ حضرت مولانا خواجگی کو اس قدر پسند آئی کہ آپ نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی جائے اقامت بنالیا اور ۹۴۹ھ میں اپنے انتقال کے وقت تک وہیں مقیم رہے اور آج اسی مقام پر آپ کی قبر شریف بھی ہے۔ یہ جگہ آپ کے اور آپ کے صاحبزادگان کے بابرکت قیام کے باعث آج ماوراء النہر کی مشہور آبادیوں میں سے شمار ہوتی ہے، اور وہ بید (بید کے درختوں کی بستی) کہی جاتی ہے۔

اپنے شوق، قوی جذبہ وقت کے تقاضہ اور طالبین طریقت کی استعداد و مناسبت کے پیشِ نظر حضرت مولانا خواجگی نے بعض اُمور رخصت کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ متعلق کردیا۔ چناں چہ نمازِ عصر کے بعد آپ نے استغفار کو محاسبہ یومیہ کا لازمی حصہ قرار دیا بلند آواز سے انتہائی درد اور سوز کے ساتھ اور بڑے نیاز و گداز کے عالم میں آپ کلمۂ استغفار کھینچ کر ادا کرتے آپ اور آپ کے مریدین ننگے سر ہوتے اور پُر درد اشعار پڑھتے۔ سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوتا۔ ان میں سے بعض نے اسی لیے تہجد کی نماز کو باجماعت ادا کرنا شروع کی اور اونچی اونچی آوازیں نکالنا اور وجد میں آنا اور سماع جن سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر نے عزیمت اختیار کرنے کے باعث دور رہنا پسند کیا تھا مولانا خواجگی اور ان کے مریدین نے اس کو اپنا معمول بنایا اور اس پر لب کشائی کی اور بارہا ایسا

بھی ہوتا کہ مولانا خواجگیؒ وجد کی حالت میں اپنے مریدین کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے آپ ان میں سے بعض کو اپنی آغوش میں کھینچ لیتے اور اپنا ہونٹ اس کے ہونٹ پر رکھ دیتے اور اسے بدمست و بے حال کردیتے اور جب حضرت خواجہ محمد عبداللہ کے فرزندگان میں سے مشہور قول کے مطابق خواجہ عبدالحقؒ نے ان رخصتوں کے بارے میں ان پر اعتراض کیا تو مولانا نے صرف اتنا کہا کہ ''المامور معذور'' جس کو حکم ہوا وہ معذور ہے۔ نیز عجیب کیف کے عالم میں کہا کہ ہمارے خواجگان کا طریقہ بڑا جامعہ ہے اس میں صحو بھی ہے سکر بھی سکون بھی ہے اضطراب بھی، جہر بھی سر بھی اور رخصت بھی ہے عزیمت بھی اس میں سب کچھ ہے خواجہ علی رامتینیؒ اور امیر سیّد کلاں کے یہاں اگر جہر ہے تو حضرت خواجہ بہاؤالدین اور خواجہ احرار رحمہم اللہ کے یہاں خفاء۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ حالتِ جذب میں ایک مرتبہ آپ نے مخدوم زادہ صاحب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں ہر گوشہ میں میرا ایک سوختہ جاں ہو جو مخلوق کو گرم کرتا رہے۔

آج بھی مولانا خواجگی کے مُنتسبین آپ کے اسی طریقۂ کار پر کاربند ہیں اور مولانا کو مخدوم اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسرے سلسلوں کے کچھ لوگ خود کو خواجہ احرار یا خواجہ علاؤالدین عطّار قدس سرّ ھُمَا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت خواجگی کے اسی خاص طریقہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور مولانا خواجگی کے اسی طریقہ کو طریقۂ وہ بید (بید کے درخت کی بستی کا طریقہ) کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو بھی صاحب دلانِ صادق الحال کرتے ہیں بغیر نیت اس میں خیر نہ ہوگی۔

لیکن یہ جو آپ کے بعض مُنتسبین کہتے ہیں کہ یہ اُمور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تکمیل کے لیے ہیں یہ محلِ نظر ہے اس لیے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اخفاء ہے یعنی ذکر اذکار چھپانا اور اخفا کی تکمیل بھلا اظہار سے کیسے ہوسکتی ہے یعنی ذکر و اذکار کو خوب دکھا دکھا کر اور

آواز بلند ادا کیا جائے۔ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا طرۂ امتیاز عزیمت پر عمل کرنا ہے تو اس کی تمیمہ بھلا رخصت سے کیسے ہو سکتی ہے یعنی ان چیزوں پر عمل کرنے سے جن کی صرف بہ وقتِ ضرورت اجازت ہوتی ہے۔

بایں ہمہ حضرت مولانا اس سلسلۂ کے اکابر میں سے تھے۔ آپ کی صحبت کی برکت سے بہت سے علماء اور فضلاء صاحبِ احوال بلکہ صاحبِ کمال و اکمال بنے۔ بقول ایک مؤلف جس نے آپ کے فضائل بیان کیے ہیں کہ آپ کے دامنِ دولت سے ساٹھ خلفاء کا ظہور ہوا ہے اس عظیم خانوادہ کے بعض وہ حالات جو ہمیں مخلصوں کے رسائل سے بہ صراحت ملے ہیں ہم انہیں انشاءاللہ بیان کریں گے۔

حضرت مولانا کی بہت سی کرامات مشہور ہیں کہ آپ کے بعض مریدین نے انہیں قلمبند کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ جس کا وقوع کے بعد آپ نے اظہار فرمایا کہ لکھا جا سکتا ہے اور اگر لوگ اس وقت موجود ہوتے تو خود دیکھ لیتے وہ یہ کہ ایک کمزور خاتون کا چند ماہ کا بچہ رحم میں مر گیا۔ دائیاں اس بچہ کو رحم مادر میں نکالنے میں ناکام ہو گئیں۔ اس خاتون کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو اس کی ماں جو حضرت مولانا کی عقیدتمند تھی روتی آہ وزاری کرتی بے قراری کے عالم میں مولانا کے پاس آئی اور گھر چلنے کی درخواست کی۔ مولانا اس خاتون کے گھر تشریف لے گئے اور مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ گرمیٔ غیرت سے آپ پسینہ پسینہ ہو گئے ناگاہ آپ نے ایک چیخ ماری اس چیخ کے ساتھ ہی وہ بچہ ماں کے رحم سے باہر آ گیا۔

حضرت مولانا نے تبسم فرمایا اور کچھ ارشاد فرمایا:

میں نے ایک فاضل کی کتاب میں دیکھا کہ سلطان معنیٰ آگاہ شاہ ظہیرالدین محمد بابر نے ہندوستان میں ایک جنگ کے دوران حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ کا تصور قائم

کر کے حضرت سے امداد واعانت طلب کی۔ اسی دوران کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید پوش سوار نمودار ہوا اور اس سوار کے نمودار ہوتے ہی بابر کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی بابر نے اس سفید پوش سوار کا حلیہ اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا اور اس حلیہ والے شخص کے بارے میں پوچھنا شروع کیا لوگوں نے بتایا کہ اس صورت وشکل اور حلیہ کے بزرگ تو مولانا خواجگی ہی ہیں۔ بابر نے اس فتح کی خوشی میں بہت سے تحفے اور درہم و دینار حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجے اور ایک خط لکھا جس میں یہ اشعار تھے:

در ہوائے نفسِ گمرہ عمر ضائع کردہ ایم

پیشِ اہلِ اللہ از اطوار خود شرمندہ ایم

یک نظر بر مخلصانِ خستہ ات کن تا کہ ما

خواجگی راماندہ اکنوں خواجگی رابندہ ایم

(ہم نے گمراہ نفس کی تکمیل خواہشات میں عمر ضائع کردی۔ اپنے اطوار پر ہم اہلِ اللہ کے سامنے شرمندہ ہیں۔ اے خواجہ اپنے خستہ حال مُعتقدوں پر ایک نظر ہوجائے ہم آپ ہی کے تھے اور ہمیشہ آپ ہی کے رہیں گے)

سلوک کے آداب اور حکمرانوں کی نصیحتوں پر مشتمل حضرت مولانا کے چند رسائل ہیں۔ یہاں ان سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے جس طرح شبِ قدر کو راتوں میں پوشیدہ رکھا ہے تا کہ لوگ تمام راتوں کی شب بیداری کا پاس کریں اسی طرح اس نے عبادات میں اپنی خاص رحمت اور گناہوں میں اپنے غصہ کو چھپا رکھا ہے تا کہ اس کے بندے تمام طاعات بجالائیں اور گناہوں سے اجتناب کریں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

خَیْرُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا[1]

(بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے)

اگر تو کبھی عمل کرے اور کبھی نہ کرے تو وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے کئی دیگوں کے اوپر ایک دیگ رکھ دی اور نیچے آگ جلادی کہ کھانا پک جائے۔ وہ یہ آگ جلا کر کسی دوسرے کام کے لیے چلا گیا۔ پھر کچھ وقت بعد آیا اور مزید لکڑیاں اس دیگ کے نیچے رکھ کر چلا گیا، پھر آیا اور اسی طرح مزید لکڑیاں رکھ کر چلا گیا۔ اگر وہ ہزار سال تک اسی طرح لکڑیاں رکھتا جائے اور آگ جلاتا رہے اس کا وہ کھانا ہرگز نہ پکے گا۔

نسمہ:

حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے ارشادات معتقدمین کے لیے جو منافع اور فائدے ہیں ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ پیر اپنے مریدوں کے لیے طبیب حاذق ہوتے ہیں اور مرید معنوی مریض۔ پیر اپنی گفتگو سے مرید کو شفا بخشتے ہیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام کو اپنے بندوں کے لیے شفا کہا ہے۔ فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۷/۸۲)

(اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفاء اور رحمت ہے)

راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ بعد وغفلت کی بیماریوں سے دور رکھے عرض کرتا ہے کہ ہر

---

[1] معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ اس حدیث کا اختصار ہے جو مشکوٰۃ میں اس طرح ہے:
اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ۱۲۴۲)

سالک وصاحب دل کی یہ بات نہیں ہے بلکہ حضرت مولانا کی مراد ایسے عارف ربانی کا کلام ہے جو متخلق بہ اخلاق الٰہیہ ہو کہ اس کا کلام الٰہی کا آئینہ ہو۔

نسمہ:

آپ نے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق کہ:

او بما محتاج وما محتاج نہ
عاشقاں رابہ ازیں معراج نہ

(وہ ہمارا احتاج ہے اور ہم اس کے محتاج نہیں۔ عاشقوں کے لیے اس سے بہتر معراج نہیں) فرمایا کہ یہ کلام ایسے عارف کا ہے جو مقامِ فنا کے بعد بقاءِ اتم کے مشرف ہے مشرف ہوا ہے اور اس میں محض ذاتِ باری مع جمیع صفات تعالیٰ وتقدّس جلوہ گر ہے۔ پس اس مقام میں حق تعالیٰ اپنی بے زبانی کی زبان سے عاشق کو خطاب کرتا ہے کہ وہ عاشق ہمارا احتاج ہے۔ ہم اس کے محتاج نہیں اور حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ العزیز نے اپنے رسالہ میں اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حَقِيْقَةُ الذِّكْرِ عِبَادَةُ عَنْ تَجْلِيَةِ سُبْحَانَهٗ لِذَاتِهٖ بِذَاتِهٖ فِیْ عَيْنِ الْعَبْدِ مِنْ حَيْثُ الْمُتَكَلِّمُ۔

(حقیقت ذکر یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات بندہ کی ذات میں جلوہ گر ہو بہ حیثیت متکلّم)

نسمہ:

عارفین سے جو بعض اسرار بلند کا ظہور ہوتا ہے اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان عارفین کو بعض حالات کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے وہ ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کے

سب حال واستعداد بے اختیار ان سے ان باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

بہ حق گویند راز حق گویند ور حق گویند

(وہ حق کہتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور حق کے بارے میں کہتے ہیں)

نسمہ:

آپ نے فرمایا جتنے ذاتی وصفاتی کمالات ہیں ان کا ظہور سب سے پہلے سیّد المرسلین ﷺ کے قلبِ مبارک پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اتباعِ سنّت کے بہ قدر یا پھر حضور ﷺ کے ساتھ مناسبت کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ کے قلوب مبارک ان کمالات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا جب عاشق کا دل جمالِ محبوب کا آئینہ بن جاتا ہے اور محبوب کو بھی عاشق کے ساتھ ایک طرح کی صورت ارادت پیدا ہو جاتی ہے تو یہی وہ چیز ہے جسے بزرگ المراد مُرِیدُ کہتے ہیں کہ جس کا ارادہ کیا وہ ارادہ کرنے والا بن گیا ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اس کا عکس بھی وہی ہے جو اس معنی کے مطابق اس کے برخلاف مفہوم ہوتا ہے۔ دقیق و پنہاں ہونے کے باعث اس کا ادراک بھی سہل نہیں۔

نسمہ:

حضرت مولانا کے مریدین انکسار و تواضع کے باعث سرنگار کھتے تھے۔ بعض حضرت نے آنجناب کو ملامت کیا تو آپ نے فرمایا حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گناہ صادر ہونے کے بعد برہنہ کر دیا تھا اگر ان کے فرزند بھی اپنے باپ کی نسبت سے اپنے گناہ

کے بعد ننگے ہو جائیں تو بھلا عیب کہاں اور ملامت کیسی:

مکن عیب درویش بے خویش دوست

کہ غرق ست زاں میزند پاو دست

(بیچارے درویش میں عیب نکالنے کو پسند نہ کر۔ وہ غرق ہے اس لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے) فرمایا کہ حضور علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ[1]۔

(اچھا ہے وہ مال جو اچھے آدمی کے لیے ہے)

وہ اچھا مال ایک آزمائش ہے جو حضرت آدمؑ نے اپنے فرزندوں انبیاء واولیاء علیہم السلام کے لیے چھوڑا ہے اور آزمائش ایک رسّی ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے دنیا کے اس کنویں میں اپنی جانب سے ڈالا ہے تاکہ یوسف ہمّت اسے تھام لیں اور اس کی جانب ہوں۔

نسمہ:

عاشقوں پر جو بلائیں اور مصیبتیں آتی ہیں ان کے بارے میں اور اس بارے میں کہ کسی کو بھی گریہ و نالہ اور جوش وخروش غم سے چھٹکارا نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ دیکھو حضرت داؤد علیٰ نبینا علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کا گریہ و نوحہ اس درجہ کو پہنچا تھا کہ لکڑی و پتھر اور کوہ وشت اور جانور تک ان کا توجہ سن کر نوحہ کرتے تھے اور آپ اپنے امتیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مل کر نالہ کرتے یہاں تک کہ مرغ بسمل کی طرح ان کے درمیان تڑپتے تا آنکہ حضرت سلیمان علیہ السلام آکر انہیں اُٹھایا کرتے۔ اور آنسو آپ کے رخسار مبارک پر ڈھلک آتے آپ ان آنسوؤں کو اپنے اعضاء پر ملتے اور فرماتے یہ پانی بڑا مبارک ہے:

---

[1] الادب المفرد للامام البخاری، حدیث رقم ۳۰۰، ومسند الشہاب (۱۳۱۵)

توجہ وائی قدرِ آب دیدگاں
عاشق نالے نوچوں نادید گاں

(تو ان آنسوؤں کی قدر کیا جانے۔ تو تو ایک روٹی کا عاشق ہے ایک نابینا کی مانند)

حالتِ سکر میں چند باتیں اور چند کلمات عالیہ غالباً حضرت مولانا کی زبان پر آ گئے تھے۔ بعض سخن چیں معترضین نے یہ بات سلطان وقت تک پہنچا دی مولانا کو جب اس شکایت کی خبر ہوئی تو مولانا نے وضاحت کے لیے بادشاہ وقت کو وہ کلمات لکھے اور فرمایا کہ طالبین طریقت کی تعلیم و تلقین کے لیے ان کی استعداد کی مناسبت سے ان کلمات کے سوا چارہ نہیں ورنہ یہ عاجز اپنی عام صحبتوں میں حتی الامکان ان چیزوں سے احتراز کرتا ہے لیکن کبھی کبھی مجبوراً یہ کلمات درمیان میں لانے پڑتے ہیں:

آہن ربا بے جذب حریقان کشور حرف
ورنہ دریں طریق و گفتار فارغیم!

(کبھی کبھی حریفوں کا دل کھینچنے کے لیے ہم رُکاب کا سہارا لیتے ہیں ورنہ اس راستہ میں ہم گفتگو سے فارغ ہیں)

آپ نے فرمایا درویشوں کی بات سننے کے لیے ایسی ہستی درکار ہے جو تمام اوصاف بشریت سے خالی اور فانی ہو یعنی صفت فنا کی آشنا اور اس سے متصف اسی لیے وہ لوگ جو ان صفات سے متصف نہیں درویشوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور اگر کوئی صاحب حال نہ ہو لیکن سچائی اور اخلاص سے درویشوں کی باتیں کرتا اور انہیں سنتا ہو تو وہ کیفیات سے متصف ہوتا جائے گا۔

نسمہ:

حضرت مولانا عبدالقادر دانشمند حضرت مولانا محمد روجیؒ کے مرید تھے انہوں نے حضرت مولانا سے مسجد مفاک میں پوچھا کہ بعض بزرگوں کا یہ کلام کہ:

"دل از دشمن برگیر و دوست راطلبید ن چہ حاجت است"

(دشمن کا دل تھام۔ دوست کو چاہنے سے کیا حاصل)

کیا درجۂ نہایت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ کلام مبتدی اور متوسط کے حال کے مناسب ہے کہ جسے نفی سے بہت حصہ ملا ہو لیکن بالآخر وہ مرتبۂ اثبات کو نہ پہنچ پایا ہو اور پھر آ نے یہ شعر پڑھا:

ہر کرا نفی فراواں شد و اثباتے نیست

گر چہ بیناست و لے صاحب مرآتے نیست

(جس کو نفی کا بہت سا حصہ ملا لیکن اثبات کا حصہ نہ ملا اگر چہ بینا ہے مگر صاحب آئینہ نہیں) حضرت مولانا کے عظیم فرزند اور عالی مقدار خلفاء ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض کے حالات اس کتاب میں انشاء اللہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔ باللہ التوفیق

خواجہ کلاں وہیدی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا اسم گرامی محمد ہے۔ آپ حضرت مولانا خواجگی کے دوسرے ہونہار فرزند ہیں۔ پہلے فرزند حضرت مولانا محمد خواجہ تھے۔ حضرت خواجہ عبدالقادر انہی بڑے فرزند مولانا محمد خواجہ کے صاحبزادے تھے اور کاسان میں اپنے وقت کے بڑے شیخ اور مقتدیٰ تھے۔

حضرت خواجہ کلاںؒ اپنے والد بزرگوار کی حیات میں ہی بلند درجات طے کر چکے تھے اپنی وفات کے قریب آپ کے والد ماجد نے اپنے اکثر مریدوں کو آپ کے حوالہ کر دیا تھا اور فرمایا تھا اے فرزند خواجہ محمد! "تمہیں مبارک ہو کہ آج رات بہت سی ارواح طیبہ پاک روحیں جمع ہوئیں اور کہنے لگیں کہ تمہارے اس فرزند کو ہم فقراء کا خادم بناتے ہیں اور انہوں نے فاتحہ پڑھی آپ چوں کہ عالی ہمّت تھے آپ نے اس پر قناعت نہ کی۔

اس نعمت کی مزید طلب کے لیے آپ نے حضرت خواجہ محمد اسلام المعروف بہ خواجہ جو

یار کی طرف رجوع کیا جن کے حالات انشاء اللہ عنقریب بیان ہوں گے۔ حضرت خواجہ نے انکساری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تمہارے والد بزرگوار نے مجھے تمہاری اطاعت کا حکم فرمایا ہے حضرت مخدوم زادہ نے پھر انکساری اور اصرار کے ساتھ فرمایا تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مجھے مولانا کا حکم ہے کہ آپ کی بات مانوں۔ ناچار آپ نے حضرت مخدوم زادہ کی بات مان لی۔ اور اس طرح خواجہ کلاں وہیدیؒ نے اس سلسلہ عالیہ کے بقیہ حالات بھی حاصل کر لیے حضرت خواجہ نے بیس سال کی مدّت انتہائی تواضع و انکسار اور انتہائی مسکینی کے ساتھ گذاری جو درحقیت انتہائی عزّت و بلند اقبالی کی زندگی تھی اور مختلف طرح کی دینی خدمات انجام دیں۔ خواجہ محمد اسلام بھی چوں کہ خواہشمند تھے کہ مخدوم زادہ اس سلسلہ کی پوری پوری خدمت بجالائیں آپ نے ان کے ساتھ وہی مشفقانہ سلوک کیا جو ابتداء حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے میر عبدالاوّل قدس سرہٗ کے ساتھ کیا تھا۔ اسی لیے حضرت خواجہ جو بیارؒ نے فرمایا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مخدوم زادہ صاحب اپنے والد بزرگوار کے مزار منبع الانوار پر تشریف فرماء ہوں اور طالبین طریقت کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ہم جیسے بہت سے لوگ حضرت سے مستفید ہوں۔ چناں چہ حسب الحکم حضرت مخدوم زادہ نے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔

کئی سال تک طالبین طریقت آپ سے فیض یاب ہوتے رہے آپ کو کمال درجہ کا عجز وانکسار اور سوز و نیاز حاصل تھا۔ وجد و سماع سے آپ کو بڑی رغبت تھی۔ چناں چہ آپ جب سفر پر ہوتے تو گویّوں اور نے نوازوں کی ایک جمعیت آپ کے ہم رکاب ہوتی۔ ان میں سے درویش رقص و سماع میں مصروف ہوتے۔ خواجہ اسحاق کے سوا تمام بھائیوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ سے مستفید ہوئے آپ کے معتقدین میں سے ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک دن آپ اہلِ اللہ کی صحبت اور ان کی مبارک نظر پڑ جانے کے متعلق واقعہ بیان فرما

رہے تھے کہ ایک بزرگ کے بارے میں میں نے سنا کہ ایک چڑیا یا ایک کوّے پر انہوں نے نظر جمائی لوگوں نے اس کا راز معلوم کرنا چاہا تو ان بزرگ نے فرمایا شاید اس پرندہ پر کسی اللہ کے پیارے کی نظر پڑی ہو یا اس پرندہ نے انہیں دیکھا ہو۔ میں چاہتا ہوں اس نظر کا کچھ حصہ مجھ پر بھی پڑ جائے آپ کا انتقال ۱۰۰۶ میں ہوا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن کیے گئے آپ کے کئی فرزند اور خلفاء اپنے اپنے وقت کے مقتدیٰ ہوئے بعض اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور بعض اب بھی طالبین طریقت کو فیض پہنچا رہے ہیں۔

خواجہ دوست رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا خواجگیؒ کے چوتھے فرزند تے اس لیے کہ آپ کے اور خواجہ کلاں کے درمیان خواجہ صدیق نامی ایک اور فرزند تھے وہ اپنے بڑے بھائی کی طرح مسند ارشاد پر نہ بیٹھے تھے اور یہ خواجہ دوست بڑے صاحبِ حالات و جذبات تھے اور ان کے مزاج میں بڑی انکساری تھی یہ اپنے والد بزرگوار سے تعلیم طریقت کے لیے مجاز تھے۔

خواجہ اسحٰق دہبیدی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مخدوم اعظم مولانا خواجگی احمدؒ کے پانچویں فرزند تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے بعد آپ کی تربیت و اجازت اور طریقت کی تعلیم مولانا لطیف اللہ نے مکمل کی جو آپ کے والد محترم کے خلیفۂ معظم تھے جیسا کہ ان کے حالات کی تفصیل میں انشاء اللہ جلد آئے گا۔ آپ کا جسم بہت پھیلا ہوا اور بڑا رعب تھا اور آپ کی مبارک ڈاڑھی اتنی لمبی چوڑی تھی کہ جب آپ بیٹھا کرتے تو وہ آپ کے کاندھوں اور آغوش میں پھیل جاتی تھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ دیکھنے والے کی نظر میں آپ کی یہ ظاہری ہیئت ہی اسے آپ کے حلقۂ ارادت میں آنے پر آمادہ کرتی تھی۔ جیسا کہ مشہور قول ہے:

اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ

(انسان کا ظاہر اُس کے باطن کا پتہ دیتا ہے)

یہ بات آپ کے حق میں پوری پوری صادق آتی تھی۔

آپ ماوراء النہر سے کاشغر وختن کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں بے شمار نیک طنیت و پاک باطن حضرات نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مرتبے پائے۔ کاشغر کا حاکم محمد خان بھی آپ کے مریدوں میں سے تھا۔ اس علاقہ میں حضرت خواجہ اسحٰق ؒ سے اس سلسلہ کی بہت اشاعت ہوئی۔ آپ دیوانہ اشتر کو جو آپ کے مریدوں میں سے تھے اور مجذوب صاحب حال اور کثیر الوجد تھے وہاں چھوڑ کر اپنے وطن واپس آئے اور ۱۰۰۸ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ قریۂ سفید کوہ میں ایک قریہ ''وہ بید'' ہے۔ والد کے بعد وہیں آپ کی سکونت تھی اور آپ وہیں مدفون ہیں آپ کے منتسبین کی زبانی میں نے سنا ہے کہ جب حضرت خواجہ اسحٰق وہیدیؒ نے ترکوں کے شہر سے ماوراء النہر واپسی کا ارادہ کیا تو بعض ترکوں نے نا سمجھی کی بنا پر محبت وخلوص کے جذبے سے مغلوب ہو کر ارادہ کیا کہ آپ کو وہیں شہید کر ڈالیں تا کہ وہی آپ کا مزار بن جائے اور ان کے اور ان کے صاحبزادگان کے لیے وہ ایک متبرک زیارت گاہ بن جائے۔ جب یہ بات حضرت خواجہؒ کے کانوں میں پہنچی تو اگر چہ آپ شہادت کے متمنی تھے مگر آپ کی شفقت نے گوارہ نہ کیا کہ مسلمان کسی مسلمان کا خون بہانے کے مرتکب ہو جائیں چناں چہ آپ نے ان لوگوں کو اپنے پاس بلا کر نصیحتیں فرمائیں اور اس فعل کی قباحت سے آگاہ کیا۔

خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولانا خواجگیؒ کے ساتویں فرزند تھے اس لیے کہ آپ کے اور خواجہ اسحٰق کے درمیان خواجہ ابراہیم ابراہیم نامی ایک فرزند تھے جن کا تاشقند میں انتقال ہوا۔ حضرت خواجہ

بہاؤالدین کی تربیت آپ کے والد بزرگوار کے بعد آپ کے بھائی حضرت خواجہ کلاں نے کی۔ آپ کے مزاج میں انتہا درجہ کی انکساری تھی۔ آپ کو کامل نسبت حاصل تھی۔ ایک مدّت تک طالبین طریقت بلخ میں آپ سے فیض یاب ہوتے رہے پھر آپ بلخ سے تاشقند تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ مولانا حورد رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی آپ کے عقد میں تھیں ان نیک طینت خاتون سے آپ کے ایک فرزند خواجہ جانی ہوئے جو آج بھی اپنے چچازاد بھائی حضرت خواجہ ہاشم کی خدمت میں پاکیزگی قلب اور حصولِ مراتب عالیہ میں مشغول ہیں آپ نے اپنے دادا بزرگوار کے حالات اور ان کی کرامات کے بارے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کا نام خلاصۃ المقامات رکھا ہے مولانا دوست صحاف حافظ ابراہیم اور مولانا باقی کے انھی حالات کے بارے میں جو رسائل ہیں خلاصۃ المقامات انھی کا انتخاب ہے جن پر آپ نے نظر ثانی کی ہے۔

خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی مولانا خواجگیؒ کے فرزند تھے۔ انتہائی سادہ مزاج اور متین۔ اپنے والد بزرگوار اور بھائیوں کی نسبت کے پوری طرح آشنا تھے۔ خواجہ محمد امین آپ ہی کے فرزند ہیں جو انتہائی فرشتہ صفت بزرگ ہیں اور آج کل شہر بلخ میں طالبین طریقت ان کی صحبت اور ان کے طریقوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حضرت خواجہ کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہے۔

مخدوم اعظم کے خواجہ حسن نامی ایک اور فرزند بھی ہیں جو شہر بلخ میں سکونت پذیر ہیں خواجہ ہاشم جو اپنے چچازاد بھائی سے صاحب اجازت ہیں آپ کے فرزند ہیں اور اب حضرت مولانا خواجگی احمد کے خلفاء کا حال بیان کرتے ہیں۔

بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَعَوْنِهٖ

(اللہ سبحانہ کی مشیت اور اس کی مدد سے)

حالات خلفاءِ مولانا خواجگی

مولانا لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی جائے پیدائش اور وطن مالوف قریہ چست ہے جو اخلکت کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے آپ نے سمرقند میں حضرت مولانا عصام الدین اور دیگر علماء وقت سے علم حاصل کیا فارغ التحصیل ہونے سے پیشتر حق تعالیٰ کی عنایت سے ایک شدید جذبہ آپ میں پیدا ہوا جو کشاں کشاں آپ کو حضرت مولانا محمد قاضیؒ کی خدمت میں لے گیا یہاں آپ رجوع الی اللہ کے شرف سے مشرف ہوئے۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت مولانا محمد اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ نے حضرت مولانا خواجگی کے دامانِ دولت سے وابستگی اختیار کر لی۔ آپ ہمیشہ ان کی خدمت میں رہا کرتے۔ اس کے باوجود کہ آپ خود صاحبِ علم و فضیلت تھے آپ ہمیشہ مولانا خواجگیؒ کی سواری کی لگام تھام کر پا پیادہ چلا کرتے حدیث شریف میں آتا ہے۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔

(جس نے اللہ کی خاطر تواضع و انکساری اختیار کی اللہ پاک نے اسے بلند کیا)

چناں چہ حضرت مولانا لطف اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بشریت کی پستی سے نکال کر فرشتوں کی بلندی پر پہنچایا۔ مولانا دوست صحاف علیہ الرحمۃ آپ کی قوت تصرف کا ایک

واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے مولانا لطف اللہ کی شان میں کچھ بے ادبی ہوگئی جس کے باعث وہ مجھ سے آزردہ خاطر ہوگئے اور مجھ سے میرے احوال سلب کرنے چاہے۔ میں نے یہ محسوس کرلیا اور فوراً حضرت مولانا نظام الدین خاموش علیہ الرحمۃ والا طریقہ اختیار کیا کہ حضور انور ﷺ کی روحانیت کی پناہ میں آ گیا اور اس طرح مولانا لطف اللہ کے غصہ سے بچا۔ اس واقعہ کے بعد ایک دن میں خلوت میں حضرت مخدوم مولانا خواجگیؒ کے پاؤں داب رہا تھا کہ اچانک مولانا خواجگی نے فرمایا کہ بھائی تم نے خوب کیا کہ مولانا لطف اللہ کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کی پناہ میں چلے گئے اور میری طرف متوجہ نہ ہوئے کہ تمہیں ان سے چھڑانا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ حضرت مولانا خواجگی کے انتقال کے بعد مولانا لطف اللہ سمرقند میں مسند ارشاد پر بیٹھے۔ بہت سے ہم رتبہ اکابر نے بھی آپ کی طرف رجوع کیا اور برکتیں حاصل کیں۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ سلسلۂ کبرویہ کے بعض اکابر نے دائروں پر مشتمل ایک نقش بنایا تھا جس میں اپنے سلسلہ کے درویشوں کے نام لکھے تھے۔ حضرت مولانا لطف اللہ کی نظر سے یہ نقش گزرا تو آپ نے دیکھا کہ ایک بڑا دائرہ ہے جسے آنحضرت کا دائرہ ظاہر کیا گیا ہے اور اس دائرہ کے بالمقابل اتنا ہی بڑا اور خوبصورت دائرہ ہے جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کا دائرہ ظاہر کیا گیا ہے۔ حضور انور ﷺ کے دائرہ کے پشت پر حضرات شیخین ابوبکر صدیق و عمر فاروق اور حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دائرے ہیں لیکن یہ دائرے بہت تنگ چھوٹے اور بے رونق ظاہر کیے گئے ہیں۔

مولانا لطف اللہ نے دائروں کا یہ نقش دیکھ کر فرمایا کہ اس طرح دائرے کھینچنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ کوتاہ نظر جب اسے دیکھیں گے تو اس سے پہلے، دوسرے اور تیسرے خلیفہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ پر چوتھے خلیفہ حضرت

لرم اللہ وجہ کو افضل جانیں گے اور خاص طور پر ایسے وقت جبکہ اہلِ تشیع مسلمانوں کے شہروں میں اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔

سلطان ابوسعید خاں اس سلسلہ کبرویہ میں مرید اور اہلِ سلسلہ کا عقید تمند تھا۔ کچھ شر پسندوں نے مولانا لطف اللہ کے الفاظ بدل کر اس کے کان بھرے۔ اس بے ادب نے مولانا لطف اللہ کی زبان کاٹ ڈالنے کا حکم صادق کر دیا۔ چناں چہ اس گستاخ کے حکم پر مولانا کی زبان کاٹ دی گئی۔ صاحبِ دوائر لکھتے ہیں مولانا زبان کٹنے کے بعد بھی اپنے سابق طریق پر طالبینِ طریقت کو ارشاد و تلقین فرمایا کرتے تھے حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے الطاف سے مولانا لطف اللہ کو نوازے۔ سلطان ابوسعید خان کو مولانا لطف اللہ کے ساتھ گستاخی کرنے کی یہ سزا ملی کہ وہ اس واقعہ کے بعد بہت جلد مر گیا۔ اور اس کی سلطنت بھی اس کے بعد اس کے بچوں سے چھین کر دوسروں کے قبضے میں چلی گئی۔

دشمنی اہلِ خرد جز دشمنی با خویش نیست

(اہل اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا درحقیقت اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہے)

اس واقعہ کے بعد حضرت مولانا اپنے وطن واپس آ گئے اور وہیں ۹۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا نے سلوک و جذبہ کے موضوع پر اور بعض اکابر کے اشعار کی تشریح کے سلسلے میں چند رسالے لکھے ہیں۔ انھی میں عارف رومیؒ کے اس شعر کی تشریح پر بھی ایک رسالہ ہے:

می گفت در بیاباں رند دہل دریدہ
عارف خدا ندارد او نیست آفریدہ

"بیابان میں ایک مست درویش بہ بانگِ دہل کہتا تھا کہ عارف کا خدا نہیں وہ مخلوق

نہیں"۔

فرماتے ہیں کہ "بیابان" سے مقامِ حیرت مراد ہے اور "رند" ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی ہستی کو حق سبحانہٗ کی ہستی میں مٹا دیا ہو "دہل دریدہ" سے مراد یہ ہے کہ اس رند کی ہستی کی ہیبت و سختی ختم ہو چکی ہے اور "عارف" اُسے کہتے ہیں جو مقام فنا پر فائز ہو یعنی کامل فنا کے شرف سے مشرف اور "آفریدہ نیست" سے مراد یہ ہے کہ وہ قطرہ تھا دریا میں مل گیا اور عین دریا سے مراد خدا تعالیٰ کی ذات ہے کہ وہ دوسروں کو پیدا کرنے والا ہے۔ مخلوق نہیں۔

۲۔ خواجہ خواوند محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ کی نسبت ظاہری چھ واسطوں سے خواجہ حسن عطار کے توسط سے حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمہما تک پہنچتی ہے۔ آپ نے نسبت معنوی کی تکمیل حضرت خواجہ اسحٰق وہ بیدیؒ کی خدمت میں رہ کر کی پھر سفر اختیار فرمایا اور ہندوستان تشریف لائے اور کشمیر میں طریقۂ نقشبندیہ کی ترویج کی اور خانقاہ تعمیر کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ لاہور تشریف لائے اور وہیں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ سبحانہٗ

۳۔ خواجہ محمد اسلام رحمۃ اللہ علیہ:

آپ خواجہ جو بیار کے نام سے مشہور ہیں اس لیے کہ آپ کی جائے پیدائش و رہائش جو بیار ہے جو بخارا میں ہے اللہ پاک اسے اور مسلمانوں کے تمام شہروں کو فتنوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔ آپ حضرت مولانا خواجگی کے اجلہ اصحاب میں سے تھے۔ ایک فاضل تحریر فرماتے ہیں کہ آپ مولانا خواجگیؒ کے پیر بھائی تھے۔ آپ مولانا محمد قاضی کے مرید تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا خواجگیؒ سے وابستگی اختیار کر لی۔

آپ نے مولانا خواجگیؒ کی تربیت وصحبت سے بہت کچھ حاصل کیا۔ آپ کی نسبت ظاہری خواجہ ابوبکر بن سعد سیمتنی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے جو کبار متقدمین سے تھے اور جنہوں نے ۳۶۰ھ میں رحلت فرمائی۔ سیمتن شہر بخارا کے قبلہ کی جانب ایک قصبہ کا نام ہے۔

''دوائر فی اسماء الاکابر'' کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد اسلام کو امیر سیّد کلال کے صاحبزادے امیر حمزہ کے بعض اصحاب کی صحبت حاصل رہی ہے رحمہم اللہ مگر یہ بات کچھ زیادہ معتبر معلوم نہیں ہوئی اس لیے کہ حضرت امیر حمزہ کا انتقال ۸۸۰ھ میں ہو چکا تھا۔ اور خواجہ محمد اسلامؒ کا وصال ۹۷۱ھ میں ہوا اور ان کی عمر اندازاً اسی (۸۰) سال تھی لیکن ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ نے ایام طفولیت میں کسی درویش کو دیکھا ہو اور انہوں نے جوانی کے ایام میں حضرت امیر کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہو اور اس درویش کی عمر ایک سو دس سال سے متجاوز ہو۔

مختصر یہ کہ حضرت خواجہؒ اپنے وقت کے عارفین میں سے تھے۔ بہت طالبین طریقت آپ کی نظر وصحبت کی برکت سے صاف حضور و باطن بن گئے۔ ایک عزیز نے لکھا ہے کہ مخزن اسرار یقینی قاسم شیخ کرمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض طالبین طریقت کو حضرت خواجہ جو یبار'' کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ اس قفل کی چابی ان کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت خواجہ کا عجیب طریقہ یہ تھا کہ اکثر شکار پر رہتے اور شکار پر جانے کے لیے انتہائی قیمتی گھوڑوں پر سوار ہوتے۔ شکار کے لیے باز، شاہین اور اسی طرح کے شکاری پرندے آپ کے ساتھ ہوتے اور شکار تو درحقیقت بہانہ تھا۔ اس طرح آپ کئی دن صحراؤں اور کشت زاروں میں بسر کرتے اور اس سے آپ کا مقصد سرِّ حال اور رفع تعیّن ہوتا اور وجود کے بوجھ سے خفت اور ہلکا پن۔ چناں چہ نفحات الانس میں عبدالرحیم اصطخری سے منقول ہے کہ آپ سلطان کے

شکاریوں کے ساتھ شکار پر تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ قصبہ سمیتنی میں مدفون ہوئے جو شہر مذکور بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔

خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ:

المعروف بہ خواجہ کلاں جویبار۔ آپ خواجہ جویبار کے فرزند رشید تھے۔ چوں کہ ماوراء النہر کا حاکم عبداللہ خاں اور بعض امراء آپ کے والد ماجد کے مرید تھے آپ کے پاس تحفہ میں دی ہوئی جاگیریں، تحفے تحائف اور بڑا مال و دولت ہوگیا لیکن حضرت خواجہ صاحب احترام کو معنوی فقر کا پورا پورا حصہ ملا تھا۔ آپ ظاہراً اغنیاء کی لیکن حقیقتاً اولیاء اللہ کی سیرت کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے آپ ہمیشہ فقراء غرباء اور محتاجوں کے متعلق بڑے فکرمند رہتے اور ان کے حالات سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے اور ایک لمحہ بھی ان کی خدمت کیے بغیر آرام سے نہ رہتے۔ اس تمام مال و دولت اور جاگیر کے باوجود بھی درحقیقت آپ کا دل ان تمام چیزوں کی محبت سے پاک تھا۔ آپ دل کے بڑے زاہد تھے درحقیقت اس مال و دولت کے پس پردہ زہد کا جو حسن ہے آپ اسے آشکار فرماتے تھے اور یہ اسی طرح جیسے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کہ آپ کی سلطنت بھی تھی اور آپ کے پاس مال و دولت بھی لیکن اس کے باوجود آپ کو کمال زہد حاصل تھا اور آپ کا دل خدائے ذوالجلال کے علاوہ ہر چیز سے خالی تھا حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کا ۹۹۲ھ میں انتقال ہوا اور آپ اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا دوست رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اخسکت سے تعلق رکھتے تھے۔ جب قطب ربانی حضرت مولانا خواجگی کاسانی کا آفتاب ارشاد اس علاقہ میں روشن ہوا تو مولانا دوست انوار دوست کے اقتباس کی غرض

ان کی طرف لپکے اور حضرت مولانا خواجگی کی صحبت اختیار کی جب مولانا اعظمؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو مولانا دوست نے انتہائی عاجزی وادب کے ساتھ مولانا لطف اللہ کی طرف رجوع کیا جو مولانا خواجگی کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ آپ اس وقت دارالاسلام بلخ شریف لے آئے تھے اور یہیں کی اقامت اختیار کر لی تھی اور یہیں طالبانِ طریقت کو فیض یاب فرماتے تھے اور بہت لوگ آپ سے بہرہ ور ہوئے تھے کہ جن میں سے بعض کے احوال اس کتاب میں انشاء اللہ بیان ہوں گے۔ آپ نے اسی شہر میں ۹۷۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر شریف بلخ میں بیرونِ شہر مشہور ہے اور مرجع خلائق ہے رحمۃ اللہ سبحانہ'۔

اس عاجز نے آپ کا ایک رسالہ دیکھا تھا جس کا موضوع تھا اس سلسلۂ عالیہ کے اسرار و اطوار یہ بہت عمدہ رسالہ تھا مگر افسوس کہ میں جب یہ اوراق لکھ رہا تھا تو اس رسالہ کو بڑا ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ ورنہ اس رسالہ سے یہاں کے ان چند اقوال نقل کرتا اپنے مرشد کے اشارہ پر مولانا دوست نے اپنے مرشد کے کچھ ارشادات اور کچھ کرامات تحریر فرمائی تھیں۔

ایک فاضل نے مولانا دوست کے حالات کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ میں نے اس میں یہ واقعہ دیکھا کہ شادی صوفی نام کے ایک درویش تھے جو بڑے قومی جذبہ کے مالک تھے انہوں نے فقر کے بھی تمام مراحل طے کیے تھے۔

یہ درویش مولانا دوست کی محفل میں آئے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو کر انھیں دیکھنے گئے ایک سرد آہ ان کے سینے سے نکلی اور انہوں نے مولانا سے کہا کہ وہ بڑا اچھا وقت تھا کہ صاف کی دوکان پر آپ اس طور طریق اور لوگوں کے ہجوم سے آزاد تھے مولانا نے کہا جو آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور مولانا رونے لگے۔

مولانا کے خلفاء میں سے ایک بزرگ سے میں نے سنا کہ مولانا فرماتے تھے کہ توحید وجودی کا مجھ پر غلبہ تھا اور میں اپنے حضرت مخدوم کے آستانہ پر تھا۔ ایک دن عجب جوشِ سکر

کا عالم ہوا۔ قریب تھا کہ میری زبان سے بھی اَنَا الْحَق کا وہی کلمے نکلے جو حضرت منصور نے جوشِ سکر کے عالم میں ادا کیا تھا کہ میرے مخدوم میری اس حالت پر مطلع ہوگئے۔ انہوں نے زور سے ایک نعرہ بلند کیا جو حقیقت میں در پردہ تھا مجھ پر توجہ تھی ایک طرح کا تصرف آپ کا ایک نعرہ بلند ہوتے ہی میرا وہ جوش سُکر ختم ہوگیا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ بابا تاشقندی کا وہ قصہ جو عنقریب آ رہا ہے مولانا دوست کا یہ قصبہ حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تصدیق کرے ہیں کہ جن دنوں منصور نے اَنَا الْحَق کا نعرہ بلند کیا ان دنوں میں حضرت عبدالخالق غجدوانی کے معنوی فرزندوں سے کوئی میں کوئی ہوتو منصور کبھی سولی پر نہ چڑھتے۔ یعنی وہ بزرگ تصرف کے ذریعے منصور کو اس مقام سے واپس لے آتے حالتِ سکر سے حالتِ صحو میں اور حالتِ تلوین سے حالتِ تمکین میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دن سمرقند میں حضرت مخدوم کے ہمراہ میں حمام جا رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ ہمارے مخدوم کا مبارک وجود جو بارامانت کا حامل ہے آیا یہی وجود ہوگا۔ میں نے فوراً دیکھا آپ کا وجود بڑا ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ آپ کا سرِ مبارک پورے حمام پر چھا گیا۔ میں مجسم نیاز وانکساری ہوگیا۔ کچھ دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا وجود آہستہ آہستہ چھوٹا ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا۔

مولانا خورد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا خواجگیؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت مولانا کے خلفاء میں جذبات وغلبات کی زیادتی کے باعث آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ لوگوں کا کہنا ہے ایک دن حضرت مولانا خواجگیؒ اپنے خلفاءِ ومعتقدین کے ہمراہ ایک کھیتی پر گزر رہے تھے اچانک مولانا خورد کے سر میں شورش شروع ہوئی اور آپ نے اپنے عصاء

کھیت کے پودوں کو مارنا اور گرانا شروع کر دیا۔ درویشوں نے آپ کو ایسا کرنے سے منع کیا لیکن حضرت مولانا خورد باز نہ آئے حضرت مولانا خواجگیؒ اس اثناء میں مراقب ہوئے اور ایک لحظہ بعد سر اُٹھایا اور فرمایا ہمارے دیوانہ نے ان کو دیکھ لیا ہے۔ جب معتقدین نے آپ سے اس کا راز دریافت کرنا چاہا تو مولانا خواجگیؒ نے فرمایا آج سلطان عبداللہ خان جو نیک بادشاہ اور اہلِ سنت والجماعت کا حامی ہے خراسان میں قزلباش کے سپاہیوں سے نبرد آزما ہے اور اس جنگ میں درویشوں کی امداد و اعانت کا طلب گار ہے۔ ہمارے دیوانہ کو اس کی یہ امداد و اعانت طلب کرنا معلوم ہو گیا ہے اور وہ دشمن کے سپاہیوں سے لڑائی میں مصروف ہے اور اس طرح یہ دیوانہ سلطان عبداللہ خان کی امداد و اعانت کر رہا ہے۔ چند دن بعد حضرت مولانا خواجگیؒ کی بتائی ہوئی خبر صحیح ثابت ہوئی اور پتہ چلا کہ اس روز جنگ تھی۔

بلخ کا حکمران پیر محمد خان حضرت مولانا خواجگیؒ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا اس نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ اپنے ایک صاحبِ عظمت خلیفہ کو شہر بلخ میں متعین فرما دیں تا کہ اس شہر کے طالبین طریقت اس کی صحبت سے فیض یاب ہوں۔

حضرت مولانا خواجگیؒ نے اس عظیم کام کے لیے مولانا خورد کو پسند فرمایا اور انہیں بلخ بھیج دیا۔ مولانا خورد جب اس شہر میں پہنچے تو تھوڑے ہی دنوں میں ایک کثیر مخلوق آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور تعلیم طریقت سے فیض یاب ہوئی کہتے ہیں کہ جب خاص و عام کا ہجوم آپ کی خلوت و تنہائی میں مزاحم ہوا تو ایک دن آپ نے تنگ دل ہو کر ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے:

سودائے جاناں داشتم از خلق پنہاں داشتم

اما دریغا فاش شد بر ہر طرف افسانہ ام

(مجھے محبوب کی جدائی کی دیوانگی ہے۔ میں یہ دیوانگی مخلوق سے پوشیدہ رکھتا تھا مگر

افسوس اب اس راز کا پردہ فاش ہو گیا اور میں ہر طرف ایک افسانہ بن گیا ہوں)

آپ ۹۹۰ھ میں بلخ میں اس عالمِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ بھی اسی شہر بلخ میں ہے۔ آپ نے بھی دنیا میں بڑے صاحب مرتبہ خلفاء چھوڑے جن میں بعض کا ذکر اس کتاب میں انشاء اللہ آگے آئے گا۔

اس عاجز نے ایک درویش کو دیکھا جو آپ کے خلفاء میں سے تھے اور جن کی عمر نوّے سال سے متجاوز تھی۔ کامل جذبہ وحالت کے مالک تھے میں نے ان سے اس نعمت کے حصول کی ابتداء کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک شب میں حضرت مولانا کے پاؤں دابتا تھا کہ اسی شب اس نعمت سے فیض یاب ہوا۔ میں نے حضرت مولانا کا ایک رسالہ دیکھا جس میں تحریر تھا کہ جو طریقے اللہ پاک کی طرف پہنچانے والے ہیں ان میں ایک طریقہ توجہ کا ہے اور بغیر جذبہ توجہ ممکن نہیں ہے۔ دوسرا طریقہ صحبت کا ہے جو نزدیک ترین راہ ہے مگر اس کے لیے جس کا سلوک بطریقِ جذبہ ہو۔

اسی رسالہ میں آپ نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ ذکر کا نتیجہ وجود بشریت کی فنا ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ جن چیزوں نے تیرے دل میں گھر رکھا ہے اور تجھے ان سے محبت ولگاؤ ہے۔ مثلاً بیوی بچے اور ایسی ہی دوسری چیزیں ان کی محبت تیرے دل میں ٹھنڈی ہو جائے، سرد پڑ جائے۔

مولانا میر محمد کاشغری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا خواجگیؒ کے عظیم خلفاء میں سے تھے آپ نے جب مولانا خواجگی سے وطن واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت مولانا نے فرمایا یہ ہم سے دور رہنے کا وقت نہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ کوئی ایسی مجبوری ہوئی کہ مولانا میر محمد کو مجبوراً کاشغر جانا پڑا وہاں بہت لوگ آپ کے مرید ہو گئے جب حضرت مخدوم اعظمؒ نے سنا تو فرمایا ان کے لیے یہ اچھا

تھا مگر اب کیا ہو۔ کچھ مدت بعد مولانا میر محمدؒ کا وصال ہوگیا۔ انتقال سے پیشتر آپ نے ایک درویش سے کہا: حضرت مخدوم برہم ہیں اور فرماتے ہیں ہمارے پاس آ جاوہ درویش یہ سن کر حیران ہوا جب مولانا کی وفات ہوگئی اس درویش نے حضرت مخدوم کی خدمت اختیار کی۔ اچانک اس کے دل میں خیال گزرا کہ مولانا کی قبر کو کھولا جائے۔ جب کھولا تو دیکھا مولانا کی میّت درست اور سلامت تھی۔ وہ اسے ایک کھال میں لپیٹ کر لے آیا۔ اس درویش کا کہنا ہے کہ جب بھی کسی منزل پر مولانا کی میت کو رکھتا تو دیکھتا کہ آپ کا چہرہ قبلہ کی جانب ہے اور آپ مراقبہ کی حالت میں بیٹھے ہیں جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا تو ہمارے دوست میر محمد کو ہمارے پاس لے آیا۔ بڑا اچھا کیا اور جس جگہ بعد میں حضرت مخدوم دفن ہوئے آپ نے مولانا کے متعلق حکم دیا کہ اسی جگہ دفن کیا جائے۔

مولانا بابا میر رحمۃ اللہ:

جامع مقامات حضرت مولانا خواجگیؒ آپ کو خلف الخلفاء کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم سے میرے بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن کچھ طالبانِ علم کے ساتھ میں آپ کے باغ میں تھا کہ میں نے حضرت مولانا خواجگیؒ کو دیکھا کہ آپ حالتِ مراقبہ میں بیٹھے ہیں۔ میں آ کر کچھ دیر تک آپ کے پاس بیٹھا رہا۔ مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ میں نے بے اختیار بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔ بیعت کے بعد مجھ سے آپ کے بغیر نہ رہا جاتا تھا اور میں آپ سے کچھ حاصل کرنے میں مصروف رہا۔ کئی سال تک اپنی پشت پر لکڑیاں اُٹھا کر لاتا رہا اور حضرت کے آستانہ پر جما رہا۔ ہمیشہ گریہ وزاری کیا کرتا۔ میری وجہ سے میرے عزیز آنحضرت سے بے ادبی کرتے خصوصاً میرا ماموں جو جلد ہی قتل کر دیا گیا۔

خواجہ بابائے تاشقندی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا وہ بیدیؒ کے خلفاء میں سے تے۔تربتِ امام ابوبکر قفال کے ہمسایوں اور شیخ خواند ظہور رحمہم اللہ سجانہٗ کی اولاد سے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتداء خواجہ بابا حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچے۔چوں کہ اچھی استعداد کے مالک تھے پھر اہلِ ارشاد کی عنایات کی برکتیں کافی کچھ حاصل کیا لیکن ایک مجلس میں حضرت مولانا کے حضوور کچھ بے ادبی کے مرتکب ہوگئے۔جس سے ان کی طبیعت میں گرانی پیدا ہوگئی۔اس کے سبب خواجہ بابا کی حصولِ طریقت کی راہ میں خلل پڑ گیا۔حضرت خواجہ نے فرمایا:

''خواجہ بابا شہباز تیز پر بود یکن بنا بر فقدان اوبے پر بائش بریدم''

(خواجہ بابا ایک بلند پرواز شاہین تھا لیکن ادب نہ ہونے کے باعث ہم نے اس کے پَر کاٹ دیے)

خواجہ بابا نے اس تقصیر کی تلافی کے لیے بہت کوشش کی اور مرشد کے آئینہ دل سے وہ غبار کچھ دور بھی ہوگیا لیکن مرشد کی پہلی جیسی عنایت انہیں پھر کبھی حاصل نہ ہوسکی۔اس راہِ طریقت کے ایک دیوانہ کا کہنا ہے کہ یہ معاملہ روٹی اور تازہ کھانے کی طرح ہے۔یہ تازہ کھانا جب ٹھنڈا ہوگیا تو دوبارہ اسے کتنا ہی گرم کرو اس میں پہلی سی لذت کبھی نہ پیدا ہوسکے گی۔

تاہم خواجہ بابا بڑے صاحبِ حالات و جذبات تھے ان سے منقول ہے فرماتے ہیں جن دنوں میں تاشقند میں تھا اور ہمارے حضرت مخدوم سمرقند میں تھے مجھ پر توحید کا غلبہ ہوا اور ایک دن اس حد تک زیادہ ہوا کہ انا الحق کا نعرہ مجھ سے بلند ہوا۔اسی وقت ایک سبز پوش بزرگ ظاہر ہوئے اور مجھے پکڑا اور جھنجھوڑا اور چلے گئے اس کے بعد میری طبیعت کو سکون حاصل ہوگیا اور وہ کیفیت جاتی رہی۔جب میں نے ان بزرگ کے متعلق سوچنا شروع کیا تو

میرے ذہن نے کہا کہ وہ تو حضرت مخدوم ہی تھے جو اس صورت اور اس لباس میں ظاہر ہوئے تھے۔ مجھے اس حالت سے دوسری حالت میں لے آئے تھے۔

حضرت شیخ قاسم قالینی رحمۃ اللہ علیہ کے منظورِ نظر ایک صاحبِ دل درویش نے اس عاجز سے فرمایا کہ میں جب دیارِ ہند کی طرف متوجہ ہوا تو اس سفر کے باعث میرے شیخ مجھ سے ناراض ہوگئے۔ ابھی میں راستہ میں تھا کہ وہ ایک دن خواب میں مجھے دکھائی دیے۔ خواب میں انتہائی غصہ کی حالت میں انہوں نے میرے پاؤں پر عصا مارا۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا پاؤں پر ورم تھا اور وہ سخت درد کر رہا تھا۔ اس ورم اور درد میں روزانہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ میں صاحب فراش ہوگیا۔ خواجہ بابا کی دید کا شرف مجھے بچپن میں حاصل ہوا تھا وہ مجھ پر شفقت رکھتے تھے۔ حالتِ کشف میں دیکھا وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے صاحبزادے! تو ہمارا ممنون ہے کہ ہم نے تیرے شیخ سے تیری تقصیر کی معافی چاہی اور تیرے پاؤں کا درد دور کیا۔ تاکہ آئندہ جانے کا جو تیرا عزم ہے تو اسے پورا کرے۔ میں یہ سن کر رونے لگا اس رات کی صبح میں جب اُٹھا تو میرے پاؤں کا ورم اور درد ٹھیک ہو چکا تھا۔ خواجہ بابا کا مزار حضرت شیخ ابوبکر قفال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے قریب ہی ہے۔ رحمۃ اللہ

خواجہ عبدالرحیم اخسکی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا خواجگی کاسائیؒ کے انتہائی مخلص احباب میں سے تھے۔ مزاج میں انتہائی انکساری تھی۔ اپنا حال دوسروں سے ہمیشہ چھپایا کرتے۔ مولانا خواجگی سے آپ نے بہت کچھ حاصل کیا ان کے بعد مولانا لطف اللہ سے بہرہ مند ہوئے۔ مسند مشیخت کے جلوس سے اجتناب فرمایا کرتے اور خاموشی کو بڑا پسند کرتے تھے ایسا اکثر ہوتا کہ مجلس میں اکابر گفتگو کرتے اور خواجہ عبدالرحیم سے بھی بات کرنے کی درخواست کرتے لیکن حضرت

خواجہ فرمایا کرتے:

''چوں مارا نوبت وادہ شد ما در نوبت خود خاموش مید باشیم''

(جب یہ نوبت ہم تک پہنچی تو ہم اپنی باری پر خاموش رہیں گے)

حضرت مولانا خواجگیؒ کا یہ پسندیدہ طریقہ تھا کہ اپنی خانقاہ والوں سے فرمایا کرتے کہ بجائے تنہا تنہا رہنے کے لوگ دو دو کی جوڑی بن کر رہیں اور باہم محبت بڑھائیں چناں چہ اسی پر عمل کرتے ہوئے خواجہ عبدالرحیم اور مولانا دوست باہم محبت و الفت کے رشتہ میں جڑے ہوئے تھے اور یہی خصوصیت تھی جس کی بناء پر مولانا دوست نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بعض مریدوں کو وصیّت کی تھی کہ ان کے بعد وہ خواجہ عبدالرحیم کی صحبت اختیار کریں۔

چناں چہ ان میں سے بعض مثلاً درویش سبز اور قاسم شیخ قالینی وغیرہ ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کی صحبت اختیار کی اور بہرہ مند ہوئے آپ کی وفات ۹۸۵ھ میں ہوئی آپ کے ہونہار فرزند خواجہ عبدالحکیم قاسم شیخ قالینیؒ کے مرید اور منظورِ نظر تھے۔ بزرگوں کی نسبت سے انہوں نے بڑا حصہ پایا تھا ایک دن انہوں نے اس عاجز سے فرمایا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنے والد بزرگوار کی روحانیت سے پوچھوں کہ آپ کس راہ پر تھے تا کہ میں بھی وہی راہ اختیار کروں اسی فکر میں متوجہ ہوا اور مجھ پر حالتِ کشف طاری ہوئی دیکھتا ہوں کہ والد بزرگوار تشریف لائے ہوئے ہیں اور میں آپ سے وہی بات پوچھ رہا ہوں اور آپ فرما رہے ہیں اے صاحبزادے! ہمارے پاس لوہے کے ٹکڑے تھے ہم نے انہیں آئینہ بنایا اور اب اس میں دیکھ رہے ہیں ہم جیسے ہیں۔ رحمہٗ اللہ سبحانہٗ

خواجہ محمد علی اِخسکتی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ شیخ خواوند ظہور کی اولاد سے ہیں اور حضرت مولانا خواجگیؒ کے منظورِ نظر مرید

ِت مخدوم کے ساتھ اپنی وابستگی کا واقعہ سناتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ یہ وابستگی اس طرح قائم ہوئی کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کاسان کے پل کے سرے پر بیٹھے ہیں میں نے آپ کے پاس آ کر آپ کو سلام کیا آپ نے محبت و شفقت سے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے ایک جانب لے جا کر فرمایا تم آئے خوش آمدید۔ میں نے اپنے اندر آپ کی عنایات کی ایک مٹھاس محسوس کرنے لگا۔ مجھے اب انتظار ہوا کہ دن نکلے تو اس جگہ جاؤں اور اپنا چہرہ اِس مقدس جسم سے ملوں۔ مجھے توفیق ہوئی اور میں اِدھر جانے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ اس جگہ اسی ہیئت اور اسی طریقہ سے حضرت مخدوم بیٹھے ہیں میں نے سلام کیا جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا آپ نے سلام کے جواب کے بعد وہی کچھ کیا اس کے بعد آپ مجھے گھر لے گئے اور میں آپ سے بیعت ہوا۔ مختصر یہ کہ آپ حضرت مخدوم کی عنایت کی برکات سے بہرہ مند ہوئے اور آپ کے خلیفہ بنے۔ وطن واپس آئے اور تعلیمِ طریقت میں منہمک ہو گئے اور وہیں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ نزع کے وقت مولانا دوست صحاف اور مولانا بابا میر آپ کے سرہانے موجود تھے آپ نے ان سے فرمایا میری طرف سے یہ دو شعر حضرت مخدوم کے حضور عرض کرنا:

دلِ می رود ز دستم صاحب دلاں خدارا

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

کشتی شکستگا نیم اے باد شرط بر خیز

باشد کہ بازبینم آں یار آشنارا

(اے دل والو! خدارا میرا دل ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے۔ ایک درد ہے جس سے پنہاں راز آشکارا ہو جاتا ہے۔ میری کشتی ٹوٹ پھوٹ رہی ہے۔ اے موافق تیز ہوا چل تا کہ میں اس دوست آشنا کو پھر دیکھ لوں)

آپ نے یہ شعر پڑھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ جب یہ دو حضرات مولانا دوست صحاف اور مولانا بابا میر حضرت مولانا معظم کی خدمت میں پہنچے اور یہ دو شعر پیش کیے مجلس میں ایک آہ وبکا پھوٹ پڑی اور لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

خواجہ حسن نثاری رحمۃ اللہ علیہ:

خواجہ محمد علی ظہور نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ شیخ خواوند ظہور کی اولاد میں سے تھے اور حضرت خوجہ احرار قدِّس سرُّ ھُما کے خاندان میں آپ کی رشتہ داریاں تھیں۔ بزرگوں کے مسلک کے سالک اور ممالک اسرار کے مالک کے الفاظ سے آپ نے ان کی تعریف کی ہے اور چند عظیم اولیاء اللہ میں ان کا شمار کیا ہے۔ یہ شعر بھی آپ ہی کا بتایا ہے:

ماہیا نیم کہ از قعر بحار ملکوت

دم زناں سلسلہ جنیاں بکنا رآمدہ ایم

ہم ملکوت کے دریاؤں کی گہرائیوں میں سانس لینے والی مچھلیاں تھے، جو گردش کرتے کرتے کنارے پر آ لگیں

آپ کی عبارت کے سیاق وسباق سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد وہی شخصیت ہے جن کے وہ حالات بیان کرر ہے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ:

خواجہ حسن نثاریؒ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ درویش قوی حال بلکہ شیخ صاحب کمال تھے۔ آپ نے مخدوم مولانا خواجگی سے کسبِ معرفت کی تھی اور آپ کے بعد مخلوقِ خدا کو خدا طلبی کی ترغیب دیتے تھے یہ شعر آپ ہی کا ہے:

اے کہ زابِ حیات پاک تری
ہردم از ماروان چہ میگذری

(اے ہر وہ شخص جس کی زندگی پاکیزہ طور پر ہو کیسا خوش نصیب ہے۔ ہمارا ہر سانس گزرتا ہے کیسا گزرتا ہے)

نیز خواجہ حسن نے درویش ہاشمی سمرقندی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ مخدوم خواجگیؒ کے مخلصوں میں سے تھے۔ حضرت مخدوم کی مبارک محفل میں ایک دن آپ نے اپنا یہ شعر پڑھا:

خلقے زباں بہ دعویٰ عشقت کشودہ اند
اے من غلام آنکہ دلش با زباں ملکیست

(ایک کثیر مخلوق نے تیرے عشق کے دعویٰ کے لیے زبان کھولی ہے۔ میں تو اس کا غلام ہوں جس کا دل بھی زبان کا ساتھ ہے)

آپ کے ساتھ حضرت مخدوم بے حد خوش تھے اور آپ پر کرم کی بڑی نظریں رکھتے تھے۔

مولانا میر فاضل علی کندبادامی رحمۃ اللہ علیہ:

کندبادام بلاد فرغانہ کا ایک قصبہ ہے۔ مولانا میر فاضل بھی حضرت مولانا خواجگیؒ کے صاحب احوال مریدوں میں سے تھے۔ آپ کے بعد مولانا لطف اللہ سے بھی تربیت حاصل کی تھی۔ کئی سال تک فرغانہ کی حدود میں مسند ارشاد پر متمکن رہے۔ مولانا علیم علامہ تاشقندی جو حافظ کوہکی کے نام سے مشہور ہیں اور جو مولانا عصام الدین کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور جن کی کئی خوبصورت تصانیف ہیں وہ آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ میر فاضل کو معلوم ہوا کہ حافظ کوہکی کو خواتین کی صحبت بڑی پسند ہے۔

اس پر میر فاضل نے حافظ کوہکی کو لکھا:

كَثْرَةُ مُبَاشَرَةِ النِّسَآءِ تَمْنَعُ مِنَ الْإِيْمَانِ۔

(عورتوں سے میل جول کی زیادتی ایمان سے روکتی ہے)

میر خطائی جو بڑی ریاضتوں والے بزرگ اور بڑے عجیب حالات کے درویش تھے اور جو مظاہر جمیلہ کے اسرار کے آشنا تھے وہ بھی میر فاضل علی کے مرید تھے۔ رحمہم اللہ سبحانہ

میر محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا خواجگیؒ کے مخلص اور منظورِ نظر تھے جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا تو مولانا خواجگی نے اپنے مریدوں سے کہا ستر ہزار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھیں۔ بارہ ہزار کی تعداد میر محمد صالح کے لیے مقرر ہوئی۔ آپ نے نمازِ ظہر سے نمازِ عصر تک ان بارہ ہزار کو ایک حبس نفس میں پڑھ لیا۔ اور دوستوں سے کہا کہ حضرت مخدوم کو بتا دیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کوئی تعجب نہیں کہ جب سِرّ آدمی اسرار الٰہی سے پیوست ہو جاے تو پھر زمانہ اور وقت کا معاملہ نہ مشکل رہتا ہے نہ محال۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ اتنی مدت میں کہ پاؤں ایک رکاب سے دوسری رکاب میں لے جاتے پورا قرآن ختم کرلیا کرتے تھے:

عشق راطی لسان است کہ صد سالہ سخن
دوست باد پست بہ یک چشم زدن میگوید

(عشق کو زبان کی منزلیں طے کرنے میں یہ کمال حاصل ہے کہ سو سالہ بات ایک دوست دوسرے سے پلک جھپکتے کہہ دیتا ہے)

خواجہ شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ:

آپ حضرت خواجۂ بزرگ رضی اللہ عنہ کی اولا دامجاد سے ہیں اور اپنے دادا بزرگوار کے مزار مبارک کے مجاور۔ آباؤ اجداد کے جذبہ سے آپ کو حصہ ملا ہے پھر حضرت مولانا خواجگیؒ کی نظر وصحبت سے کامل حصہ ملا۔ حضرت خواجہ مولانا خواجگی نے بخارا جانے سے پیشتر فرمایا کہ میں حالتِ کشف میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے مزار پُرانوار پر گیا۔ مزار مبارک کے اردگرد خس و خاشاک کوڑا کرکٹ ہے۔ میں نے چاہا کہ جھاڑو دے کر صاف کردوں۔ اتنے میں ایک نوجوان ایسی ایسی داڑھی والا آگے آیا اور اس نے کہا میں حضرت کی اولاد میں سے ہوں۔ جھاڑو مجھے دے دیں اور اس نے میرے ہاتھ سے جھاڑو لے لی اور دینی شروع کردی۔ لوگوں میں خیال آرائیاں ہوئیں کہ وہ نوجوان بھلا کون ہوسکتا ہے۔ مخلصین نے عرض کیا کہ وہ نوجوان حضرت خواجہ شاہ ہیں کہ حضرت ہمیشہ ان کے پاس جانے کے متمنی رہتے ہیں۔ جب حضرت مولانا خواجگیؒ بخارا تشریف لائے تو خواجہ شاہ کے یہاں اُترے اور آپ نے شناخت کرلیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں جو انہیں خواب میں دکھائے گئے تھے۔ خواجہ شاہ بھی آپ کے ساتھ انتہائی نیازمندی اور انکساری کے ساتھ پیش آئے اور آپ کی خدمات کو بجالائے۔ جس دن حضرت مولانا خواجگیؒ بخارا اور نواحی علاقوں میں مزارات کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے خواجہ شاہ پیدل آپ کے ہم رکاب تھے۔ دل پریشان اور روتے جاتے تھے۔ اسی حالت میں حضرت خواجہ جہاں کے مزار مبارک پر تشریف لائے اور طریقت کی تعلیم کی درخواست کی۔ حضرت مولانا خواجگی نے فرمایا:

تنور گرم ست خام سوز مشوید

(تنور گرم ہے۔ اوپر سے پکے اور اندر سے کچے نہ ہوں)

اور حضرت خواجہ احمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کے بعد خواجہ شاہ کو بیعت کیا اور طریقہ کی تعلیم دی۔ اس بیعت کے بعد خواجہ شاہ کی دلی پریشانی جذبہ اور وہ حالت درود و محبت درست ہوئی۔ اور دل حاضر کے مشاہدہ سے آپ پر شاہ پیدل آپ کے ہم رکاب تھے۔ وہاں ایک گدھا موجود تھا مولانا خواجگی نے خواجہ شاہ سے فرمایا اس پر سوار ہو جائیں آپ نے اطاعت کی اور اس پر سوار ہو گئے، جب حضرت خواجہ اسحٰق کلابادی کے مزار پر پہنچے آپ نے فرمایا:

امروز باشما آں معاملہ کردیم کہ حضرت خواجۂ بزرگ
بہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہما۔ کردہ بودند امروز
چندیں ہزار حجت طے گردید

(آج ہم نے تمہارے ساتھ وہی کچھ کیا جو حضرت خواجہ بزرگ بہاؤ الدین نقشبند بخاری نے حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہما اللہ کے ساتھ کیا تھا۔ آج تم نے کئی ہزار حجاب طے کر لیے ہیں)

حضرت خواجہ شاہ اس پر شکر بجالاے ء اور اس کے بعد فرمایا۔ اس وقت کیا عجیب حالت اور کیا بے خودی تھی جو مجھ پر طاری ہوئی۔

مولانا سعید سکوبی رحمۃ اللہ علیہ:

صاحب دوائر نے آپ کو بھی حضرت مولانا خواجگی کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ آپ ظاہری علوم میں مولانا عصام الدین کے شاگرد تھے۔ اور ممتاز محقق علماء میں آپ کا شمارہ تھا۔ بڑے طویل عرصہ تک مولانا کے ساتھ رہے ان کی خدمت کی اور نسبت حاصل کی۔

مولانا خواجگیؒ کے مقامات کے بیان کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا سعید سکوبی میر ابوالصفا اور چند دوسرے علماء مولانا کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتفاقاً اس روز قبض

کی درمیانی حالت محسوس ہوئی مولانا اٹھے اور ایثار کیا۔ اہلِ مجلس نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحبت گرم ہوئی اور حضرت مخدوم انتہائی خوشی کے عالم میں تھے اور حاضرین وجد کے عالم میں اور رو رہے تھے۔ ان دو عالموں نے بھی ایثار کیا۔ باہم معانقہ کیا اور روئے اور کہا افسوس عمر قیل وقال میں گزر گئی اور ہم اصل مقصود سے دور رہے:

بے غمِ عشق تو صد حیف زعمر یکہ یگذشت   پیش ازیں کاش گرفتارِ غمت می بودم

(صد افسوس کہ تیرے عشق کے غم کے بغیر ایک عمر بیت گئی۔ اے کاش ہم اس سے پہلے تیرے غم میں گرفتار ہو گئے ہوتے)

یہ سن کر حضرت مخدوم نے اپنے کپڑے ان عزیزوں کو دے دیئے۔

میر ابوالصفاء ان میر ابوالبقاء کے بھائی ہیں جو مشہور عالم اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ میر ابوالبقاء حضرت شیخ نورالدین محمد خوانی کے مرید تھے اور میر ابوالصفا حضرت مولانا خواجگی کے۔

حضرت مولانا سعید سکوبی نے (۸۰) اسی سال کی عمر میں حجِ بیت اللہ کا ارادہ کیا اور اسی مقصد کے لیے عمان کا راستہ اختیار فرمایا۔ ان ایام میں چوں کہ راستہ محفوظ نہ تھا۔ پُر خطر تھا اس لیے آپ وطن واپس ہو گئے۔ ہندوستان اور کابل میں سلاطین وخوانین وعلماء نے آپ کے قدم میمنت لزوم کو غنیمت جانا اور انتہائی توقیر واحترام کے ساتھ پیش آئے۔ شہزادہ حکیم مرزا چوں کہ درویشوں کے ساتھ چوں کہ بڑی محبت رکھتا تھا اس نے چند دن آپ کو کابل میں روک لیا۔ اسی شہر کابل میں ۹۱۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور اس علاقہ کے مشہور بزرگ خواجہ عبدالصمد کابلی رحمۃ اللہ علیہ کے صفۂ قبر میں مدفون ہوئے۔ قاضی نظام بدخشانی آپ کے قابل شاگردوں میں سے تھے اور کابل میں بڑی عزت کے مالک تھے اور بڑی شان کے بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ جب مولانا سعید سکوبی سفرِ حج سے واپس لوٹے تو انہوں

نے انہیں اپنے یہاں مدعو کیا اور ہر طرح کے نونو تھے اور ہدایا ان کی نذر کیے۔ آٹھ خادم لائے اور خود ان کے درمیان کھڑے ہوگئے اور فرمایا اس خادم کو بھی حضرت مولانا کے غلام ہونے کی عزت حاصل ہے۔

حافظ حسین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مخدوم کے نامی گرامی مریدوں میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم مسجد مفاک میں حالت اعتکاف میں تھے۔ اچانک آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا سرِ مبارک مسجد کی چھت تک پہنچ گیا ہے اور ساری مسجد آپ سے پُر ہوگئی۔ میں نے یہی سمجھا کا اس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں ہے۔ آپ کے معتقد ایک اور درویش بھی تھے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ حافظ حسین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت مخدوم کے خاص حجرہ میں آیا۔ میں نے آپ کی دونوں ابرو کے درمیان ایک سیاہ خط دیکھا۔ دوسرے دن میں نے چاہا کہ پوچھوں چناں چہ جب میں آیا تو آپ نے پوچھا کیا چاہتے ہو کہو میں نے کہا آپ کو تو معلوم ہے فرمایا اسے خطِ نسبتی کہتے ہیں۔

حافظ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حافظ حسین مذکور کے شاگرد تھے اپنے استاد سے آپ نے حضرت مولانا خواجگی کی بڑی تعریفیں سنی تھیں۔ توفیق الٰہی سے ہدایت نصیب ہوئی اور مخلصین میں سے ہوگئے۔ ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے اور حضرت کی عنایات آپ کو حاصل رہیں۔ آپ نے ان کی بعض کرامات نیز بعض ارشادات و حالات کو قلمبند کیا ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدومؒ نے فرمایا اس دنیا سے وہ چیز لے جاؤ جو وہاں نہیں ہے مگر وہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے اور وہ چیز درد و سوز ہے۔ آپ حضرت مولانا رومی کے یہ

ار بہت پڑھا کرتے:

علم نیست آں جائے کہ اسرار ہست
طاعت روحانیاں بسیار ہست
سوزِ جان و دردِ دل می بسر بسے
زانکہ ایں آنجا نشاں ندہد کسے

(جہاں اسرار و علوم باطن ہیں وہاں قیل وقال نہیں۔ ویسے زاہد و طاعت گزار بہت ہیں۔ وہاں کے لیے روح کا سوز اور دل کا درد ساتھ لے کے کہ یہ وہاں کم ہے)

پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مجذوب تھے اور قوی حال کے مالک۔ اچانک آپ پر حضرت مولانا خواجگی کی محبت کا غلبہ ہوا۔ ایک رات ایک درویش تشریف لائے اور آپ ساری رات عاشقانہ اشعار پڑھتے رہے اور نالہ وفریاد کرتے جاتے یہاں تک صبح ہوگئی۔ جب حضرت مولانا خواجگی کی خدمت میں پہنچے تو مولانا نے یہ مصرع پڑھا:

مقصد بالائے بام است نردبان می باید

(مقصود بالا خانہ پر ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے)

اور فرمایا

سر خود بریدہ زیر پائے باید نہاد

(اپنا سر کاٹ کر کے ان کے قدموں تلے رکھ دے)

اس پر اس مجذوب درویش نے برجستہ کہا:

چہ یک سر اگر ہزار سر باشد بریدہ بہ زیر پا کنم

(ایک سر کیا اگر ہزار سر ہوں تو وہ بھی کاٹ کر قدموں تلے رکھ دوں) اور یہ بات

انہوں نے کچھ ایسے سوز وگداز سے کہی کہ حضرت مولانا خواجگی پر کیفیت طاری ہوگئی اور پیر رومی کو محبت سے گلے لگالیا۔ یہ پیر رومی حضرت مخدوم کے انتقال کے بعد تشریف لائے اور یہ شعر پڑھا:

دل بالغمزہ بردی رُخِ خود نمی نمائی
زکجات جویم اسے جاں زکہ پر سمت کجائی

(اے محبوب آنکھ کے اشارے سے تو نے دل تو لے لیا مگر اپنا چہرہ نہیں دکھاتا۔ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں۔ وہ کون سی سمت ہے جہاں تو مجھے مل جائے)

شیخ دلابادی موذن رحمۃ اللہ علیہ:

آپ اس سلسلہ کے اصفیاء میں سے تھے۔ آثار فنا آپ کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ درویشوں کے خادم اور تمام مخلوق کے بہی خواہ تھے۔ حضرت مولانا خواجگی آپ کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں جب حصول طریقت کی خواہش مرے دل میں پیدا ہوئی تو میں بے سروسامانی ہر جانب گھومتا پھرتا اور مرشد تلاش کرتا تھا یہاں تک کہ ایک رات حضرت خواجہ بزرگ بہاؤالحق والدین رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے پہلو میں ایک اور درویش تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا انہیں تلاش کرو۔ میں جب خواب سے بیدار ہوا تو دل میں حضرت مولانا خواجگیؒ کی طرف کشش محسوس کی۔ جب ان کی خدمت میں پہنچا تو ان کو وہی شکل وصورت والا پایا جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔

میر علیکہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بخارا میں رہائش پذیر تھے اور پرچون فروشی کرتے تھے اور اس لباس میں خود کو چھپایا ہوا تھا۔ بڑے پاکیزہ قلب کے مالک تھے اور بڑی عزت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا

خواجگی کے ساتھ کامل درجہ کا اخلاص رکھتے تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا:

ماہمہ ریزہ چین خوانِ نوال اُویم

(ہم تو بس مولانا خواجگی کے عطا و بخشش کے دستر خوان کے ریزے چننے والے ہیں)

ایک درویش حضرت مولانا خواجگی کے ساتھ بخارا سے سمرقند کی طرف سفر پر تھے کہ میر علیکہ نے ان سے فرمایا کہ اے برادر! کیسی خوش نصیبی ہے کہ مولانا خواجگی تجھے اپنا رفیق سفر بنائیں گے انشاء اللہ تجھے استقامت نصیب ہوگی اور حضرت مخدوم کی بہت تعریف کی۔ ان درویش کا بیان ہے کہ میں جب حضرت مخدوم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے ہماری بہت تعریف کی ہے اور میر علیکہ نے میرے بارے میں بھی جو کچھ کہا تھا آپ نے وہ سب بتا دیا۔

مجذوب رومی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت شیخ ابراہیم مصری کے مرید تھے مگر حضرت مولانا خواجگی سے کامل عقیدت رکھتے تھے اور انہیں پیرِ مغان کہا کرتے تھے۔ تقریباً ایک سال آپ کی خدمت میں رہے۔ ہمیشہ مست اور محبت سے مغلوب رہتے۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہتے۔ مولانا خواجگی کو مولام (یا میرے آقا) کہہ کر پکارتے۔ مولانا کے مریدوں کا بھی بڑا ادب کرتے اور ان کے ساتھ اخلاص سے پیش آتے اور فرمایا کرتے:

''چوں من اگر از پیر خود جدا مانید آں زمان قدر پیر شناسید''

(میری طرح اگر تم اپنے پیر سے دور ہو تب اپنے مرشد کی قدر پہچانو گے)

ایک مدّت بعد حضرت مولانا سے اجازت چاہی اور روم تشریف لے گئے۔

مجذوبہ عارفہ:

سنگراک کے قریب یہ عارفہ رہائش پذیر تھیں اور غائبانہ حضرت مولٰینا خواجگیؒ سے اخلاص رکھتی تھیں۔ باطنی حالات بلند تھے چناں چہ سلسلہ شریفہ ہمدانیہ کے ایک بزرگ سلیمان بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن سنگراک کے قریب تھے بادل کڑک رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی ہم ایسے موسم کے باعث مع ساتھیوں کے ان مجذوبہ عارفہ کے خیمہ کی طرف آئے۔ یہ مجذوبہ اپنے بہت سے عقیدتمندوں اور خادموں کے ساتھ باہر تشریف لائیں۔ آپ کی شخصیت کا عجیب رعب تھا اور ایک عجیب کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ مجذوبہ نے ہم سے پوچھا کہ تم حضرت مولانا خواجگی کو جانتے ہو؟ ہم نے کہاں ہاں۔ انہوں نے فرمایا میں سترہ سال سے ان سے بیعت ہوں۔ آپ ہم پر بڑی عنایت فرماتے ہیں۔ ہر روز و شب دو مرتبہ ظاہر ہوتے ہیں اور مشکلات مراحل دور فرماتے ہیں اور اب جبکہ ان کے انتقال کو سات سال گزر چکے ہیں ان کا ہمارے ساتھ اسی طرح معاملہ ہے کہ اسی شکل وصورت اور اسی سیرت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ درویش سلیمان فرماتے ہیں کہ مجذوبہ عارفہ کی باتیں سن کر مولانا خواجگی کے ساتھ ہماری حقیقت صحیح ہوگئی۔

دس بزرگ:

(۱) مولانا حمید الدین تاشقندی (۲) مولانا بابا حجرہ (۳) میر قرار شاہزحیہ (۴) میر فرخ (۵) مولانا یادگار (۶) شیخ ذوالنون (۷) مولانا یوسف علی آہنگرانی (۸) مولانا قاسم کاتب (۹) شیخ قربان اشتربان اور (۱۰) خواجہ محمد شریف اندجانی رحمہم اللہ۔ یہ دس بزرگ بھی حضرت مولانا خواجگیؒ کاسانی کے یاران صاحب وقت وحضور میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگ اور ایک کثیر جماعت حضرت مولانا کی صحبت سے ذوق وحال کو

تھی اور انہوں نے مرتبۂ کمال حاصل کیا تھا۔ راقم الحروف کو چوں کہ ان کے حالات کی تفصیل نہیں مل سکی ہے اس لیے محض ان کے نام کا ذکر دینے پر اکتفا کیا:

بسا ماہیانِ کارندریں بحر ژرف
نمانندِ زیشاں نہ نامے نہ حرف

(اس گہرے سمندر میں کتنی ہی مچھلیاں ہیں جو ایسی ختم ہوئیں کہ نہ ان کا نام باقی رہا نہ نشان)

حضرت مولانا خواجگی کی کرامات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ شیخ مصلح الدین خجندی قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر نو دن تک رہے اور خوب برکتیں سمیٹیں۔ حضرت شیخ مصلح الدین اپنے وقت کے قطب تھے مولانا فرماتے ہیں مجھ پر جب ہی جذب وتصرف کی کیفیت غالب ہوتی حضرت شیخ بے حد توجہ اور عنایت فرماتے۔ اس کے بعد مولانا اُٹھے اور چھ درویشوں کو اپنی طرف کھینچا اور آغوش میں لے لیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یہ تمام چھ حضرات آگے چل کر بڑے مرتبہ کے بزرگ ہوئے اور بڑے کمال کو پہنچے۔

جامع مقامات نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت مولانا خواجگی کی مجلس میں ایک طالب علم بھی آیا کرتا تھا۔ مجلس میں وقتِ سماع جو چیخیں بلند ہوتیں اور شور اُٹھتا یہ طالبِ علم اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر اس کی نقلیں اُتارا کرتا اور اس کا مذاق اُڑایا کرتا۔ اپنی عادت کے مطابق ایک دن وہ اسی غرض سے اس مجلس میں آیا ہی تھا کہ اتفاقاً حضرت مولانا خواجگی کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس بابرکت نظر نے اس طالب میں ایک جذب کی کیفیت پیدا کرتی اور وہ حضرت کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ روتا جاتا تھا اور توبہ کرتا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ حضرت کا سچا مرید ہو گیا اور بڑا صاحبِ احوال ہوا۔ ایک دن حضرت مولانا نے اس کو مخاطب کر کے

ارشاد فرمایا کہ میاں ہم نے سنا ہے تم توبہ کرنے سے پہلے ہماری بڑی نقلیں اُتارا کرتے تھے۔ تمہاری نقل کرنے کی قوت بھی خوب تھی۔ اس نے بڑا کرشمہ دکھایا۔ جاؤ خوب نقلیں اُتارو اور اپنے انہیں طالب علم ساتھیوں کے پاس جاؤ اور انہیں اجازت سے سرفراز فرمایا۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ رحمۃً واسعۃً۔

بیان حالات اصحاب خلفاء مولانا خواجگی کاسائیؒ:

اور اب ہم ان بزرگوں کے حالات بیان کرتے ہیں جنہوں نے حضرت مولانا خواجگی کاسانی کے خلفاء واصحاب رحمہم اللہ سے فیض حاصل کیا اور یہ نعمت انہیں پہنچی۔ **بِعَوْنِ اللّٰہِ وَتَوْفِیْقِہٖ۔**

مولانا آ کہ شبر غانی المعروف بابن یمین رحمۃ اللہ علیہ:

آپ مولٰینا لطف اللہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے بڑے صاحب وجد و ذوق اور بڑے صاحب حسن سیرت و اخلاق جیسا کہ مولوی معنوی حضرت مولانا رومی نے فرمایا:

من آں معنی اَم کہ در سخناں من جلوہ گر است

(میں وہ معنی ہوں جو میری باتوں میں جلوہ گر ہے)

ذوق وجدان کے آثار اور عشق و عرفان کے اسرارِ معرفت کے شناساؤں پر ظاہر ہیں۔ ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدِّس سرّہٗ اس معنوی تجارت کی سیاحت کے دوران حضرت مولانا شیر غانی کی صحبت شریف میں بھی پہنچے ہیں اور ان کے طریقہ کو بڑا پسند فرمایا ہے چناں چہ آپ کے حالات کے تحت انشاء اللہ تفصیل آئے گی۔

حضرت مولانا شبر غانیؒ کئی سال شہر بلخ اور اس کے اطراف میں طالبانِ طریقت کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ بہت سے مستفیدین آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب

ئے۔ حاجی ابراہیم جو درویش ہروی کے نام سے مشہور تھے آپ کے منظورِ نظر مریدین میں سے تھے۔ انہوں نے پیدل کامل توکل وفقر کے ساتھ حجاز کا سفر اختیار کیا اور کئی حج کیے تھے۔ اب برہان پور میں ان کے پاس زندگی گزار رہے ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے راقم الحروف سے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک دن ایک شخص مولانا کے دسترخوان پر حاضر ہوا۔ شروع میں حضرت نے ان کے ساتھ خوش اخلاق کا معاملہ کیا لیکن اس شخص نے تکبر وغرور کا مظاہرہ کیا اور کھانے سے کبھی کبھی ہاتھ کھینچتا۔

مولانا نے جب اس کا کبر دیکھا تو اس نے منہ پھیر لیا آپ کی طبیعت پر بڑی گرانی ہوئی۔ درویشوں نے یہ دیکھا تو اس کو مجلس سے باہر نکال دیا۔ وہ جب جانے لگا تو اس نے اندر دیکھا اور تکبر وعناد کے باعث معذرت تک نہ کی۔ اس نے چاہا کہ اپنے وطن لوٹ جائے۔ لیکن راستہ میں مر گیا۔ اس کی لاش کئی دن تک وہیں پڑی رہی۔ کوّے اور گدھ اسے کھاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ خان کا لڑکا عبدالمومن خان جو انتہائی بدمزاج شہزادہ تھا اور ناراض ہونے کے بہانے ڈھونڈا کرتا تھا۔ حضرت مولانا کے پاس آیا اور کرامات کا مطالبہ کیا۔ مولانا نے فرمایا اے خان میری کون سی کرامت بھلا اس سے بہتر ہوگی کہ میں ایک ایسے مزارع کا لڑکا ہوں جو آپ کی رعایا ہے۔ اس دیہات میں میرے والد سے زیادہ کم رتبہ کوئی نہیں اور پھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ جیسے عظیم الشان بادشاہ کو مجھ جیسے دکھیا کی کٹیا میں لے آیا۔ خان کو مولانا کا یہ اندازِ گفتگو بے حد پسند آیا اور وہ خوش ہو گیا۔

مولانا شبر غانیؒ کی غزلیات کا دیوان جس میں آپ نے اپنا تخلص ابن یمین رکھا ہے مشہور ہے۔ آپ کی مثنوی ہفت مجلس بھی بہت مشہور ہے۔ ''آتش گاہ'' اور ''سوختگان مہجور'' بھی آپ کی غزلیات کے مجموعے ہیں۔ یہ غزل بھی آپ کی ہے:

ہر صورتے کہ در نظر آمد نمودِ اُوست مجموعِ کائنات ظہور وجودِ اُوست

آہ ایں چہ آتش است کہ ازعشق برفروخت
کایں شعلہ کہ ہر دو جہاں سوخت دردِ اُوست
فارغ زنقشِ صورتآ غیارتا ابد
حیران آں جمال نشین شہودِ اُوست
ابن یمین چوچنک شد از بارِ غم شنو
ایں نالہائے زار صدائے سرودِ اُوست

(جوصورت بھی نظر آتی ہے اسی کی نشاندہی کرتی ہے۔تمام کائنات اسی کے وجود کا مظہر ہے۔آہ! عشق نے یہ کیسی آگ لگادی ہے۔جس شعلہ نے ہر دو جہاں جلا ڈالے وہ اسی کا ورد ہے۔ابد تک وہ صورت اغیار کے نقش سے فارغ ہے حیرت ہے کہ وہ جمال نشین اس کا شہود ہے۔ابن یمین اب جبکہ غم سے بوجھل ہوگیا ہے تو سنو کہ یہ نالہائے زاراس کے ہی سرود کی صدائیں)

حضرت مولانا شبرخانیؒ ۱۰۰۴ھ میں وصال ہوا۔آپ کی قبر مبارک شبرغان میں ہے۔آپ کے بعض عالی نسب مرید ہوئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر انشاء اللہ سبحانہٗ آگے آئے گا۔

مولانا پائندہ محمد اخسکی رحمۃ اللہ علیہ:

بعض حضرات نے آپ کو عباسی اور بعض نے علوی کہا ہے۔آپ نے رفع تعیّن کے لیے خود کو پوشیدہ رکھا اور خود کو ملا پائندہ کہا کرتے تھے۔آپ حضرت مولانا خورد کے کامل خلفاء میں سے تھے۔کہتے ہیں حضرت مولانا خود تک رسائی سے پہلے آپ بطریقِ اویست حضرت خواجہ بزرگ بہاؤالدین رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے فیض یاب ہوئے تھے ان کی عنایات وتربیت آپ کے ساتھ رہی تھی۔پھر جب حضرت مولانا خورد کی خدمت میں پہنچے تو

کہ پہلے سے تربیت نصیب ہو چکی تھی بہت تھوڑی مدت میں آپ نے بہت کچھ حاصل کرلیا۔ قابلِ فخر شہر بخارا کے طالبانِ طریقت کے افادہ کے لیے مولانا خورد نے ان کا انتخاب کیا اور انہیں مجاز بنایا۔ چناں چہ ان کی ہدایت پر یہ بخارا گئے۔ بیس سال سے زیادہ مسجد مغاک میں تجرد وتفرد کی زندگی گزاری۔ بڑے ذوق وشوق سے وجد وسماع میں مصروف رہتے پیری مریدی کے آداب اور اس سلسلہ عالیہ کے ذکر ومراقبہ کے طریق میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ چوں کہ حضرت خواجہ بزرگ سے آپ کو حصہ ملا تھا اس لیے آپ حضرت خواجہ کے خاص طریقہ یعنی عزیمت کا التزام اور رخصت سے دوری کو بھی ملحوظِ خاطر رکھتے تھے۔ ایک دن کسی کام کے سلسلے میں کہ درپیش تھا حاضرین میں سے کسی نے کہہ دیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے۔ مولانا یہ سن کر برافروختہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اس جائز پر عمل کرنا ہمارا کام نہیں۔ یعنی ہمارا مطلوب اور معمول اولویت ہے اور عزیمت کہ کیا بہتر ہے اور کیا حکم ہے لیکن اپنے مشائخ کے اتباع میں آپ رخصت پر بھی عمل کرتے تھے۔ اور حفاظ الحان کے ساتھ اور بالجہر آپ کی مجلس میں قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرتے اور اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کے معتقد صوفی سماع ورقص میں بھی مشغول ہوتے تھے۔ آپ کی خود بھی کبھی کبھی بلند آواز سے چیخ نکل جایا کرتی تھی اور آہیں بھرا کرتے تھے۔ آپ ایک مرد باحضور تھے۔ مسجد ومحراب کے علاوہ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ آپ کو جو بھی تحفے یا ہدایا ملتے آپ ان سب کو فقراء وحفاظ میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ کبھی کبھی آپ پرانے کپڑے کندھ پر ڈالتے اور بازار لے جاتے انہیں بیچتے اور اسی طرح اپنی روزی حاصل کیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی درویش اس کام میں ان کی مدد کرنا چاہتا تو اسے منع کردیا کرتے تھے۔ مختصراً یہ کہ ان پر یہ صادق آیا تھا **عَاشَ حَمِیْدًا وَّمَاتَ سَعِیْدًا** (کہ وہ پاکیزہ قابلِ تعریف انداز میں زندگی گزار گے اور سعید ونیک بخت ہو کر مرے) ۱۰۰۹ھ میں

جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ستر سال تھی۔ رحمۃ اللہ سبحانہٗ

ان کے معتقدین میں سے ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کھانا تناول فرما رہے تھے اور قریب ہی ایک ممولہ دانے چگ رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر آپ واقعتاً اللہ کے ولی ہیں تو اس ممولہ کو اپنے پاس بلائیں وہ پرندہ آپ کے پاس آئے اور آپ روٹی کے ٹکڑے اس کی طرف ڈالیں اور وہ چگے۔ بس میرے دل میں یہ خیال آنا تھا کہ آپ کے باطن میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی۔ آپ نے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے اور اس پرندہ کی جانب ڈالے وہ پرندہ آپ کے نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس پرندہ سے فرمایا آ اور چگ کہ دوست ہمارا امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ لوگ باہر آ گئے اور اسی سوچ میں پڑ گئے کہ آخر یہ کون بے ادب ہے جو اس بے ادبی کا مرتکب ہوا۔ مجبوراً میں نے اقرار کیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔
حضرت مولانا کے منتسبین نے آپ کی کرامات جمع کی ہیں لیکن جیسا کہ مقولہ ہے۔ اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ (کہ تھوڑا بھی زیادہ کی نشاندہی کرتا ہے) ہم نے آپ کی ایک کرامت کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیوں کہ اس کتاب میں ہمارا طریقہ کثیر کرامات کا بیان کرنا نہیں ہے۔
حضرت مولانا کے بعض صاحبِ دل دوست بلکہ کامل خلفاء ہوئے ہیں جن میں سے بعض اس دنیا سے گزر چکے ہیں اور بعض تا حال قابلِ فخر شہر بخارا میں موجود ہیں، ان میں سے بعض کے مختصر حالات اس کتاب میں انشاء اللہ آئیں گے۔

مولانا ترسون قاضی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی مولانا خورد کے خاص الخاص خلیفہ تھے اور صاحب جذبہ وشورش۔ سماع اور رقص سے کافی شغل رکھتے تھے اور کبھی کبھی وجد کی حالت میں اپنی ٹوپی آسمان کی طرف اُڑاتے تھے:

زاں راہ اگر گردی صبا بر تارک جان افگند

بختم از شادی گلہ بر فرق ایوان افگند

(جس راہ سے اگر آپ گزر جائیں تو گویا بادِ صبا کسی جان دینے والے پر گزر جاتی ہے اگر آپ میری خوش بختی سے خوش ہو جائیں تو بڑے بڑے محلات پر میرا بخت گلہ کرنے لگ جاتا ہے)

کئی سال بلخ میں رہنے کے بعد ۱۰۱۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور ایک سال بعد حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفہما کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۰۱۳ھ میں قبل اس کے کہ حج کرتے مکہ معظّمہ میں انتقال فرمایا۔ ایک بزرگ نے جو اس وقت موجود تھے فرمایا کہ مولانا ترسون قاضی نے مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ میں نے ان کے لیے لسان الاسرار حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

بر آستانِ جاناں گرسر تواں نہادن

گلبانگ سربلندی بر آسمان تواں زد

(اگر محبوب کے آستانہ پر سر رکھ دینا ممکن ہو جائے تو سربلندی و ترقی کا نعرہ آسمان تک پہنچ جانا ممکن ہو جاتا ہے)

ایک اور بزرگ سے جو مولانا قاضی سے بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے میں نے سنا کہ ایک لڑکے کو اس کے والدین قاضی صاحب کے پاس لائے جو اگرچہ پانچ چھ سال کا ہو گیا تھا مگر بول نہ سکتا تھا۔ اس لڑکے کے والدین نے مولانا قاضی سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں کہ لڑکا بولنے لگے۔ مولانا نے پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام ہے۔ والدین نے نام بتایا۔ آپ نے وہ نام لے کر جیسے ہی لڑکے کو پکارا اس نے فوراً جواب دیا اور پھر آہستہ آہستہ بولنے لگا یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد بالکل صحیح

ہو گیا اور خوب بولتا تھا۔

مولانا قاضی ترسونؒ نے بھی بہت سے مرید اور یارانِ صاحب معنی چھوڑے جن میں خواجہ تاشقندی کا مختصر ذکر گزر چکا ہے۔ اور مولانا صالح بداہی کہ لاہور میں شوق وحضور کی زندگی گزاری اور اسی شہر میں ۱۰۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ رباعی آپ ہی کی ہے:

خوش آنکہ بہ دردِ عشق خشنود و بود
پیوستہ بہ ترک بود و نابود بود
سوزو بہ تفراق و آہے نہ کشد
چون تنش کہ درگرفت کم دود بود

(وہ خوش نصیب ہے جو دردِ عشق سے سرشار ہو، ہمیشہ مقامِ فنا وبقاء پر فائز ہو، فراق میں جل رہا ہو اور آہیں نہ بھرے اس چیز کی مانند کہ جل رہی ہو اور کم دھواں دے)

مولانا ہروی بھی جو شہر بلخ میں تھے مولانا ترسون قاضی کے خلیفہ تھے اور درویش حیدر طائقانی اور خواجہ یار محمد جو فتح پور میں تھے اور وہیں انتقال فرمایا اور مولانا یار محمد جو ہرات کے قصبہ قرزوہ میں تھے رحمہم اللہ سبحانہ

شیخ یوسف ترک رحمۃ اللہ علیہ:

صاحب دوائر فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ محمد اسلام کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ کے شرف صحبت سے پہلے آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شکل وصورت والا جوان ایک کھڑکی میں بیٹھا کچھ کاغذ کے ٹکڑے آپ کی جانب پھینک رہا ہے اور ان کاغذ کے ٹکڑوں پر اسم جلیل ذات یعنی لفظ اللہ لکھا ہوا ہے۔ آپ یہ دیکھنے کے بعد اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور کئی سفر کیے یہاں تک کہ ایک دن قابلِ فخر شہر بخارا میں حضرت خواجہ جو یبار کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی نورانی شکل وصورت والے جوان ہیں جن کی

نہیں تلاش ہے۔ آپ نے ان سے جب تلقینِ ذکر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ اسمِ مبارک اللہ ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں وارد ہوا ہے **قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ** (آپ کہیے اللہ پھر انہیں چھوڑ دیجیے) آپ نے اس پر عمل کیا۔ ذکر اسم ذات کی آپ سے تلقین حاصل کی اور سیر وسیاحت چھوڑ کر آپ کی صحبت کو اختیار کیا اور بلند مقامات کو پہنچے۔ آپ نے ۹۷۳ھ میں انتقال فرمایا اور بخارا سے ایک فرسنگ کے قریب وہ نو میں مدفون ہوئے۔

خواجہ عبید کابلی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا لطف اللہ کے خلیفہ تھے آپ سے اجازت و رخصت کے بعد سلطان محمد حکیم مرزا کے عہد میں کابل میں طالبانِ طریقت کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ اس کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے۔ ایک مذہبی فرمان کے تحت سلطان نے آپ کو صوبہ تبت میں لوگوں کی تربیت کے لیے بھیجا۔ وہیں آپ نے انتقال فرمایا اور تبت ہی میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ مثنوی مولانا روم پر آپ کو کامل عبور حاصل تھا اور آپ کی مجلس میں زیادہ تر اسی مثنوی کے اشعار پڑھے جاتے تھے ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے آپ ہی کی خدمت میں آکر توبہ فرمائی اور رجوع ہوئے تھے جیسا کہ انشاء اللہ آپ کے حالات میں اس طرف اشارہ آئے گا۔

درویش سبز رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا دوست صحاف کے جلیل القدر خلیفہ تھے اور شیخ شرمندہ کے لقب سے مشہور۔ جب کوئی آپ سے اس لقب ''شرمندہ'' کے متعلق پوچھتا تو آپ فرماتے کہ یہ عاجز اپنے خدا کے سامنے اپنے کیے پر شرمندہ ہے اس لیے یہ لقب پایا۔ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ عالیہ میں آپ کے داخل ہونے کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آپ عام طریق پر کسبِ

زندگانی میں مصروف تھے کہ ایک دن بخارا مزارات کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اسی دوران آپ کو خیال آیا کہ مزارات پر شیرینی تقسیم کرنے کے لیے انہیں درہم و دینار کی ضرورت ہوگی۔ انہیں اگر چہ یقین تھا کہ ان کا کیسہ خالی ہے پھر بھی آپ نے اسے زیارت جانے سے پیشتر ساتھ لے لیا۔ جب مزار پر پہنچے تو مزار کے خدّام کے اطمینان کے لیے کیسہ میں ہاتھ ڈالا۔ آپ کی حیرانی کی حد نہ رہی جب آپ نے کیسہ کو سونا چاندی سے بھرا ہوا پایا۔ اس سونا چاندی نے آپ کو دنیاوی سونا چاندی کی قید سے آزاد کر دیا اور یہ سب کام چھوڑ چھاڑ اب آپ کو ایک دوسری ہی دھن سوار ہوگئی چناں چہ آپ شہر بلخ میں حضرت مولانا دوست کی خدمت کے لیے آ گئے لیکن آپ جب بھی مولانا کی خدمت کے لیے خانقاہ میں داخل ہونا چاہتے مولانا فرماتے اسے باہر نکال دو۔ آپ چناں چہ کفش دوزوں یعنی موچیوں کے پاس رہے یہاں تک کہ ایک دن مولانا کو ہدایت ہوئی کہ ایک سبز فام درویش ہے اس خانقاہ میں اس کا مطلوب و مُدّعیٰ پورا ہونا ہے۔ اس بنا پر ہماری تربیت موقوف ہوئی۔ حلقہ کے ایک اور درویش جو سبز رنگ تھے سمجھے کہ شاید اشارہ ان کی جانب ہے۔ چناں چہ انہوں نے ایک چیخ بلند کی۔

مولانا نے اشارہ سے کچھ فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس سے مراد تم نہیں ہو۔ ایک دن مولانا اپنی پالکی میں بیٹھے کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ درویش سبز یعنی جن کا ذکر موضوع گفتگو ہے۔ آئے اور پالکی کا پایا اپنے کاندھے پر رکھا اور قوت اور پورے ذوق و شوق سے مولانا کو منزل پر پہنچا دیا۔ حضرت مولانا نے اس دن تصریح فرمائی کہ وہ درویش سبز فام آپ ہیں۔ اور آپ کو آغوش میں لے لیا اور اپنی برکات سے شاداب فرمایا اور خلافت عطا فرمائی لیکن آپ غایت بے تعینی کے باعث پیری مریدی کے اُمور میں مصروف نہ ہوئے اور کامل فقر و تفرد اور غربت و تجرد کی زندگی گزاری عراقین کے راستے آپ حرمین محترمین زادھما

ُرقاً کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور ایک گدھا آپ کی سواری تھی خود ہی سواری کی خدمت بھی کرتے تھے ایک میلے پھٹے پرانے لباس میں ملبوس اور سر پر پھٹا پرانا عمامہ کتنے ہی سال آپ نے ایک لباس اور ایک دستار میں گزار دیئے۔ آپ ایک بے تکلّف رند تھے۔ چناں چہ کبھی کبھی آپ راستہ ہی میں بیٹھ جاتے جو سب لوگوں کی گزرگاہ ہوتی اور اپنی ٹوپی و دستار اپنے سر کے نیچے رکھ لیتے۔ اور کبھی یہ سب چیزیں گدھے پر رکھ دیتے اور پیدل صحراء سے شہر کی طرف چل پڑتے۔ لوگ ہر طرف سے آپ کی طرف آتے اور برکت کا حصول چاہتے اور آپ سب سے بے نیاز اپنے راستہ پر رواں رہتے۔ آپ کے حجرہ پر قفل تھا لیکن چابی نہ تھی۔ جب سفرِ حجاز سے واپس آئے تو مسجد مغاک میں اُترے اور متعدد سال اسی طرح گذار دیئے اور یہیں انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ چند مردے حضرت مولانا پاینده اخلتی کی خدمت میں لائے اور کہا کہ انہیں زندہ کر دیجیے۔

حضرت مولانا پاینده اخسکتی نے تواضع اور انکساری کا اظہار فرمایا کہ وہ نہیں کر سکتے لیکن جب ان کا اسرار حد سے بڑھ گیا تو مولانا نے کہا کہ اچھا جب آپ فرماتے ہیں تو اپنی توجہ کو بھی شامل رکھیے۔ تاکہ آپ کی توجہ سے یہ مردے زندہ ہو جائیں۔ چناں چہ دونوں نے توجہ شروع کی اور وہ چند مُردے زندہ ہو گئے۔ حضرت درویش سبزؒ کے معتقدین سمجھتے تھے کہ یہ مردے ان کی توجہ سے زندہ ہوئے اور حضرت مولانا پائیندہؒ کے مخلصین اسے حضرت مولانا کی توجہ کی کرامت تصّور کرتے تھے۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ان میں سے کس بزرگ کی توجہ کی کرامت تھی یا یہ دونوں حضرات کی مشترکہ توجہ کا نتیجہ تھا۔

حافظ خیابانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا دوست کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ فنا کا غلبہ تھا اور آپ انکساری سادہ لوحی اور متانت کی سچی تصویر تھے۔ ۱۰۱۲ھ میں ہندوستان کے راستہ بیت اللہ

شریف اور روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے گئے۔ واپسی پر بلخ تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ دہلی میں ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان سے ملاقات کی تھی اور ان کے طریق فنا اور خاموشی کو پسند فرمایا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

قاسم شیخ قالینی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ بھی حضرت مولانا دوست کے مرید تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد درویش سبز سے تربیت حاصل کی۔ حضرت قاسم شیخ کرمینی سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ شروع میں ہاتھ کی محنت سے روزی حاصل کرتے اور در پردہ قالین بننے کا کام کرتے اور خود کو پوشیدہ رکھتے تھے کہتے ہیں کارخانہ جہریان کے ایک بزرگ آپ کی دوکان پر تشریف لائے اور فرمایا یہاں ایک مرد بزرگ کی خوشبو آتی ہے۔

ان بزرگ نے قاسم شیخ قالینی سے ملاقات کی۔ آپ کو مخلوق غدا کی دستگیری وافادہ کی ترغیب دی اور اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ آپ کے طالبان طریقت بڑے صاحب جذبہ تھے اور مجلس میں شورش وتلوین بہت تھی آپ اسی لیے اکثر اپنے مریدوں کے ساتھ گلی کوچوں میں پھرا کرتے۔ کبھی کبھی گردن میں کوزہ ڈال لیتے ار ننگے سر ننگے پیر بازار میں نکل جاتے۔ ذکر و سماع کی مجلس میں اپنے مریدوں کے پاؤں میں سر رکھ دیتے اور آپ کا کوئی مرید اگر کوئی پاؤں کھینچنا چاہتا تو آپ اس سے گرانتی خاطر محسوس کرتے۔ کہتے ہیں ایک دن آپ ایک راستہ سے گزر رہے تھے۔ ایک راہ گری اپنا اونٹ ساتھ لیے جا رہا تھا۔ جب اس اونٹ نے قاسم شیخ قالینی کو دیکھا وہ آپ سے ایسا مانوس ہوا کہ مستانہ وار آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ مولانا قل محمد بھی جو اتفاقاً وہاں نکل آئے تھے انھوں نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو وہ بھی اونٹ کے ساتھ ساتھ ہولیے۔ اسی دوران حضرت قاسم شیخ قالینی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور

ناقل محمد کی طرف منہ کر کے یہ شعر پڑھا۔

شتر راکہ شور و طرب ور سرست
اگر آدمی رانیا شد خراست

(جب ایک اونٹ بھی اس چیز سے ہیجان کی حالت میں ہے اور انتہائی خوش ہے۔ تو اگر انسان کی یہ کیفیت نہ ہو تو بھلا اس میں اور گدھے میں کیا فرق ہے۔)

مولانا قل محمد پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اس حال وقال کے مشاہدہ سے آپ کے مرید ہو گئے آپ کی صحبت اختیار کی اور بڑا فیض حاصل کیا اور اتنا مقام حاصل کیا کہ آج سمرقند میں آپ کے جانشین ہیں۔ حضرت مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ قاسم قائینی سے خصوصی تعلق تھا اور ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب بھی وہ سمرقند جانے یا تو انھی کے گھر اترتے یا پھر انھیں اپنے پاس بلا لیتے۔

ایک دن ایک مجلس میں حضرت مولانا امکنگی شیخ قاسم قائینی، مولانا عصمت اللہ اور دوسرے صاحبِ دل درویش رحمہم اللہ تشریف رکھتے تھے کہ مولانا امکنگی نے شیخ قاسم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کہتے ہیں۔ دو پانی پلانے والے ماشکی چلے جاتے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھائی جو پانی تمھارے پاس ہے مجھے دو کہ میرا دل اپنے پانی سے بھر گیا ہے ہم بھی چاہتے ہیں کہ آپ اپنی ذوق برکات سے ہمیں حصّہ عنایت فرمائیں۔ یہ سن کر حضرت شیخ قاسم لینی پر سکر کی کیفیت طاری ہو گئی اور بڑے جذبے سے انھوں نے یہ شعر پڑھا:

این دم کہ در رکابِ تو ام خونِ من بریز
ترسم کہ مرگ اماں نہ دہد تادم دگر

(اب جب کہ میں آپ کی رکاب میں ہوں آپ میرا خون بہا ڈالیے، مجھے ڈر ہے موت بھی مجھے امان نہ دے گی۔ یہاں تک کہ دوبارہ زندہ کیا جاؤں)

یہ شعر پڑھ کر آپ کی چیخ نکل گئی اور آپ نے جست لگائی۔ اہل مجلس میں سے ایک اور درویش جو آپ کے سامنے ہی بیٹھے تھے ان کی بھی چیخ نکل گئی۔ یہی جذبہ وشوق تھا جس سے دونوں اہل دل درویش سرشار تھے۔ اسی کیف وجذب میں حضرت مولانا املنگی نے اپنی دستار کا ایک حصّہ پھاڑا اور حضرت شیخ قاسم کے سر پر باندھ دیا۔ مولانا نے دوسرے درویش کے سر پر بھی اسی طرح اپنے عمامہ کا ایک حصّہ باندھا۔ کہتے ہیں مولانا عصمت اللہ کو بھی اہل اللہ سے کافی حصّہ ملا تھا آپ والدہ کی طرف سے چوں کہ خادم شیخ کی اولاد سے تھے اس لیے مشائخ جہریہ آپ کی خدمت میں بڑی کثرت سے آتے اور اٹھنا بیٹھنا رکھتے تھے اور مولانا کے والد جناب محمود سرخست کی اولاد سے تھے جو ماوراء النہر کے مشہور عالم اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ مولانا عصمت اللہ کی بھی کئی تصانیف ہیں۔ رحمہم اللہ سبحانہٗ

خواجہ حسن خالد رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ کے خاندان سے تھے اور مولانا دوست صحاف کے منظور نظر مرید تھے۔ علم سے آپ کو خاصہ حصّہ ملا تھا اور حسن اخلاق اور انکساری میں تو آپ کی نظیر نہ تھی ظاہری جاہ وسلطنت بھی آپ کو پوری طرح حاصل تھی اس لیے کہ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ کی صاحبزادی آپ کے عقد میں تھیں۔ امور مملکت بیشتر محمد حکیم میرزا کے ہاتھ میں تھے جو درویشوں اور عالموں سے بڑی محبت وشفقت رکھتے تھے۔ انھوں نے بہت سے کام حضرت خواجہ حسن خالد کی صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے۔ کیا صاحب حیثیت لوگ اور کیا کم حیثیت والے کیا درویش ومساکین اور کیا امراء سب ہی آپ کی صحبت بابرکت میں رہتے۔ جب بھی کوئی مجلس میں آتا یا مجلس سے جاتا آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ایک درویش کہتے ہیں ایک دن میں میری خواہش ہوئی کہ میں بھی حضرت خواجہ کی طرح آداب مجلس کی رعایت کروں اور آپ کی طرح اظہار تواضع

دل چناں چہ ۴۳ بار میں نے ایسا کرلیا تو میری قوت جواب دے گئی۔ حضرت خواجہ کو جب محسوس ہوا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ تم یہ دردسری نہ پالو۔ یہ ہمارا کام ہے۔

یہ حضرت خواجہ ہی کی برکت اور شفقت تھی کہ ان دنوں شہر کابل میں عارفین اور درویشوں کی کثرت کے باعث ہرات اور سمرقند کی طرح ہوگیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ محمد حکیم مرزا حضرت خواجہ حسن خالد کا انتہائی احترام کرتا اور آپ سے بے حد ادب کے ساتھ پیش آتا تھا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ کا ایک خادم باغ میں تھا۔ ادھر شہزادہ اپنے چند خادموں اور امراء کے ساتھ اسی باغ میں آیا۔ وہاں جب شہزادہ اور وہ خادم باہم مقابل ہونے لگے تو شہزادہ کے خادموں نے چاہا کہ حضرت خواجہ کا خادم ایسا نہ کرلے اور اسے سمجھایا کہ وہ سواری سے نیچے اتر آئے اور شہزادہ کی رکاب میں چلے۔ وہ خادم بھی عجب مست و خویش پرست تھا اور خود کو شہزادہ سے کم نہ سمجھتا تھا اس نے سختی و درشتی کے ساتھ کچھ بیہودہ کلمات بادشاہ کے لیے کہہ دیئے یہ رات کا واقعہ تھا جب صبح ہوئی تو یہ بات حضرت خواجہ کو معلوم ہوئی۔ آپ بے حد رنجیدہ ہوئے اور سلطان کو لکھا کہ سننے میں آیا ہے کہ اس کم نصیب نے شاہی خدام کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ کیا ہے۔ میں اسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ جناب جس طرح مناسب خیال کریں اسے تنبیہ فرمائیں مرزا نے اس کے جواب میں لکھا کہ حضرت سلامت ایک ہی آستانہ کے دو کتے اگر کہیں لڑ پڑیں اور باہم نزاع کرنے لگیں تو حضرت اس کے باعث رنجیدہ نہ ہوں والسلام اور شہزادہ اس خادم کو سزا دینے کے درپے نہ ہوا۔ خدا اس شہزادہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ محمد حکیم مرزا کے انتقال کے ایک سال بعد یعنی ۹۹۴ھ میں حضرت خواجہ نے بدخشاں میں وفات پائی۔ آپ کی میت کو بدخشاں سے بخارا گئے اور آپ کے جدامجد حضرت خواجہ بہاؤ الحق والدین قدس اللہ سرہٗ الاقدس کے قدموں میں دفن کیا۔

مقالۂ دوم......مقصد اوّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى

امابعد۔ کتاب نسمات القدس من حدائق الانس کا یہ دوسرا مقالہ ہے۔

ہمارے مرشد حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے شیخ بزرگوار خواجہ باقی اللہ سے لے کر قدوہ الکبار ناصر الدین عبید اللہ المعروف بہ خواجہ احرار قدس اللہ اسرارہم وافاض علینا برکاتہم تک جو بزرگ گزرے ہیں ان کے حالات کے بیان میں۔

ہمارے مرشد اور ان کے شیخ رحمہما اللہ کے مریدین و منتسبین اگر اس مقالۂ عالیہ وابدیہ کو "مقامات باقیہ احمدیہ" کا نام دینا چاہیں اور اسے ایک علیحدہ کتاب کی شکل دے دیں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔

مقصدِ اوّل۔ مقالۂ دوم:

یہ مقصد حضرت مولانا محمد زاہد وخشی اور ان کے منتسبین رحمہم اللہ کے حالات کے بیان میں ہے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ طَابَ ثمراہُ تک۔

مولانا محمد زاہد وخشی رحمۃ اللہ علیہ:

حصار کے مضافات میں وخش ایک موضع ہے اسے وخشوار بھی کہتے ہیں۔ مولنائے

زرگ حضرت خواجہ املکنگی قدس سرہٗ کے بعض اصحاب وفرزندگان سے میں نے سنا ہے کہ مولانا محمد زاہد حضرت مولانائے معظم یعقوب چرخی قدس سرہٗ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔اس سلسلۂ عالیہ کے اذکار کی تلقین اور اطوار کی تعلیم آپ نے حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے بعض اصحاب سے حاصل کی تھی جو اس علاقہ میں اس خدمت میں مشغول تھے چناں چہ اس تلقین کے بعد وہ اپنے اوقات کو ذکر سے معمور رکھتے اور عزلت وگوشۂ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن جیسے ہی حضور خواجہ احرارؒ کی تربیت وارشاد کا غلغلہ بلند ہوا اور یہ آواز آپ کے کانوں تک پہنچی آپ نے فوراً عزلت وگوشہ نشینی کو خیر باد کہا اور حضرت خواجہ احرار کے آستانہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

زاہد بہ ہشت خلوت و دامن زپاکشید
چوں از بہار و امن صحراء بہشت شد

(جیسے ہی دامنِ صحراء موسمِ بہار کے باعث جنت نظیر ہوا زاہد نے گوشۂ نشینی کے آٹھ پردوں سے قدم باہر نکالا)

میں نے بعض بزرگوں کے رسائل میں اسی طرح دیکھا ہے۔حضرت خواجہ احرارؒ کو جیسے ہی مولانا زاہد کی آمد کی اطلاع ہوئی آپ شہر سمرقند کے قریب ایک موضع میں مولانا کے استقبال کے لیے تشریف لائے اور اس عاجز کے نزدیک اس طرح استقبال کی ایک وجہ بھی ہوئی کہ مولانا زاہد کو مولانا یعقوب چرخی سے قرابت کا فخر حاصل تھا۔اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کا یہ پسندیدہ طریقہ رہا ہے کہ وہ خود خواہ کتنے ہی بلند درجات پر فائز ہو جائیں ان بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ انتہائی انکساری کے ساتھ پیش آتے ہیں جن کی برکات صحبت کی نسبت سے وہ مستفید ہوئے ہوں۔ان بزرگوں کے فرزندگان بلکہ ان حضرات تک کے ساتھ بھی وہ اسی خاکساری کا اظہار کرتے ہیں جن کی ان بزرگوں کے

ساتھ تھوڑی سی بھی نسبت رہی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے جو اسی کی وضاحت کرتی ہے جس میں فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَحَبَّ مَحْبُوْبَابَہٖ وَمَا یُشْبِہُ وَمَایَتَعَلَّقُ (۱)

(جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کی پسندیدہ چیزوں سے اور اس سے مشابہ یا متعلق چیزوں سے بھی محبت کرتا ہے)

ہمارے مرشد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک موقعہ پر لکھا ہے:

نسمہ:

یہ صحیح نہیں کہ کوئی اس عالم کو عین حق سبحانہٗ سمجھے اور اس بناء پر اس عالم کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ بس اس قدر محبت کافی ہے کہ دنیا کو اس کے حکم سے جانے اور اس کی مخلوق سمجھے اور محض اس نسبت کی بناء پر اسے دوست رکھے:

بہ جہاں خرم از انم کہ جہاں خرم از دست
خوش دلم از ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست

(میں دنیا سے اس لیے خوش ہوں کہ دنیا اس سے خوش ہے۔ سارے عالم سے میں اس لیے خوش دل ہوں کہ یہ سارا عالم اسی کی مخلوق اور اسی کے حکم سے ہے)

مولانا زاہد نے بھی حقیقت کو پا لیا اور حضرت خواجہ احرارؒ کے ہم آغوش سعادت وکمالات ہو گئے۔ ماضی میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا اور جو کچھ بھی اب تک حاصل کیا تھا۔ مولانا نے وہ حضرت خواجہ کے گوش گزار کیا۔ راہِ سلوک کے مزید فوائد، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے مزید حقائق حضرت خواجہ سے حاصل کیے مجاز ہوئے اور خلفاء میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ چند دن قیام کے بعد وطن واپسی کی اجازت چاہی اور سَرِّ حالِ کا پورا اہتمام کرتے ہوئے زندگی گزارنا شروع کی۔

حضرت خواجہ احرارؒ کے حکم کے مطابق مولانا نے چند طالبینِ طریقت کو اس سلسلۂ عالیہ کی تلقین ذکر و فکر دینا شروع کی اور ان کی تربیت فرمائی اور اسی شہر میں سفرِ آخرت اختیار فرمایا آپ کا مزار مبارک بھی اسی شہر میں ہے۔

اس عاجز نے مولانا محمد سعید سے جن کا ذکر انشاءاللہ عنقریب آئے گا سنا فرماتے تھے میں نے خود حضرت مولانا سے سنا کہ حصار وَبدخشاں کا حاکم سلطان محمود اپنے بڑے بھائی سے جنگ کرنے کے ارادہ سے سمرقند کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت خواجہ احرارؒ نے اس جنگ سے روکنے کی کوشش کی اور ایک خط لکھا لیکن وہ نہ مانا۔ حضرت مولانا محمد زاہد نے کشف میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کے دستِ تصرف نے سلطان محمود کی فوج کو شکست دے دی ہے۔ اتفاقاً ایک دن حضرت مولانا نے یہ واقعہ کسی سے بیان کیا۔ ایک چغل خور نے یہ وخش کے حاکم کو پہنچا دی جو سلطان محمود کے بہی خواہوں میں تھا۔ حاکم وخش نے مولانا کے خلاف انتہائی سخت الفاظ کے ساتھ سلطان محمود کو ایک شکایتی خط لکھا۔ وہ نامہ بر جب خط لے کر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سمرقند میں وہی کچھ ہوا ہے جس کا مولانا محمد زاہد کو کشف ہوا تھا اور سلطان محمود اس شہر سے اسی طرح شکست کھا کر گیا ہے۔ حاکم وخش کو جب یہ معلوم ہوا وہ بے حد نادم ہوا۔ مولانا محمد زاہد سے معذرت چاہی اور آپ کا مرید ہو گیا۔

مولانا درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا محمد زاہد کے بھانجے تھے اور خواجہ امکنگی رَوَّحَ اللّٰہُ رُوْحَہُم کے والد اور مُرشد۔

ظاہری علوم سے بھی کامل حصہ پایا تھا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کا ایک رسالہ دیکھا جس میں آپ نے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہستی کے وجودِ مطلق ہونے پر گفتگو کی ہے یہ آپ کا بہترین رسالہ ہے۔ حضرت مولانا امیر علی ہروی نے اپنے رسالہ میں

آپ کی منقبت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا المعظم دنیا میں دائرہ توحید کے قطب حضرت مولانا درویش محمد املنگی۔ آپ نے اپنے ماموں بزرگوار کی خدمت میں رہ کر کمال حاصل کیا اور ان کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ ماموں صاحب کے پاس آنے سے پہلے آپ خاموشی اور گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں شہر کیش کے دیہاتوں میں شہر سرسبز کے نام سے ایک مشہور جگہ ہے۔ آپ وہاں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور یہ کام اتنی خاموشی و گمنامی سے کرتے کہ کسی کو پتہ نہ تھا۔ ایک دن اتفاقاً مشائخ ترک میں سے ایک بزرگ کا وہاں گزر رہوا۔ کشف کے ذریعہ انہیں حضرت مولانا درویش محمد کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

ایں جابوئے مردے می آید

(اس جگہ ایک مرد بزرگ کی خوشبو آتی ہے)

اس میں حضرت مولانا کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت خواجہ املنگی قُدِّس سُرّہٗ فرماتے ہیں میرے والد بزرگوار مولانا درویش محمد کی شہرت کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن ان کے پاس ایک درویش آئے اور شیخ نورالدین محمد خوانی کی بزرگی کی تعریف کرنے لگے۔ یہ شیخ نورالدین، شیخ حاجی محمد خبوشانی کے خلفاء میں سے تھے۔ ان درویش نے میرے والد بزرگوار کے سامنے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شیخ نورالدین بڑے پائے کے بزرگ ہیں۔ اگر اس علاقہ سے ان کا گزر ہو تو تم ضرور ان کے پاس جانا۔ ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ شیخ نورالدین اس نواح میں تشریف لائے۔ میرے والد کو جب معلوم ہوا تو فرمانے لگے آج رات ہمیں شیخ کی طرف جانا ہے شیر تیار کراؤ تا کہ کل خدا کی مرضی سے ہم ان کے پاس جائیں لوگوں نے ایسا ہی کیا اور آپ دوسرے دن انتہائی بے تکلفی کے ساتھ میلے کپڑوں میں اور وہی ہدیہ ساتھ لے کر شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ شیخ بھی ٹوپی

اور کرتے میں بے تکلفی کے ساتھ بیٹھے تھے یہ سب حضرات مراقب ہو گئے:

خلوت ایں قوم اندر انجمن خواہد شدن
لب چو بر بند نداز ہر جا سخن خواہد شدن

(بھری محفل میں بھی یہ لوگ خلوت وتنہائی کی حالت میں ہوتے ہیں جب ہونٹوں پر خاموشی طاری کرتے ہیں تو ان کے جسم کا ہر حصہ گفتگو کرتا ہے)

کچھ دیر بعد میرے والد بزرگوار نے شیخ نورالدین سے واپسی کی اجازت چاہی۔ شیخ نے چند قدم ساتھ چل کر مشایعت کی اور انتہائی عاجزی وانکساری سے رخصت کیا۔ میرے والد کے رخصت ہونے کے بعد شیخ نورالدین نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ کیا طالبانِ طریقت کا ان کے پاس آنا جانا ہے لوگوں نے کہا یہ کوئی شیخ نہیں ہیں۔ یہ تو مردِ فقیر ہیں۔ یہاں ان کا ایک مکتب ہے جس میں بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ اس پر حضرت شیخ نورالدین نے فرمایا سبحان اللہ! اس جگہ کے لوگ اس بات سے قطعاً ناواقف ہیں کہ ان جیسے درویشوں سے کیا کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ حضرت شیخ کی زبان سے یہ بات نکلنا تھی کہ کثیر تعداد میں لوگوں کا میرے والد بزگوار کے پاس آنا جانا شروع ہو گیا۔ میرے والد جو انتہائی خلوت پسند تھے لوگوں کی اتنی زیادہ آمد سے تنگ دل ہو گئے جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

وَابْتَغُواالرِّزْقَ مِنْ خَبَایَاالْاَرْضِ ۔ (زمین کی پنہائیوں سے رزق تلاش کرو) میرے والد بزرگوار کاشتکاری کیا کرتے۔ کاشتکاری سے متعلق تمام ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے اس موقعہ پر حضرت خواجہ ملنگیؒ نے انتہائی انکساری وخاکساری کے ساتھ فرمایا۔ ہمارے سب دادے پردادے انتہائی منکسر المزاج اور بڑے عالم فاضل تھے۔ جب نوبت ہم تک پہنچی تو نہ علم وفضل رہا نہ منکسر المزاجی''۔

اپنے اجداد میں سے ایک بزرگ کا آپ نے واقعہ بیان فرمایا کہ وہ بڑے عالم اور متقی تھے بہت بڑا مکان تھا اور بہت سے مزارع تھے۔ زمین میں ہل چلاتے اور بیج ڈالتے جاتے اور ساتھ ساتھ علوم کا درس بھی دیتے جاتے تھے۔ ان بزرگ کی ایک صاحب زادی تھیں جو ایک بزرگ زادہ کے عقد میں تھیں لیکن یہ بزرگ زادہ تقویٰ و پرہیز گاری کا خیال نہ رکھتا تھا۔ جب بھی یہ بزرگ اس کے گھر جاتے اس کے گھر نہ کچھ کھاتے نہ پیتے۔ ایک دن وہ بزرگ زادہ دن کے آخری حصّے میں نمازِ جنازہ کے سلسلے میں ان کے گھر آیا۔ آپ نے کملی کا کونہ سرکایا اور زمین پر بیٹھ گئے اور فرمایا میاں خدا تمہارے گناہ معاف کرے تم نے وہ طریقہ نہ رکھا کہ بیٹھ سکو۔ چند دن بعد ان بزرگ نے اپنی صاحبزادی کے لیے ایک لباس بھیجا اور فرمایا غسل کر کے یہ لباس پہن لو اور میرے گھر آ جاؤ۔ حضرت مولانا درویش محمدؒ کا مزار مبارک ضلع کیش کے ایک دیہات اسفرار میں ہے۔

خواجہ میرک گنبذ سبزی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فخر الدین ابدال کی اولاد سے تھے جو بزرگوں کا خاندان ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا درویش محمد کے خلفائے کبار میں سے تھے قدّس سرّہٗ ۔ مزاج میں بڑی انکساری تھی ساتھ ہی بڑی جاہ و حشمت حاصل تھی۔ گنبذ سبزی میں جو چغانیاں حصار شادمان کے تحت ایک دیہات ہے رہا کرتے تھے اور یہیں آپ کا مزار مبارک ہے جہاں زیارت و حصولِ برکت کے لیے لوگ بڑی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔

خواجہ محمد رضا رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا درویش محمد کے صاحبِ احوال مریدوں میں سے تھے اور آپ کے ساتھ ظاہری قرابت بھی رکھتے تھے۔ کئی سال حضرت مولانا کے ساتھ رہے۔

ہ اللہ سبحانہ۔

مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی مولانا درویش محمد کے یارانِ قدیم میں سے تھے اور احوالِ عظیم کے مالک۔

شیخ صلواتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو صلواتی اس لیے کہتے تھے کہ آپ ہر جمعہ کو بازاروں میں دکانوں پر جاتے نماز کا ایذان و اعلان کرتے اور لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے تھے آپ بھی مولانا درویش محمد اصحاب کبار میں سے تھے۔ صاحب نیستی و شکستگی، بڑے منکسر المزاج، سمرقند میں سکونت پذیر تھے۔ جب بھی مولانا خواجگی سمرقند میں ہوتے اکثر آپ ہی کے گھر نشست ہوا کرتی اس علاقہ کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ شیخ صلواتی کی حضرت خضر علیہ السلام سے صحبت رہتی ہے اس بات کی اس واقعہ سے بھی شہادت ملتی ہے کہ حضرت شیخ منظور شیخ قاسم قالینی علیہ الرحمہ کے ایک مرید نے اس عاجز کو بتایا کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ ایک بار شیخ صلواتی کی مسجد کے سامنے گزر رہے تھے کہ شیخ صلواتی نے مسجد کی چھت سے میرے شیخ کو دیکھا سلام کیا اور کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کو سلام کہہ رہے تھے رحمہم اللہ سبحانہ۔

☆ حضرت مولانا خواجگی امکنکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے اپنے والد مسجد مولانا درویش محمد کے قلب منور سے نور کمال وفروغ اکمال کا کسب کیا تھا۔ آپ کی طبعی استعداد اور ذاتی قابلیت نے اس نسبت کے حسن میں مزید چار چاند لگادیے۔ حصول کمال کی ابتداء سے تیس سال کی مدت تک آپ اپنے والد بزرگوار کے مبارک طریقہ قائم رہتے ہوئے ستر حال کے لیے پوری طرح کوشاں رہے، مگر جب حضرت حق سبحانی کو یہ منظور ہوا کہ آپ سے طالبان طریقت کی تربیت کا کام لیا جائے تو آپ

اولیائے عزلت کے گوشہ سے نکل کر اولیائے عشرت کی انجمن میں تشریف لے آئے۔

اب آپ کو حکم ہوا کہ مخلوق کی تربیت و ہدایت کے لیے کام کریں چناں چہ مخلوق کا آپ کی طرف رجوع شروع ہوا۔ امراء و فقراء یا تو خواب میں آپ کو دیکھتے یا ان کے دل میں ڈالا جاتا کہ آپ کی صحبت اختیار کریں اور اس میں تاخیر نہ کریں۔ چناں چہ بہت سے خفتہ دل آپ کی صحبت کی برکت سے خوابِ غفلت سے بے دار ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس تجارت کے بہت سے دیوانے آپ کی صحبت کے خریدار ہوئے اور بہت سے فاضل آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ منجملہ ان فاضلوں کے مولانا درویش علیہ الرحمۃ بھی تھے جو حضرت مولانا املنگی رحمۃ اللہ کے منظورِ نظر تھے۔ بڑے صاحبِ تقویٰ و صفا اور مولانا محمود گیلانی کے عظیم شاگرد، عظیم شہر بلخ میں چالیس سال تک علوم نقلیہ و عقلیہ کی اشاعت میں مصروف رہے اور مستند کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں اور ۱۰۲۵ء یا ۱۰۲۴ء کے قریب انتقال فرمایا۔

حضرت مخدوم مولانا خواجگی املنگی عزیمت کے بڑے پابند تھے اور رخصت پر عمل کرنے سے بچتے تھے۔ آپ کی کوئی مسجد یا خانقاہ نہ تھی آپ کو انتہا درجہ کی تمکین حاصل تھی اور اسی لیے آپ کی مجلس میں رقص و سماع اور شور و شغب کی گنجائش نہ تھی۔ ایک مرتبہ بعض مخلصین نے درخواست کی کہ کیا حرج ہے اگر آپ کی مبارک مجلس میں مثنوی مولانا روم پڑھی جائے آپ نے ارشاد فرمایا مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں پڑھی جایا کریں۔ بلاشبہ حدیث شریف کا پڑھا جانا بزرگوں کے کلام پڑھے جانے سے بہتر ہے۔ ایک صاحب نے کہا نماز کے بعد مجلس میں اگر پنج سورہ بلند آواز سے پڑھا جائے تو کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا بلند آواز سے پڑھانا کیا ضروری ہے جو چاہے اپنے طور پر آہستہ آواز سے پڑھ لے۔ آپ کی طبیعت میں انتہا درجہ کی انکساری رہی تھی اور اپنی دیدِ قصور کا شدید احساس، ایک دن

،صاحب نے عرض کیا کہ مسجد کا راستہ اوانچائی پر ہے اور حضرت کو بڑھاپے کے باعث کم زوری لاحق ہرتی ہے۔ اگر عصر و مغرب و عشاء کی نمازیں مسجد میں ادا کر کے ایک ہی بار واپس جایا کریں تو زیادہ بہتر ہو کہ تین بار آنا جانا مشکل ہے آپ نے ارساد فرمایا جیسی نمازیں ہم پڑھتے ہیں اس میں بس مسجد آنا جانا ہی تو کام ہے۔ باقی ہماری نمازوں میں اور کیا رکھا ہے۔ اس نسبت عالیہ کا نور اور خصوصاً شکستگی و فنا آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھی۔ تمام مسلمانوں کی خاطر تواضع اور شگفتگی کا نور آپ کے بوستانِ کردار کا حصّہ تھا۔ اگر کوئی مہمان آپ کی گھر آتا تو اس بڑھاپے کے باوجود آپ خود بہ نفس نفیس اس کی خدمت میں لگ جاتے تھے اور اس کمزوری کے باوجود کہ آپ کے مبارک ہاتھوں میں لرزہ تھا آپ خود مہمان کے لیے دسترخوان بچھاتے اور بسا اوقات مہمان کی سواری اور خادم تک کی خود خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ انتہائی بلند اخلاق کے مالک تھے اور حضرت خواجہ بزرگ اور ان کے خلفاء کے طریقے پر کاربند تھے۔ عمر شریف نوے سال کو پہنچی تھی کہ ۱۰۰۸ء میں اس دارِ فانی سے خلد بریں کا سفر اختیار فرمایا۔ انتقال سے کچھ دن پہلے ہی ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو ایک خط لکھا تھا۔ اظہار شفقت و اشتیاق بے پایاں کے بعد اس خط میں یہ دو شعر درج تھے۔

زمان زمان مرگ یاد آیدم
ندانم کہوں تا پیش آیدم
جدائی میاد امرا از خدا
وگر ہرچہ پیش آیدم شایدم

مجھے وقت وقت سے اب موت یاد آتی ہے۔ نہ جانے کیا پیش آنے والا ہے۔ بس میں خدا سے جدا نہ ہوں۔ باقی کسی سے بھی جدا ہوں یا جو کچھ بھی پیش آئے تو پیش

آنے دو)

ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب شریف میں وجود عدم اور وجود فنا کے مقام کے دقائق اور باریکیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب ارشاد مآب مخدوم قبلہ گاہ مولانا خواجگی قدس سرہٗ نے فنائے اتم کے ارشادات کے سلسلہ میں یہ شعر پڑھا۔

مدح وذمت گر تفاوت میکند　　　　بت گرے ہستم کہ او بت میکند

(تیری برائی اور تعریف اگر فرق پیدا کرتی ہے تو میں بت بنانے والا ہوں کہ وہ بت بناتا ہے)

اور فرمایا مدح وذم بھی چاہیے کہ حق سبحانہٗ کی جناب میں کامل فنا کے مقام کے حصول تک دوشکستگی میں تیرے لیے کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے۔ یہ کلام نقل کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بزرگ سے جو روایت ہے کہ وجود عدم تو بشریت کی طرف لوٹتا ہے لیکن وجود فنا ہرگز نہیں لوٹتا اب سمجھ میں آتی ہے...... ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنے ایک رسالہ میں ایک موقعہ پر اپنے مولانا خواجگی سے نقل فرمایا کہ:

وہ اپنے والد بزرگوار سے بھی ایک واسطہ سے مولانا اسمٰعیل رحمہم اللہ سے نقل کرتے تھے کہ ذات محض میں تجلی نہیں ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی ایک کرامت جو عین دوپہر کے سورج کی تابانی کی طرح مشہور ہے اپنے ایک عزیز پیر محمد خان پر حضرت کی تائید وہمّت سے باقی خان کی نصرت وکامیابی ہے۔ عبداللہ خان کی طرف سے ہرات کے حاکم سلطان کے چچا نے جب تراکہ کے ہاتھوں شکست پائی تو اس کا بھائی باقی خان اپنے والد اور تمام بھتیجوں کو لے کر ماوراء النہر کی طرف چلا گیا۔ پیر محمد خان نے سمرقند کی حکومت ان لوگوں کے سپرد کر دی لیکن کچھ دن بعد پیر محمد خان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے بدگمانی اور گونہ

ـ پیدا ہوگیا۔ چناں چہ اس نے ان کے قتل اور بیخ کنی کا ارادہ کرلیا اس مقصد کے لیے وہ
ایک لشکر لے کر سمر قند کی طرف متوجہ ہوا باقی خان اور اس کے بھتیجوں نے حضرت مولانا کو بیچ
میں ڈال کر رحم کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا ان سلاطین نژاد بھائیوں کو ہم نے سمر قند
کا تنہا والی بنایا ہے ان کی اطاعت کی جائے اور یہ بھی اپنی کفاف قلیل پر قناعت کریں۔
حضرت مولانا خود پیر محمد خان کے لشکر کی طرف چلے گئے اور ان کو طرح طرح سے نصیحتیں
فرمائیں۔لیکن بدنصیبی ان کا مقدر بن چکی تھی۔ انہوں نے مولانا کی بات نہ مانی۔ حضرت
مولانا پیر محمد خان کے لشکر سے بہت غصہ کی حالت میں واپس آئے اور باقی خان سے فرمایا
کہ اے فرزند فوجی طاقت کی کمی کی پرواہ نہ کر اور یہ آیتِ کریمہ پڑھ۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

(البقرہ ۹) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اور اللہ
صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اور حضرت مولانا نے باقی خان کی پشت پر دست اجابت رکھا اور اپنا رومال مبارک
اس کی کمر پر باندھا اور فرمایا خدائے عزوجل پر بھروسہ کرو اور دشمن کے لشکر سے برسرِ پیکار
ہو جاؤ۔ معاوراء النہر تمہیں مبارک ہو۔ باقی خان جو اب تک دل چھوٹا کیے ہوئے تھا یہ
بشارت وعنایت سن کر پرازعزم ہوگیا اور اس نے کمر ہمت کس لی۔ اس کے باوجود کہ اس کی
فوج چار ہزار سپاہ سے بھی کم تھی وہ پیر محمد خان کی پچاس ہزار فوج سے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا
ہوا۔ حضرت مولانا چند درویشوں کے ہمراہ اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور شہر کے کنارے
ایک پرانی مسجد میں قبلہ رو مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آپ سر اُٹھاتے
اور پوچھتے کیا خبر آئی ہے یہاں تک کہ آپ کو خبر ملی کہ باقی خان کو فتح حاصل ہوگئی ہے اور پیر
محمد خان مارا گیا ہے۔ لوگوں نے باقی خان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ اب مولانا اس جگہ

سے اُٹھے اور گھر واپس تشریف لائے۔

نیز اس عاجز خاکسار سے آنجناب کے ایک مخلص نے بیان کیا کہ ایک رات حضرت مولانا کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے اور میں ننگے پیر حضرت کے چند خدام کے ہمراہ ساتھ ہی چل رہا تھا کہ اتفاقاً میرے پاؤں میں ایک کانٹا چبھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کیا اچھا ہو اگر حضرت کی اس سلسلہ میں مجھ پر کچھ عنایت ہو۔ حضرت مولانا اسی وقت میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بھائی جب تک پاؤں میں کانٹا نہ چبھے پھول ہاتھ میں نہیں آتا۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

گنج بے مار و گل بے خار نیست   شادیٔ بے غم دریں بازار نیست

(سانپ ۔ کے بغیر خزانہ نہیں۔ کانٹے کے بغیر پھول نہیں اس کائنات میں غمی کے بغیر خوشی نہیں)

نیز آپ کے محبین کبار فرزندگان سے میں نے سنا کہ تین طالب علم تھے۔ جیسے طالبِ علموں کی عادت ہوتی ہے یہ تینوں بھی اسی طرح تنہا حضرت مولانا خواجگیؒ امکنگیؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ایک طالب علم کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ مولانا صاحب کرامت ہیں تو فلاں کھانے سے ہماری ضیافت کریں گے۔ دوسرے طالب علم کے دل میں خیال گزرا کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو فلاں میوہ ہمارے سامنے پیش کریں گے اور تیسرے نے سوچا کہ فلاں خوبصورت لڑکا بھی حاضر کر دیں گے۔ حضرت مولانا نے ان دو طالب علموں کی مرادیں تو پوری کر دیں جو شریعت کے مطابق تھیں باقی تیسرے طالب علم کو خصوصیت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ درویشوں کو جو خاص حالات پیش آتے ہیں اور کرامات ملتی ہیں وہ شریعت کی متابعت و پیری کے باعث ملتی ہیں۔ درویشوں سے غیر شرعی چیزوں کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد تینوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ درویشوں کے پاس ان کا امتحان لینے کی

سے تو دل میں جائز چیزوں کو لے کر بھی نہ آنا چاہیے۔ اس لیے کہ درویشوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ بزرگ ان چیزوں کو غیر اہم سمجھتے ہوئے ان کی پرواہ نہیں کرتے اور یہ امتحان لینے والے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ یہ بزرگ امتحان میں پورے نہیں اُترے تو ان سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں ان چیزوں کو چنداں اہمیّت نہ دینی چاہیے بزرگوں کے پاس خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے آنا چاہیے۔ رحمہُ اللہ سبحانہٗ۔

خواجہ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا املنگیؒ کے لائق صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خواجہ صابر کی (جن کا ذکر گزرا) دختر نیک اختر تھیں حضرت مولانا املنگیؒ نے اپنے ان فرزند کے بارے میں انتہائی شفقت و تربیت کو ملحوظِ خاطر رکھا تھا اور فرماتے تھے کہ میرے بچپن میں میرے والد بزرگوار نے میرے بارے میں خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی آغوشِ مبارک میں اُٹھا رکھا ہے۔ اس خواب کے بعد انہیں مجھ سے بڑی اُمیدیں وابستہ ہو گئی تھیں۔ میں نے بھی ابوالقاسم کے متعلق اسی طرح کا خواب دیکھا ہے اور مجھے بھی اس سے بہت اُمیدیں ہیں کہتے ہیں کہ مخدوم زادہ ابوالقاسم کو شوق و جذبہ بہت تھا اور اپنے والد بزرگوار کے دور میں فرطِ جنوں و مستی سے بے تاب ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سخت سردیوں کے دنوں میں جب کہ برف جمی ہوتی یہ ننگے پاؤں صحراء کی طرف نکل جاتے۔ صبح کی روشنی پھیل جاتی اور یہ وہیں سے اپنے دادا بزرگوار حضرت مولانا درویش محمد کے مزار مبارک پر چلے جاتے۔ وہاں کافی دیر بیٹھے رہتے۔ کہتے ہیں کہ سردی اور ٹھنڈی ہوا کا یہ عالم ہوتا کہ حضرت خواجہ املنگیؒ جن لوگوں کو حضرت ابوالقاسم کے پیچھے ان کی خبر گیری کے لیے بھیجتے سردی کے باعث ان کے ہاتھ اور پاؤں سوج جاتے اور ان میں تکلیف

ہونے لگتی مگر مخدوم زادہ صاحب چوں کہ قوی جذبہ کے باعث بڑی گرمی کے مالک تھے یہ سردی اور ٹھنڈی ہوا ان پر کچھ اثر نہ کرتی۔

حضرت خواجہ املنگیؒ کے انتقال کے بعد آپ کے مریدین اکثر آپ کے لائق فرزند حضرت خواجہ ابوالقاسم کی شفقتوں اور حسن اخلاق کے باعث ان کے گرد جمع ہو گئے اور اسی طرح بہت سے مظلوم مسلمان بھی آپ کی پناہ میں آ کر ظالموں کے شر اور ظلم سے محفوظ ہو گئے اور آپ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی مثال پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کی اپنی جان اور مال سے مدد کرنے اور ان کی حاجب براری کے لیے ہر طرح کی کوشش کرنے کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اس کے لیے اپنی پوری زور ہمّت صرف کی۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ املنگیؒ نے آپ کے لیے جس حصول عزت وسعادت دارین کی دعا فرمائی تھی۔ حضرت حق سبحانہٗ نے ویسی ہی ظاہری ومعنوی کرامت سے آپ کو نوازا۔ دنیاوی مال واسباب کے باوجود جو بہ ظاہر اطمینانِ قلب میں خلل ڈالتے اور موجب تفرقہ ہیں۔ آپ کو مکمل جمعیت خاطر حاصل تھی۔

آپ کی بے نیازی اور بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن دو انتہائی قیمتی ہندی گھوڑے جو آپ کے اصطبل میں تھے آپ کو دکھائے گئے آپ نے فرمایا انہیں حاضر کرو اور جب وہ گھوڑے آ گئے آپ نے ان کو ذبح کرنے کا اشارہ فرمایا اور درویشوں کو ان کے پکانے اور کھانے کا حکم فرمایا۔ مولانا سعید سلمہ اللہ سے میں نے سنا کہ جب کھانے کا وقت قریب آیا آپ نے درویشوں کو اپنے قریب بلایا اور کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ انہیں مواعظ و وصایا کے دوران آپ نے یہ شعر پڑھا اور منہ لحاف سے ڈھک لیا:

دل آرامی کہ داری دل درو بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جو مطمئن دل تیرے پاس ہے اسی آرام واطمینان میں اپنے دل کو بند کرلے اور

ساری دنیا سے آنکھیں بند کرلے)

جب کچھ دیر گزری اور آپ کے جسم کی کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی تو میں نے لحاف آپ کے چہرے سے سرکایا تو دیکھا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ یہ واقعہ ۱۰۲۳ھ کے قریب پیش آیا رحمہ اللہ سبحانہٗ۔ امکنہ میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آپ کا مزار مبارک ہے آپ کی عمر شریف ۳۹ سال تھی۔ آپ نے ایک فرزند پیچھے چھوڑا جن کا اسمِ گرامی خواجہ محمد زاہد ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے یہ نیاز نامہ حضرت خواجہ ابوالقاسم رحمۃ اللہ کے نام ارسال فرمایا۔

گرفتار محمد الباقی بعرض ملازمان آستانہٗ ولایت میرساند......

(یہ عاجز محمد باقی آستانہٗ ولایت کے وابستگان کی خدمت میں عرض کرتا ہے)

کہ اس منبع سعادات واقبال کی خاک بوسی کی اس عاجز کو بڑی خواہش ہے مگر کثرتِ مصروفیات اور جسمانی قوامی کا ضعف بڑی رکاوٹ ہے۔ اس عاجز میں اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ کہیں جا سکے۔ ہاں خدا کے برگزیدہ بندوں کی عنایت سے اللہ کا کرم باقی ہے۔ اِنَّـــهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ (بلاشبہ اللہ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے) بہر حال یہ عاجز اُمیدوار ہے کہ اسے اپنے غلاموں میں سمجھیں گے اور بذریعۂ توجہ مدد فرمائیں گے۔ اپنی ارادت و سعادت کا دریچہ یہ عاجز اسی درگاہ سے وابستگی کو جانتا ہے۔

حضرت خواجگیؒ قدس سرہٗ نے اس گدائے عاجز کو خود بخود قبول فرمایا تھا۔ چناں چہ ابتداء میں طلب والتماس کا وسیلہ بھی درمیان میں نہ تھا۔ اور اب اس آستانہ پر یہ کچھ مقام حاصل ہے۔

تراہست دست تصرف دراز لگیراز سر غائباں دست باز

مرادست ہمت بفتراک تمست سرم گر بہ گردوں رسد خاک تست

(آپ کا دستِ تصرف دراز ہے۔ عاجزوں کے سر سے اپنا ہاتھ دور نہ رکھیے۔ میرا ہاتھ تو آپ کے شکار بند پر ہے۔ اگر مرا سر آسمان تک بھی پہنچ جائے تو ہے وہ آپ کی خاک ہی)

یہاں حضرت خواجہ باقی باللہ کا مکتوب ختم ہوا۔ ہمارے حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی مدّ ظلّہٗ، نے بھی مکتوبات کے دفتر اوّل میں مکتوب نمبر ۱۶۸ اور مکتوب نمبر ۱۸۰ حضرت خواجہ ابوالقاسمؒ کے نام لکھا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ محمد صابر رحمۃ اللہ علیہ:

آپ خواجہ میرک گنبد سبزی کے جن کا ذکر پہلے گزرا۔ صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا خواجگی املنگیؒ کے خلیفہ۔ حضرت مولانا خواجگیؒ آپ پر بڑی عنایت فرماتے اور آپ کی ایسی توقیر وعزت کرتے جیسے حضرت خواجہ اسرارؒ اپنے صاحبزادے حضرت خواجگان خواجہ کی کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت خواجہ املنگیؒ نے انتقال سے پیشتر آپ کو ایک عمامہ اور قبائے تبرک پہنائی تھی کہتے ہیں کہ آپ اس قدر بے تکلف اور بے تعین تھے کہ بسا اوقات بہانہ سے بازاروں میں چلے جایا کرتے۔

آپ ایسے شخص سے بڑا گھبراتے اور ڈرتے جو کہتا مجھے مرید کر لیجیے اور اُمور شیخت میرے سپرد کر دیجیے۔ آپ اس بات سے اس درجہ خائف تھے کہ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے خواجہ مولانا نے اس طرح التماس کیا تو ایک مدّت تک انہیں کوئی جواب نہ ملا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بے حد اصرار کیا تو آپ نے قبول فرمایا لیکن ساتھ ہی ثابت وتلقین کے بعد فرمایا:

اے فرزند! مرید شدی کے خواہی مرتد شد

(اے بیٹے! تو مرید ہوا کہ چاہتا ہے کہ مرتد و بے دین ہو جائے)

حضرت خواجہ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ کسی بزرگ کا مرید ہونا ایک دشوار اور مشکل

ہے۔ اس کا حق بجالانے کے لیے استقامت ہر کسی کو میسّر نہیں ہوتی اور جب استقامت نہیں ہوسکتی تو شامتِ اعمال کے باعث نوبت مرتد اور بے دین ہونے تک پہنچ جاتی ہے۔ نعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ

حضرت خواجہ کا یہ ارشاد تحریر کرتے ہوئے آپ کے فیض حالات سے اس عاجز راقم الحروف کے قلب پر پردۂ رموز سے دو نکتے وارد ہوئے ہیں۔ انہیں عرض کرتا ہوں کہ کیا عجب اس کی برکت سے شرفِ قبولیت حاصل ہوجائے۔ نکتہ اولیٰ: پہلا نکتہ یہ کہ مرید اور مرتد ایک ہی شکل کے دو لفظ ہیں۔ فرق صرف دو نکتوں کا ہے۔ جسم روح کے تعین کے دو نکتوں کا نتیجہ تکبر وغرور ہو تو اوپر کے دو نکتوں والا ''مرتد'' و بے دین۔ نکتہ ثانیہ: مرید اس لیے مراد ہوا کہ جو تلخی در تلخی اسے درپیش تھی اس نے اسے برداشت کیا اور مراد پالی بعد ازاں خود کو اس اشارہ سے جانا۔ حضور خواجہ کی یہ تحریر ۱۰۳۴ھ کی ہے۔ اسی سال آپ نے انتقال فرمایا جبکہ آپ کی عمر ۸۰ سال کو پہنچ چکی تھی۔

خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت خواجہ محمد صابرؒ کے فرزند رشید تھے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے اور انھی سے تلقین حاصل کی تھی لیکن کسبِ کمال حضرت خواجہ املنگیؒ کی صحبت بابرکت میں کیا قدس سرہٗ اپنے اسی قریہ میں جو شہر سرسبز کے مصافات میں ہے آپ آج بھی مریدین کی تلقین وارشاد میں مصروف ہیں۔

خواجہ احمد الشہیر بہ خواجہ عمل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کی اولاد سے تھے اور حضرت مولانا املنگیؒ قدس سرہٗ کے منظورِ نظر۔ حضرت کی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں تھیں۔ ایک دن حضرت مولانا

کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ پچاس سال کی عمر میں خواجہ احمد ایک عظیم دولت سے سرفراز ہوگا۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد آپ کو اسی عمر میں حرمین محترمین زادھما اللہ سبحانہ شرفاً کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے اور ۱۰۲۰ھ میں حدود گجرات میں انتقال فرمایا۔ آپ کے فرزندار جمند خواجہ ابوالخیر نے (اللہ تعالیٰ) آپ کو طویل عمرِ عطا فرمائے۔ فرزندی کا حق ادا کیا۔ آپ کی مبارک ہڈیوں کو مکہ معظّمہ لے گئے اور دَرِ مُعلّی میں دفن فرمایا جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

حضرت خواجہ اور ہمارے حضرت مجدد الف ثانیؒ میں انتہائی اخلاص اور محبت کے روابط تھے اور حضرت خواجہ کے نام ہمارے حضرت کے کچھ مکتوب بھی ہیں جن میں اس مکتوب شریف سے جو ہمارے حضرت مجدّد نے لکھا وہ محبت عیاں ہے۔ فرماتے ہیں:

(مرحمت نامۂ گرامی از روئے عنایت نامزد ایں مخلص ساختہ بودند بہ ورود مبتہج گردید و بہ مطالعۂ آں مشرف گشت)

(حضرت کی عنایت و مہربانی سے اس مخلص کے نام جس گرامی نامہ کا صدور ہوا اس کے آنے سے بے حد مسّرت نصیب ہوئی اور اس کے مطالعہ سے شرف حاصل ہوا)

کیا ہی عجیب نعمت ہے کہ ایک آزاد کو اپنی یاد میں گرفتار کر لیا اور کیسی عجیب دولت کہ غمخوار کو مہجور بنایا اور بے چارہ مہجور! جب اس نے خود کو اس قابل نہ پایا کہ اسے وصال نصیب ہو تو بہ ضرورت گوشہ نشینی زاویہ ہجران میں پھرا۔ قرب سے فرار اختیار کیا بعد دوری میں آرام ڈھونڈا اور اتصال کے مقابلہ میں انفصال وجدائی میں قرار تلاش کیا اور جب آزادی پسند کرنے میں گرفتاری ملی تو اسے لشکر کے ساتھ قبول کیا:

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین　　　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

غیر مربوط عبارتوں اور پراگندہ خیالات کے علاوہ یہ عاجز اس سے زیادہ اور کیا عرض

کرے۔ کہ نیازمندی کے خلاف ہوگا۔ ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا۔

(اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو سیّد المرسلین ﷺ کی اتباع پر ثابت قدم رکھے حضور ﷺ پر اور آپ کی آل اولاد پر بہترین صلوٰۃ وسلام)

مولانا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ:

آپ حضرت مولانا امکنگیؒ کے یاران کبار صاحب احوال میں سے تھے۔ ظاہری علوم کا کامل حصہ پایا تھا۔ گوشہ نشینی وانکساری کا بھی وافر حصہ ملا تھا۔ ۱۰۰۸ھ میں بیت اللہ اور روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے قصد سے نکلے اور ہندوستان تشریف لائے اور عاجز کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ ایک موقعہ پر شروع سے اپنے حالات بیان فرمائے کہ ایک دن طالبِ علمی کے زمانہ میں اپنے حضرت مولانا کی خدمت میں گیا۔ آپ فرمانے لگے محمد سعید! چند روز کے لیے ہمارے پاس آ اور درویشی کے لیے کمر ہمت کس۔ میں نے عرض کیا حضرت درویشی تو بہت مشکل کام ہے میرے اندر اتنی ہمّت اور حوصلہ کہاں۔ اس کے بعد چند سال گزر گئے کہ ایک دن اچانک میرے اندر طلب فقر کا داعیہ پیدا ہوا۔ چناں چہ میں حضرت کی خدمت میں گیا اور تلقین اذکار وسلوک اطوار کے بعد واپس آیا۔ ایک دن شوق وجذبہ کے غلبہ میں مجھ سے فرمایا محمد سعید آؤ باہم مقابلہ مشکلات کریں۔ میں نے عرض کیا قبلہ مجھے میں یہ حوصلہ وہمّت نہیں ہے حضرت مولانا نے تبسم فرمایا یعنی اس وقت یہ کہا تھا اور اب یہ کہتے ہیں۔

مولانا محمد سعیدؒ جب زیارت حرمین سے مشرف ہوکر لوٹے تو براستہ ہندوستان ماوراء النہر کی طرف جانے لگے۔ اس بار بھی راقم الحروف کے غریب خانہ پر تشریف لائے اور

حرمین کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حرمین کے لوگوں کی دنیا کے دوسرے خطوں کے لوگوں کا مقابلہ میں وہ حیثیت دیکھی ہے جو ملائکہ حاملین عرش کی دوسرے فرشتوں کے مقابلہ میں آپ نے ایک موقعہ پر حضرت خواجہ امکنگیؒ سے یہ بھی نقل فرمایا کہ حبِّ جاہ اور دنیا طلبی کتنی بری چیزیں ہیں۔ روزِ قیامت کتنے ہی درویش ہوں گے جنہیں حب جاہ و دنیا طلبی کے باعث ایک پاؤں پر لٹکایا جائے گا۔ مولانا محمد سعید ان دنوں ماوراء النہر میں ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔

حاجی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت خواجہ امکنگیؒ کے منظورِ نظر و مقبول مریدوں میں سے تھے۔ انتہا درجہ سادہ مزاج تھے اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی انکساری و خاموشی سے بہرہ ور تھے۔ حضرت خواجہ کی خدمت میں بڑی ریاضتیں کی تھیں اور بڑی عنایات کے مستحق رہے تھے۔ جب حضرت امکنگیؒ کا انتقال ہوا تو لوگوں کو آپ سے چوں کہ بہت حسن عقیدت تھی آپ نے اس خوف سے کہ اب مخلوق کا آپ کی طرف رجوع ہوگا سفر اختیار کیا۔ اور متعدد مرتبہ زیارت بیت اللہ و روضۂ رسول اللہ ﷺ سے مشرف ہوئے۔ بالآخر آپ نے ہندوستان کے شہر برہان پور کے نواح میں توطن اختیار فرمایا آپ وہاں کئی سال تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہے باوجود کبرسنی اور اتنے بڑھاپے کے آپ خود ہل چلاتے۔ اپنے اور بچوں کے لیے پتلا پانی سا حریرہ بناتے۔ اِسے پکاتے خود کھاتے اور بچوں کو کھلاتے۔ اپنی گائیں اور جانور خود چراتے تھے۔

ایک صادق القول دوست نے مجھے حاجی عبدالعزیز کی ایک کرامت سنائی جو دریائے شور کی ایک کشتی میں ظاہر ہوئی تھی مگر میں نے یقین نہ کیا کہ میں حاجی صاحب کو بالکل ایک گمنام اور منکسر المزاج سیدھا سادا بزرگ جانتا تھا۔ جن سے اس طرح کی

مت کی توقع نہ تھی۔ بالآخر ایک روز میں نے بہ اصرار حاجی صاحب سے اس کے بارے میں پوچھ ہی لیا تو آپ نے وہ واقعہ بیان فرمایا کہ ہم ایک بار کشتی میں سوار تھے کچھ شیعہ حضرات بھی اس کشتی میں موجود تھے۔ ہندوستان کے ایک درویش وضع قطع سے دیوانہ لگتے تھے۔ گفتگو بھی غیر مربوط و بے ڈھنگی تھی۔ وہ کبھی کبھی ایسا ظاہر کرتے کہ وہ ابھی لوگوں کو اپنی کرامت دکھائیں گے اور پھر نہ دکھا پاتے اس بناء پر لوگ ان کی ہنسی اُڑاتے اور ان سے تمسخر کرتے۔ شیعہ حضرات کو یہ دیکھ کر موقع ہات لگا اور انہوں نے جو عظیم مشائخ اہلِ سنت پہلے گزرے ہیں اس درویش ہندی پر قیاس کرتے ہوئے ان کا بھی تمسخر اور مذاق اُڑانا شروع کر دیا اور ان اکابرین وزبدۂ عارفین کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ان سنّی بزرگوں کی کرامات بھی بس ایسی ہی ہوں گی جیسی اس درویش ہندی کی ہیں۔ میں ان شیعوں کی یہ گستاخیاں سن کر سخت تنگ دل اور شرمندہ ہو رہا تھا میرے دل میں آیا کہ میں انہیں سمجھاؤں کہ وہ اکابر اس ہندی درویش کی طرح نہ تھے چناں چہ میں نے انہیں سمجھایا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ہم تمہیں اس وقت سچا سمجھیں گے جب یہ کشتی جو کئی روز سے ہوا نہ ہونے کے باعث چل نہیں رہی ہے بلکہ اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے۔ کل چاشت کے وقت چلنے لگے اور پھر فلاں وقت پہلے کی طرح ٹھہر جائے اور نہ چلے۔ میں نے دل میں کہا یہ حق وسچائی کو ظاہر کرنے والی چیز ہوگی۔ شیعوں کا یہ گروہ اپنے باطل عقائد سے باز آ جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا جیسا یہ لوگ کہتے ہیں تو اس ہندی درویش کی طرح یہ لوگ میرا بھی تمسخر اُڑانا شروع کر دیں گے اور خود مجھے اپنے متعلق جو حسن اعتقاد اور حسنِ ظن ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر میں نے دل مضبوط کیا اور ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور جو بات وہ لوگ کہتے تھے وہی دہرائی وہ لوگ ہنسنے لگے کہ لو اس ہندی درویش کی طرح یہ ایک اور مسخرہ ہمارے لیے پیدا ہو گیا اور سب دوسرے دن کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ مقرر وقت آ پہنچا۔ خدا کی قدرت کی تیز

ہوا چلنے لگی اور کشتی چل پڑی یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے اور تعجب کرنے لگے۔ پھر وہ وقت آیا جب میں نے کہا تھا کہ کشتی رُک جائے گی اور کشتی رُک گئی۔ اب وہ لوگ ناچار میرے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے کہ ہم نے بزرگوں کے متعلق غلط عقیدہ رکھا اور اپنی اصلاح کی۔

نسمہ:

وہ اپنے مولانا حضرت خواجہ املنگیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو چیز جوانی کے زمانہ میں حاصل کرنے کی ہے اگر وہ کسی نے بڑھاپے کے زمانہ میں حاصل کی تو اس نے جوانی کا پاس کیا اور وہ پہلوان ہے آپ نے ایک موقعہ پر یہاں تک کہ سالک کی نظرِ ذوق پر ہو، اسے ذوق سے کم سروکار چاہیے۔ اسے حیرت ونکارت کے ساتھ آنا چاہیے۔

نسمہ:

آپ نے فرمایا ابتداً بھوک اور بے خوابی کی نوعیت تجربہ کی ہے یہاں تک کہ یہ دونوں ...... چیزیں انسان کی طبیعت نہ بن جائیں۔ اس کے بعد کچھ شرائط کے ساتھ بھوک جسم کو سلطنت عطا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت خواجہ املنگیؒ سے نقل فرمایا کہ ایک روز آپ نے میرا چہرہ دیکھا کہ زیادہ بھوک سے بہت کمزور اور کملایا ہوا نظر آ رہا تھا آپ نے فرمایا میاں! اتنی ریاضت کرنی چاہیے کہ رخسار چمکے نہ یہ کہ چہرہ کملا جائے اور چہرہ کا رنگ دیکھتے ہی ریاضت وعبادت کرنے کا راز افشاء ہو جائے۔

نسمہ:

تصّورِ شیخ کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا:

''طریق اخصار و رابطہ آنچہ نزدیک تر بہ ادب بود آنست کہ خود را در خدمت پیر

بار کند نہ آنکہ پیر را نزدِ خویش حاضر سازد"۔

"ادب سے قریب تر تصورِ شیخ اور پیر و مرشد کے اخصار و رابطہ کا طریقہ یہ ہے کہ خود کو تصوّر میں پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر سمجھے نہ یہ کہ شیخ کو اپنے پاس بلائے"۔

اس عاجز نے حاجی عبدالعزیز کے حالات ان کے انتقال سے تین چار سال قبل تحریر کیے تھے۔ آپ نے ۱۰۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہُ اللہ سبحانہٗ

حاجی خیر الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا امکنگیؒ کے صاحب حال اصحاب میں سے تھے۔ انہوں نے ہمارے حضرت خواجہ کو خواب میں دیکھا تھا۔ چناں چہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کئی سال تک آپ کی خانقاہ میں ریاضت و قناعت کی زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ حضرت کی صحبت کی برکت سے آپ کو وہ باطنی کیفیات نصیب ہوئیں جن کے آثار آپ کی پیشانی و کردار سے ظاہر ہونے لگے تب آپ روم واپس آئے اور اب روم میں آپ کثیر تعداد میں طالبانِ طریقت کے رہنما ہیں۔ سلمہُ اللہ سبحانہٗ

مولانا صوفی علیا بادی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ بھی حضرت مولانا خواجہ امکنگیؒ کے صاحب ہمّت اصحاب میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابتداء جب آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں تشریف لے گئے تو آپ برص کے بیمار تھے۔ حضرت خواجہ آپ پر بے حد شفقت فرماتے اور ان کی اس بیماری کے باوجود ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ کی عنایت و برکت سے اس بیماری سے شفایاب ہوئے اور حضرت خواجہ کی صحبت سے باطنی شفا و درجات بھی حاصل ہوئے۔ آپ فی الحال اپنے پیر بزرگوار کے مزار مبارک پر طالبانِ طریقت کی اصلاح میں

مصروف ہیں۔

خواجہ لطیف کند بادامی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ فاضل ہیں صاحبِ دل ہیں اور حضرت خواجہ املنگیؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ آج کل کند بادام میں رہائش پذیر ہیں۔ کند بادام میں حضرت خواجہ لطیف کے ہم عصر عبدالغفور نامی ایک اور بزرگ بھی ہیں جو مسند ارادت پر متمکن ہیں۔ آپ کو اپنے والد حضرت خواجہ محمد شریف سے ارادت ہے اور یہ وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر حضرت مولانا خواجگیؒ کاسانی قدس سرہٗ کے دس خلفاء کے ناموں کے سلسلے میں پہلے ہو چکا ہے۔

مقصد دوئم از مقالہ دوم

دوسرے مقالہ کا دوسرا مقصد عارفین کے سردار ملّت و دین کے رضی و پسندیدہ حضرت خواجہ محمد الباقی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے صاحبزادگان و خلفاء کے حالات کے بیان میں ہے۔

تحریر کتاب نسمات القدس نسخہ قلمی:

شعبان ۱۳۴۸ھ میں کتاب کا یہ قلمی نسخہ فقیر تراب الاقدام میرزا نعمت اللہ خوقندی عفی عنہ نے حسبِ فرمائش جناب صاحبزادہ محمد خلیل فاروقی الپشاوری شہر قزان میں تحریر کیا۔ یہ تحریر سادات کی قابلِ فخر ہستی سرداروں کے راہنما خصائل نبویہ کے جامع اخلاق حسینیہ احمدیہ کے وارث اور حسبِ ظاہر و نسبت طاہر سے متصف جناب حضرت احمد عارف بیگ آفندی المعروف بہ حکمت اللہ ابن مرحوم ابراہیم عصمت اللہ آفندی سلمہٗ اللہ تعالیٰ عن الآفات والبلیات کے لیے عمل میں آئی۔